ہنس سیریز

سونا گاچھی
(ناول)

جمنا داس اختر

ایڈیٹر روزنامہ "تیج" دہلی

پبلشر

مکتبہ رنگین، ۱۰۹۷ گنج میر خاں عقب ڈلایہ

19 ____________

OFFICE OF ____________

FILE NO. ____________ PART ____________

HEAD ____________

28-4.75

Sona Gachi

ناول سوناگاچھی

سونا گاچھی

ناول

پہلا حصہ

ایشیا میں کسی وقت عصمت فروشی کا سب سے بڑا مرکز شنگھائی میں تھا بین الاقوامی اہمیت کا شہر ہونے کی وجہ سے دنیا بھر کے بردہ فروش مختلف قوموں اور نسلوں کی لڑکیوں کو لے کر شنگھائی میں پہنچتے اور عصمت فروشی کے اڈے چلانے والے دلالوں کے پاس فروخت کرتے چین کا نقشہ بدل گیا [illegible] شنگھائی کا رنگ بھی بدلا اب ایشیا میں کلکتہ اور لاہور عصمت فروشی [illegible] بڑے اڈے ہیں، لاہور میں اس بازار کو "ہیرا منڈی" [illegible] اس علاقے کو "سونا گاچی" یا "سونا گاچھی"

کہا جاتا ہے کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عہد میں لاہور کے شاہی قلعہ کے نزدیک ہیروں کے سوداگر اکٹھے ہوتے تھے اس لئے اس جگہ کا نام "ہیرامنڈی" پڑ گیا۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ ہیرا ایک طوائف کا نام تھا، جو مغلوں کے عہد میں شاہی قلعہ کے نزدیک قیام کرتی تھی۔ جس سے اس علاقے کا نام "ہیرامنڈی" پڑ گیا۔ کلکتہ کے بازار کا نام "سوناگاچھی" کیوں پڑا؟ اس کے جواب میں بھی کئی داستانیں بیان کی جاتی ہیں۔ کہتے ہیں کہ مغلوں کے عہد میں یہاں ایک بہت بڑا باغ ہوتا تھا۔ مغل شہزادے طوائفوں سے دل بہلانے کے لئے پہنچتے اور انھیں سونے چاندی سے لاد دیتے۔ مغلوں کا زوال ہوا تو داد عیش دینے کے لئے امیروں اور رئیسوں نے جگہ لے لی اور اسے عیش گاہ بنا لیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ سارا علاقہ آہستہ آہستہ طوائفوں کا مرکز بن گیا۔ اور اس کا نام سوناگاچھی یا سونے کا باغ پڑ گیا۔ ایک اور روایت یہ ہے کہ اس علاقے میں سونا نام کی کسی طوائف کی کوٹھی ہوتی تھی۔

یہ روایتیں درست ہیں یا غلط؟ اس سے کوئی بحث نہیں، البتہ یہ واقعہ ہے کہ اس بازار کی سرپرستی ہر عہد میں ہوئی۔ کلکتہ نے کئی بار عروج اور زوال دیکھا۔ مگر "سوناگاچھی" کی رونق میں کمی واقع نہیں ہوئی۔ ہندوستان میں زندگی اور موت کی جدوجہد جاری ہوئی۔ ہندوؤں اور مسلمانوں میں ہاتھا پائی ہوئی۔ ہندوستان اور پاکستان کے نعرے بلند ہوئے اور کلکتہ کے بازاروں میں ۲۵ لاکھ انسان، بھوک سے تڑپ تڑپ گئے مگر "سوناگاچھی" کی فضائیں، نقرئی قہقہوں اور سازوں کی جھنکار سے

...

...نہ ہے جب کلکتہ کے بازاروں میں "ہندوستان زندہ باد"

اور "پاکستان زندہ باد" کے نعرے بلند ہو رہے تھے، ایک جلوس جھنڈے اُٹھائے زور زور سے نعرے بلند کرتا ہوا "سوناگاچھی" سے گزر چکا تھا، اور اب دُوسرا جلوس گزر رہا تھا۔ بازار میں بے حد رونق تھی۔ شام کا وقت، غروب ہوتے ہوئے آفتاب کی لال لال کرنیں ایک طرف کے مکانوں کی تیسری منزل پر بکھرتی ہوئی مدھم پڑ رہی تھیں۔ کچھ دیر پہلے بوندا باندی ہو چکی تھی۔ مگر اب مطلع صاف تھا۔ کوٹھوں پر کھڑکیوں سے جھانکتی ہوئی حسین و جمیل لڑکیاں اپنے جسم کے خریداروں کا انتظار کر رہی تھیں۔ انھیں اور اُن کے دلالوں کو اس طرح کے مظاہروں سے نفرت تھی کیونکہ جلوس نکلتے تو اُن کے خریدار "سوناگاچھی" کی سیڑھیوں پر چڑھنے سے ہچکچاتے۔ اُن کی نگاہیں سہم جاتیں اور کچھ دیر کے لئے "سوناگاچھی" کے کاروبار میں تعطل آجاتا۔ اُس وقت حُسن کے خریدار جلوس میں شامل ہو کر دُور تک نکل جاتے اور پھر لوٹ کر ایک یا دوسرے چوبارے پر چڑھ جاتے۔

مزے کی بات یہ تھی کہ جب جلوس "سوناگاچھی" سے گزرتے تو کئی لوگ غیر معمولی طور پر اُچھل اُچھل کر نعرے بلند کرتے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ "زندہ باد" اور "مُردہ باد" کے نعرے تو محض اُن کی زبانوں پر تھے، مگر اُن کی نگاہیں "سوناگاچھی" کی کھڑکیوں میں کھڑی حسین و جمیل لڑکیوں کو تلاش کر رہی تھیں۔

"بیگم محل" کی دُوسری منزل میں کچھ دیر بعد ہی ہنگامہ ہو چکا تھا۔ بوڑھی حشمت نے پان کی پیک تھوکتے ہوئے کڑک کر کہا — "باہر نکلتی ہو کہ نہیں"

چھوٹی سی کوٹھڑی کے اندر ایک لڑکی اور اُس کا خریدار آپس میں کچھ باتیں کر رہے تھے۔ اُسی سے بُڑھیا کو شک ہوا اور وہ کواڑ سے لگ کر اُن کی باتیں سُننے لگی۔

کچھ دیر بعد دروازہ کھلا۔ شیروانی پہنے ہوئے ایک نوجوان باہر نکلا اور

اس کے بعد ایک گورے سے رنگ کی پتلی سی لڑکی۔ بوڑھیا نے پہلے نوجوان کی طرف گھور کر دیکھا اور پھر لڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "کیا کھچڑی پکائی جا رہی تھی زرینہ!" "کچھ بھی تو نہیں"۔ زرینہ نے سہم کر کہا۔

حشمت گرج کر بولی — "بدمعاش کے ساتھ بھاگنے کی تیاری کر رہی ہو"۔

اور پھر اُس نے نوجوان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

"صاحبزادے! اگر آئندہ اس بلڈنگ میں قدم رکھا تو کھوپڑی توڑ کر رکھ دوں گی"۔

سامنے تکیے کے سہارے ایک موٹا سا آدمی شراب کے نشے میں جھوم رہا تھا اُس نے اپنی مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے کہا "کیا ہے حشمت"؟ سیڑھیوں سے کھٹ کھٹ کی آوازیں آئیں اور تین ہٹے کٹے نوجوان یکے بعد دیگرے کمرے میں داخل ہوئے۔

پہلا نوجوان اُنھیں دیکھ کر چپکے سے سیڑھیاں اُتر گیا۔

حشمت نے کھڑکی کے کھلے کواڑ سے لگ کر کھڑی ہوئی لڑکی کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔ "لونڈیا پہلی ملاقات میں ہی پھنس گئی تھی"۔ یہ کہہ کر اُسے بازو سے پکڑ کر تکیہ کی طرف کھینچتے ہوئے اُس نے اپنے ضعیف ہاتھوں سے اُسے دو تین تھپڑ رسید کر دیئے اور چوٹی سے پکڑ کر کہنے لگی "کیوں ری پاکستان بھاگنے کی تیاری کر رہی تھی۔ وہاں تیرا باپ رہتا ہے کیا؟"

لڑکی سہم گئی۔ تکیے کے سہارے بیٹھا ہوا آدمی شراب کے نشے میں اُونگھ رہا تھا۔ نئے آنے والے تینوں ہٹے کٹے نوجوانوں میں سے ایک نے حیرانی سے پوچھا۔

"کیا معاملہ ہے بیگم صاحبہ!"

"معاملہ خاک ہے" حشمت نے پیکدان میں تھوکتے ہوئے کہا "لونڈیا اپنے عاشق کے ساتھ منہ کالا کر کے بھاگنے کی تیاریاں کر رہی تھی اور وہ بدمعاش کہہ رہا تھا کہ پاکستان جا کر نکاح کر لیں گے"

"کون ہے وُہ بدمعاش" ایک نوجوان نے کہا۔

تکیئے کے سہارے اُونگھتا ہُوا آدمی بھی چونک پڑا تھا۔ اُس نے کہا "کیا ہے حشمت شراب ختم ہو گئی کیا؟"

حشمت جُھنجھلا اُٹھی۔ وہ کُچھ کہنا چاہتی تھی کہ شرابی نے لڑکی کی طرف دیکھ کر کہا "کیا ہو گیا ہے تجھے۔ یہاں کیوں کھڑی ہے شراب لا"۔

ایک نوجوان نے گلاس میں شراب انڈیل کر پیش کرتے ہوئے کہا "حوالدار صاحب لیجیے"

شرابی نے گلاس مُنہ سے لگایا۔ دو تین گھونٹ پیئے اور پھر اُونگھنے لگا۔ شراب کا گلاس اُس کے ہاتھ سے چھُوٹ کر قالین پر بچھی ہُوئی سفید چادر پر گر گیا۔ شراب بہہ گئی۔

حشمت نے لڑکی کو ایک اور تھپڑ رسید کرتے ہوئے چلّا کر کہا "جا کھڑکی میں کھڑی ہو جا"

لڑکی کھڑکی کی طرف جانے لگی۔

حشمت پان چباتی ہُوئی شرابی کے نزدیک آ کر بیٹھ گئی۔ دُوسرے نوجوان حیرانی سے اُسے دیکھ رہے تھے حشمت نے نرمی سے کہا "حوالدار صاحب!"

حوالدار صاحب نے سر اُٹھایا۔ خمار آلودہ آنکھیں آدھی کھُلیں اور بند ہو

گئیں اور اُس کا سر پھر جھومنے لگا۔

حشمت قدرے اونچی آواز میں بولی! "حوالدار صاحب!" شرابی نے چونک کر آنکھیں کھولیں اور کہا۔ "کیا ہے؟" حشمت کے اشارے پر ایک نوجوان نے سیڑھیوں کا دروازہ اندر سے بند کر دیا اور حشمت کہنے لگی۔ "حوالدار صاحب! زرینہ بھی بھاگنے کی کوشش کر رہی ہے۔"

شرابی نے شرابیوں کے انداز میں کہا۔ "بکتی ہے۔"

"مگر وہ تو واقعی بھاگ رہی ہے"

"نہیں۔" شرابی نے اب کے پوری قوت جمع کر کے آنکھیں کھولیں اور جسم کو سیدھا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "کون ہے وہ بدمعاش"

اور پھر کھڑکی کے ساتھ کھڑی ہوئی لڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "بھاگنے کی کوشش کرے گی تو گولی سے اڑا دوں گا۔ جانتی نہیں، میرا نام آسوتوش بنیرجی ہے۔"

حشمت نے اب کے اپنے ہاتھوں سے اُسے شراب کا گلاس پیش کرتے ہوئے کہا۔ "حوالدار صاحب! یہ پاکستان زندہ باد کے نعرے کیا بلند ہوئے ہماری لڑکیوں پہ تو ہاتھ صاف کئے جا رہے ہیں۔ پہلے نوری بھاگ گئی، اس کے بعد شمشاد اور اب زرینہ بھی ہاتھ پاؤں مار رہی ہے۔"

"ہاتھ پاؤں توڑ دوں گا سالی کے اور جو اس کی طرف حریصانہ نگاہوں سے دیکھے گا۔ اُس کی گردن توڑ دوں گا۔ بیگم تم بے فکر رہو۔" اور ایک لمحہ خاموش رہ کر تکئے کے سہارے تن کر بیٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے اُس نے تینوں نوجوانوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اُس کی گردن مروڑ دو۔ جو حشمت کی کسی لڑکی کو بھگانے کی کوشش کرے۔ باقی سب کچھ میں خود نپٹ لوں گا۔"

دیمنز جی نے دیوار سے لگے ہوئے کلاک کو دیکھ کر سنبھلتے ہوئے کہا "اُف آٹھ بج گئے۔ مجھے جلدی تھانے میں حاضر ہونا ہے۔ اگر کوئی گڑبڑ ہو تو مجھے فوراً اطلاع دے دینا"

یہ کہہ کر وہ لڑکھڑاتے ہوئے اُٹھا۔ لڑکی کے نزدیک جاکر اُس کے گال میں چٹکی لی اور یہ کہتے ہوئے کہ "یہاں کیا تکلیف ہے تجھے۔ کسی بدمعاش کے ساتھ بھاگ گی تو خواہ مخواہ خراب ہوگی"۔ چھڑی اُٹھاکر جھومتا ہوا سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔ حشمت دو تین سیڑھیوں تک اُس کے ساتھ گئی اور اُس کی جیب میں کچھ ڈال کر واپس آگئی۔ اس کے بعد اُس نے پھر کواڑ بند کر لیا۔

تکیئے سے لگ کر بیٹھا ہوا ایک نوجوان کواڑ کے نزدیک آکر آہستہ آہستہ بڑھیا سے کہنے لگا۔ "اماں! حوالدار پر زیادہ بھروسہ نہیں کرنا چاہیئے۔ ہندو تو ہے ہی نہیں عیسائی ہے اور مجھے آج ہی معلوم ہوا کہ ایک دو روز میں ڈھاکہ جانے والا ہے"

"کیا کہہ رہا ہے تو"۔ حشمت نے حیرانی سے کہا۔

"سچ کہہ رہا ہوں"۔ نوجوان نے کہا "جانے سے پہلے علاقہ کے لوگوں سے طرح طرح کے بہانوں سے روپیہ بٹور رہا ہے۔ پاکستان بننے سے پہلے ہی غائب ہو جانے کی تیاریاں کر رہا ہے"

حشمت نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا "خوب تو اِسی لئے آج کہہ رہا تھا کہ ایک ہزار روپے کا بندوبست کر دو۔ تو فوری کو واپس لا سکتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اُسے روپے نہیں دے دیئے"

کھڑکی پر کھڑی ہوئی لڑکی غالباً اُن کی باتیں سننے کی کوشش کر رہی تھی حشمت

نے اُسے دیکھ کر ڈانٹتے ہوئے کہا۔"کیا سُن رہی ہے لونڈیا اپنے کام سے مطلب رکھ۔ ہمارے معاملہ میں دخل دیا تو ٹانگیں توڑ دوں گی۔"

پھر سیڑھیوں پر کسی کے آنے کی آوازیں آئیں۔ دو فیشن ایبل لڑکیاں کواڑ کھول کر اندر آئیں۔ دونوں ہانپ رہی تھیں۔ بڑھیا انہیں دیکھ کر خوش ہو گئی ایک لڑکی نے جیب سے سو روپے کا نوٹ نکال کر بڑھیا کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔
"لو سنبھالو۔ آج تو بہت تھک گئی ہوں۔"

بڑھیا کی آنکھیں مسرت سے چمک اُٹھیں۔ نوٹ کو تہہ کرتے ہوئے اُس نے کہا
"اور تمہیں کیا حاصل ہوا؟"

"صرف بیس روپے۔ وہ ہم دونوں بانٹ لیں گی۔" لڑکی نے نوٹ دکھاتے ہوئے کہا۔
"میرے حوالے کر دو۔" بڑھیا نے کہا۔"پچاس روپے اکٹھے ہو گئے تو تم دونوں کے لئے دو حسین ساڑھیاں خرید لاؤں گی۔"

"مگر ـــــ"

مگر بڑھیا نے فقرہ پورا نہ ہونے دیا اُس نے جھپٹ کر دونوں نوٹ اپنے ہاتھ میں لے لئے۔ لڑکیوں کے چہرے غمگین ہو گئے۔ بڑھیا نے تحکمانہ انداز میں کہا۔"جاؤ اپنا کام کرو۔ آج تو ابھی تک کسی نے قدم ہی نہیں رکھا۔ کام نہیں کرو گی تو کھاؤ گی کہاں سے۔"
لڑکیاں جھنجھلا اُٹھیں مگر کچھ بول نہ سکیں۔

کچھ دیر بعد دونوں لڑکیاں اپنے آپ کو آراستہ کر کے کھڑکیوں میں کھڑی ہو کر خریداروں کا انتظار کرنے لگیں۔

بڑھیا تکئے کے قریب آکر قالین پر بیٹھ گئی۔

ایک نوجوان نے اشارہ کیا اور بُڑھیا اُس کے ساتھ دوسرے کمرے میں داخل ہو گئی۔ کواڑ بند کرنے کے بعد اُس نے پُوچھا ''داس بابو کوئی نیا مال لائے ہو کیا؟''

داس نے کہا ''ہاں! چار لڑکیاں لایا ہُوں۔ مگر اس دفعہ کچھ زیادہ خرچ ہو گا۔''

بُڑھیا مُسکرا دی۔ کہنے لگی ''تم تو جب بھی آتے ہو زیادہ خرچ کی ہی باتیں کرتے ہو۔''

داس نے سنجیدگی سے کہا ''اس کی وجہ یہ ہے کہ تین تو کنواری لڑکیاں ہیں اور بے حد حسین۔ چوتھی بھی بہت حسین ہے اور ایک وکیل کی لڑکی، شادی صرف ایک ماہ ہُوا ہے۔''

''جھُوٹ بولتے ہو'' بڑھیا نے کہا ''گزشتہ ماہ جو تین لڑکیاں لائے تھے اُنھیں بھی تم نے شریف گھرانوں کی لڑکیاں بتا کر روپیہ بٹور لیا تھا مگر وُہ کمبخت نکلیں آگرے کے چکلے سے بھگائی ہُوئیں۔ ہفتہ بھر بعد ہی اُن کے دلال آ پہنچے۔ بڑی مشکل سے آدھے پونے کر کے اُنہیں ٹھکانے لگایا۔''

داس پہلے تو سنجیدہ رہا۔ اِس کے بعد اُس نے مُسکراتے ہُوئے کہا

''دادی! تُم بھی پُوری اُستاد ہو۔ ہر بار اپنا ہاتھ اُوپر ہی رکھتی ہو۔ اگر تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں تو مَیں جاتا ہُوں۔ رامیشور بھی خریدار ہے۔ مَیں نے اُسے نظر انداز کر کے سوچا کہ حشمت دادی کے پاس ہی جاؤں۔ خیر——!''

یہ کہہ کر اُٹھنے لگا تھا کہ حشمت نے اُس کے گال پر ایک ہلکی سی چپت لگاتے ہُوئے کہا ''بس اِتنی سی بات پر ناراض ہو گئے۔''

''نہیں تو اور کیا کروں دادی'' داس نے تکلف سے کام لیتے ہُوئے کہا ''تم تو بالکل ہی بنیا بن جاتی ہو بنیا۔''

حشمت نے اُسے بازو سے پکڑ کر بٹھا لیا اور کہنے لگی "دیکھو داس بابو! روپیہ تو میں دے دُوں گی مگر وہ لڑکیاں ہیں کہاں ؟"

"اسٹیشن کے نزدیک ہی ہوٹل میں ہیں "

"مگر وُہ کون تھی کل تمہارے ساتھ سینما گھر میں "

"میری بیوی"

"تمہاری بیوی ؟" حشمت نے حیرانی سے پُوچھا۔

"جی ہاں دادی" ! داس نے مُسکراتے ہوُئے کہا "گزشتہ ماہ یہاں سے جاتے ہی شادی کر لی تھی "

"بے حد حسین ہے" حشمت نے کہا۔ "مگر مجھے تو ایسی ہی کوئی لڑکی چاہیئے۔ مُنہ مانگے دام دُوں گی۔ ایک ہزار روپیہ بھی دے سکتی ہُوں "

داس سوچ میں پڑ گیا۔

کچھ دیر بعد اُس نے کہا "مگر مشکل یہ ہے کہ وُہ میری بیوی ہے "

"تو کیا ہُوا۔ ایک ہزار روپیہ بھی تو کم رقم نہیں "

داس پھر سوچنے لگا۔

حشمت کہنے لگی " سوچ لو۔ اگر سودا منظور ہو تو ابھی نقد ادا کر دیتی ہُوں "

"مگر وہ ماننے گی نہیں "

"تم چاہو تو کوئی بات بھی ناممکن نہیں "

داس نے سر جھکا لیا اور کچھ دیر کے بعد کہنے لگا "ایک طریقہ ہے اگر تمہیں منظور ہو تو "

بُڑھیا نے فرش سے اُچھل کر کہا۔ "کیا؟"

"میں اُسے بہانے سے ۱۲ بجے رات کو یہاں لے آؤں گا اور جب سو جائیگی تو غائب ہو جاؤں گا۔ اس کے بعد اگر تم سنبھال سکو تو۔"

"مجھے منظور ہے" حشمت نے کہا اور پھر اُس نے کواڑ کھول کر کہا۔ "ناجُو ذرا شراب تو لاؤ۔"

کھڑکی پر کھڑی ہوئی ایک لڑکی جھنجھلا اُٹھی۔ دوسرے لمحے وہ شراب کا گلاس لے کر آ گئی۔

بُڑھیا نے گلاس داس کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ "اچھا دو سو روپیہ پیشگی دیتی ہوں۔ پہلے چاروں لڑکیاں چھوڑ جاؤ اور اُس کے بعد بہو کو۔"

"اس کا مطلب؟" داس نے گلاس میز پہ رکھتے ہوئے پُوچھا۔

"مطلب چاروں لڑکیاں لے آؤ گے تو ان کی قیمت اُسی وقت ادا کر دوں گی۔"

"ڈیڑھ ہزار سے کم نہیں لونگا۔"

"مجھے منظور ہے۔"

داس گلاس میں بچی ہوئی شراب غٹا غٹ کر کے پی گیا اور یہ کہتے ہوئے باہر نکل گیا۔ "روپیہ تیار رکھو۔ پانچوں لڑکیاں نیچے موٹر میں ہیں اُنہیں بلا لاتا ہوں۔"

بُڑھیا قہقہہ لگا کر ہنس پڑی۔ "تو مجھے یُونہی بیوقوف بنا رہے تھے! خیر بیوی ہے یا کوئی اور اُسے لے آؤ۔ اس کے بغیر سودا نہیں ہوگا۔"

"ابھی آیا" کہہ کر داس سیڑھیوں سے نیچے اُتر گیا۔

بُڑھیا مسکرائی گویا وہ دل ہی دل میں کہہ رہی ہو یہ بیوی کا ڈھونگ بھی دیکھیں گا۔ نقلکا

کہیں کا نہ جانے اِس طرح کتنی عورتوں کو بیوی بنانے کا چکمہ دیکر اس بازار میں فروخت کرچکا ہے۔

اور اسی بلڈنگ کے بالمقابل دوسری بلڈنگ میں کسی کے پائل کی جھنکار کتنے ہی دل پھینک نوجوانوں کو گھائل کئے جارہی تھی۔ ایک صاف ستھرا کمرہ۔ قالین پر بچھی ہُوئی سفید چادر۔ بوڑھا طبلچی طبلہ بجاتے ہوئے ساز کی دھن پر مست ہو رہا تھا یا ناچنے والی لڑکی کے پاؤں کے گھنگروؤں کی جھنکار پر یا یہ محض اس کی عادت کا ایک حصّہ تھا یہ تو ہی جانے مگر جو لوگ دائرہ بنا کر بیٹھے پان چبا رہے تھے، یا سیگریٹ کے گہرے دھوئیں چھوڑ کر کمرے کو بدبودار بنا رہے تھے، بُری طرح جھوم رہے تھے اور "واہ واہ" کی آوازوں سے داد دے رہے تھے۔

کمرے کی دیواروں پر طرح طرح کی تصویریں لگی ہوئی تھیں۔ کرشن اور رام کی تصویریں تھیں، تو جواہر لال اور مسٹر جناح کی بھی۔ ہندوستان کے کسی حصّے میں دو جماعتوں اور دو قوموں کا اتحاد نہیں ہُوا۔ ہُوا تو اسی کمرے میں۔ رقاصہ کے ناچ پر داد دینے والے بھی تو چہروں سے صاف طور پر ہندو اور مسلمان نظر آتے تھے۔ ایک نے ترکی ٹوپی پہنی تھی اُس پر چاند ستارے کا نشان لگا ہُوا تھا۔ دُوسرے نے گنجی سی چوٹی رکھی ہوئی تھی عیش وطرب کی محفل میں یہ سب لوگ سیاسی اختلافات کو بھول چکے تھے۔

دُوسرے کمرے میں ایک دھوتی پوش نوجوان جو شکل وصُورت سے خالص بنگالی معلوم ہوتا تھا، مگر سگریٹ کا ایک لمبا کش لگانے کے بعد دوسرے نوجوان سے کہہ رہا تھا "تو دیکھ لی اس کی تصویر اس کا نام ہے کملیش مصرا بی اے اور پٹنہ کے ایک مشہور کالج کے پروفیسر کی لڑکی!"

"تعجب ہے۔" دوسرے نے تصویر کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا "مگر بابوجی اگر ہمارے ہاں آگئی یا ہم کسی طرح اُسے لے آتے میں کامیاب ہو گئے تو کتنے دن

ٹھیریگی پڑھی لکھی لونڈیا ہے کہیں دو ہزار روپیہ ضائع کرانیکے بعد نو دو گیارہ ہی نہ ہو جائے"
پہلے نوجوان نے کہا۔" نو دو گیارہ ہونیکا سوال تو ابھی پیدا ہی نہیں ہوتا ابھی سوال اُسے یہاں لانے کا ہے۔"

" تو یہ چھوکری اس وقت ہے کہاں؟"

" دہلی میں" پہلے نوجوان نے کہا۔" جی بی روڈ پر رہتی ہے پہلے اِسی بازار کے ایک دلال مستری عبدالشکور کے پاس رہتی تھی۔ نہایت خستہ حالت میں اس کے پاس آئی تھی۔ مستری نے اُسے ناچ اور گانے کی ٹریننگ دی۔ اس کے بعد اچانک غائب ہو کر بمبئی پہنچ گئی۔ ایکٹریس بننے کی کوشش کر رہی تھی۔ کامیابی نہ ہوئی تو دہلی لوٹ آئی۔ اب جی بی روڈ پر رہتی ہے۔ مستری سے الگ اپنا کاروبار چلاتی ہے۔"

" ہوں" کہہ کر دُوسرے نے سگریٹ کا ایک لمبا کش لگایا۔

پہلا نوجوان کہنے لگا۔" شاعر قسم کی ... لڑکی ہے۔ تھانہ حوض قاضی کا ایک افسر اُسے نیک راستہ پر ڈالنے کے لئے اپنے گھر لے گیا تھا مگر چڑیا اُس کی غیر حاضری میں اُڑ گئی، ایک طویل اور شاعرانہ قسم کا خط لکھ کر۔ اُس نے اِس میں لکھا تھا۔ آپ ایک ٹوٹی ہوئی ٹہنی کو دوبارہ پیڑ سے جوڑنے کی ناحق کوشش کر رہے ہیں۔ جو پرندہ گھونسلے سے نکال دیا گیا ہو وہ دوبارہ کبھی لَوٹ کر نہیں آتا۔"

" خوب۔" پہلے نے کھکھلاتے ہوئے کہا۔" تو شاعرانہ مزاج بھی پایا ہے۔"

اب کے دونوں نے قہقہہ بلند کیا۔

تیسرے کمرے میں ایک حسین لڑکی آئینہ کے سامنے اپنے بالوں کو آراستہ کرنے کے بعد باہر نکلی اور لمبی لمبی مونچھوں والے ایک موٹے سے شخص سے مُسکرا کر کہنے

لگی۔ "اچلو کوٹھڑی میں"

اُس شخص نے اُس کی گال پر چٹکی لی اور مُسکراتا ہُوا کوٹھڑی میں داخل ہوگیا وہ حسینہ بھی اُسکے پیچھے پیچھے کوٹھڑی میں داخل ہوگئی۔ کوٹھڑی کا دروازہ بند ہوگیا۔

اور جس کمرے میں اُس نے اپنے بالوں کو آراستہ کیا تھا۔ اُس میں بیٹھی ہُوئی ایک اور لڑکی نے قہقہہ بلند کرتے ہُوئے کہا۔ "پرلے درجہ کی بدمعاش لڑکی ہے یہ کُسم! کتنی اچھی شکل ہے سالی کی۔ مُنہ مانگی قیمت وصول کرسکتی ہے مگر کمبخت سودے بازی کرتی ہی نہیں۔ جو آئے اُسی کے ساتھ ہو لیتی ہے"

دُوسری نے کہا۔ "بدمعاش جو ہُوئی۔ پرماتما کی قسم! چاہے تو اچھے سے اچھا خاوند مل سکتا ہے مگر شادی کا نام ہی نہیں لیتی۔"

تیسری نے کہا۔ "میری رائے میں اوّل درجے کی بُدھو ہے۔ جس طرح اس پر ہر آنے والا جان دینے کے لئے تیار ہوتا ہے اگر میری حالت اسطرح ہوتی تو کب کی یہاں سے غائب ہُو چکی ہوتی۔ پہلے تو اس بدمعاش ماسٹر نے دھوکہ دیا۔ اس کے چکمے میں نہ پھنستی تو اس دوزخ میں نہ آنا پڑتا اور یہ کمبخت ہے کہ چاہنے والے ہونے کے باوجُود کسی کے ساتھ نہیں بھاگتی۔"

ایک ادھیڑ عُمر عورت یکایک کمرے میں داخل ہوگئی تھی۔ اُس نے کڑک کر کہا۔ "کیا باتیں ہورہی ہیں۔ یہاں سب کی سب کیوں اکٹھی ہوگئی ہو۔ دیکھتی نہیں باہر سے لوگ خالی ہاتھ لَوٹ رہے ہیں گویا یہاں آج کوئی لڑکی ہی نہیں۔"

لڑکیاں خوف سے سہم گئیں۔ جو لڑکی ابھی ابھی "دوزخ" کی باتیں کررہی تھی۔ اُسے اس ادھیڑ عُمر عورت نے بازو سے پکڑ کر کہا۔ "چڑیل کہیں کی! جب دیکھو بہانہ کرکے

اِدھر اُدھر آجاتی ہے - باہر نکلتی ہے کہ نہیں "۔

باہر ایک لمبا سا پتلا نوجوان کھڑا انتظار کر رہا تھا۔ بڑھیا نے اِس لڑکی کو اُس کے حوالے کرتے ہوئے کہا ـــ " جایئے اسے اپنے ساتھ لے جایئے "۔

نوجوان نے کہا ـــ " نہیں یہ مجھے پسند نہیں "۔

" تو جایئے سڑکوں پر آوارگی کیجئے "۔ ادھیڑ عمر عورت نے جھنجھلا کر کہا۔

" چار روپے ہیں کوئی حور تو ملنے سے رہی "۔

یہ نوجوان ایک سکول ماسٹر تھا۔ چالیس پچاس روپے تنخواہ ملتی ہوگی۔ دو روپے ماہوار کی ایک ٹیوشن بھی تھی۔ دو تین مہینہ کے بعد ٹیوشن کے روپے اکٹھے ملتے تو شیو کرا کے وائٹ آئل کی خوشبو دار بوتل سے تھوڑا سا تیل سر پر لگا کر دھوبی سے کپڑے دُھلا کر اِس بازار میں آجاتا۔ چھ سات روپے پاس ہوتے۔ اُنہیں جیب میں ٹٹولتے ہوئے وہ بازار کی تمام کوٹھڑیوں کے چکر لگاتا۔ مال کی پرکھ کرتا اور پھر توقع کرتا کہ جو لڑکی چند لمحوں کے لئے اُس کے حوالے کی جائے وہ اُس سے بیوی کی مانند صدقدلانہ محبت اور خلوص سے پیش آئے۔ یہ سمجھے کہ اس کے سوا اس کو چاہنے والا دُوسرا کوئی دُنیا میں ہے ہی نہیں۔

کُسم اتنی دیر میں کوٹھڑی سے باہر نکل آئی تھی۔ ماسٹر جی کو ہٹتے ہُوئے دیکھ کر اُس نے کہا ـــ " ٹھہرو "۔

ماسٹر جی رُک گئے۔

کُسم نے مُسکرا کر کہا ـــ " چلو چار روپے ہی لے لُوں گی "۔

ماسٹر جی حیران رہ گئے مگر دُوسرے لمحے وُہ کوٹھڑی میں گُھس گئے۔ ادھیڑ عمر

عورت دُوسری لڑکیوں کو غصّہ سے گھُورتی ہُوئی ناچ والے کمرے میں چلی گئی۔ اُس کے جاتے ہی سب لڑکیاں کھِلکھلا کر ہنسنے لگیں۔

وہ نسخ کا ذکر کرنے والی لڑکی کہنے لگی —" یہ آدمی تو مجھے جیب کترا معلوم ہوتا تھا مگر مزاج تو دیکھو آسمان پر پہنچا ہُوا ہے۔ اگر میں آنا دہوتی تو اُسے جُوتے لگاتی۔"

اور جو موٹا سا پہلوان نما آدمی کچھ لمحے پہلے کسٔم کی کوٹھڑی سے باہر نکلا تھا خشک کانٹے دار مونچھوں کو تاؤ دیتا ہُوا دُوسری لڑکیوں کی کوٹھڑی کے سامنے کھڑا ہُوا اور پھر مُسکراتے ہوئے نیچے اُتر گیا۔

ایک لڑکی نے دُوسری سے کہا —" جانتی ہو یہ کون ہے؟"

دُوسری نے کہا —" جانتی ہُوں ۔عقب کی گلی میں رہتا ہے۔ میں جب ڈھاکہ میں رہتی تھی تو ایک بار میرے پاس بھی آیا تھا۔ کمبخت حد درجہ کا خونخوار ہے۔ اس نے تو مجھے قاتل کی طرح دبوچ لیا تھا۔ میں سہم گئی تھی اُس کی خوفناک آنکھوں کو دیکھ کر، وہ گندے گندے دانت نکال کر کہتا تھا —" مجھے تم سے محبت ہے مجھ سے شادی کرو گی کیا؟"

"تم نے کیا جواب دیا تھا؟" پہلی نے پُوچھا۔

"کیا جواب دیتی"۔ دُوسری نے کہا۔" مجھے تو ڈر لگ رہا تھا۔ کہیں گلا ہی نہ گھونٹ دے۔ جیل کا جلّاد جو ہُوا۔ جانتی ہُوں کہ اس کا کام قاتلوں کو پھانسی پر لٹکانا ہے۔ جب دو چار آدمیوں کو پھانسی دے تو اس کے پاس کافی پیسے ہو جاتے ہیں۔ اور پھر "سُوناگاچھی" کا ضرور رُخ کرتا ہے۔"

پہلی کہنے لگی —" اب یہ پھانسی دینے کا کام نہیں کرتا۔ ڈھاکہ میں اُس نے کسی

کو قتل کر دیا تھا، اِس لئے برخاست کر دیا گیا تھا مگر مقدمہ چلنے پر شک کا فائدہ ملنے پر بری کر دیا گیا۔ اب عقب کی گلی میں بڑے ٹھاٹھ سے رہتا ہے۔ بدمعاشوں کا سردار ہے سردار۔ کئی پاکٹ مار رکھے ہوئے ہیں۔ اِن کی آمدنی کھاتا ہے اور اگر کوئی شخص اونچ نیچ کرے تو چھرا گھونپ دیتا ہے اُسے دیکھ کر تو مجھے اپنے ظالم چچا کی یاد آجاتی ہے۔"

دُوسری لڑکیاں ہنس پڑیں۔ اُن میں ایک نے کہا۔ "کیوں تمہارا چچا بھی اِسی قماش کا آدمی ہے کیا جگنی؟"

جگنی کی آنکھوں میں خون کھولنے لگا۔ اُس نے کہا۔ "اور کیا اُس نے میری ماں کو قابو کرنے کیلئے پہلے میرے باپ کو قتل کیا اور پھر دو سال کے بعد ایک بدمواش عورت کے لئے میری ماں کو بھی میری آنکھوں کے سامنے موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ مَیں چھوٹی سی لڑکی تھی۔ اُس نے مجھے بشیر سنگھ کے اڈے میں فروخت کر دیا۔ تب سے در بدر کی ٹھوکریں کھا رہی ہوں۔ اگر میری عمر زیادہ ہوتی تو"۔ اُدھر زخم کا ذکر کرنے والی لڑکی کہنے لگی —

"تو کیا ہوتا۔ میری طرح کوئی ماسٹر تمہیں محبّت کے جال میں پھنسا لیتا اور حمل ہو جانے پر بدنامی کے خوف سے کسی دلالہ کے سپرد کر کے غائب ہو جاتا۔ درحقیقت ہم عورتیں پیدا ہی اس لیئے ہوئی ہیں کہ مردوں کے دھوکے کا شکار ہوتی رہیں۔"

کُسم نے کوٹھڑی سے باہر نکل کر شاید اُن کی بات سُن لی تھی۔ اُس نے کمرے میں داخل ہو کر کہا۔ "تم بے وقوف ہو۔ میری طرح سے کام لو تو ہر ایک کو دھوکہ دو۔ ہر ایک مرد سے بدلہ لو۔"

سب لڑکیاں کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔ جگنی نے کہا۔ "تم اور دھوکہ! تمہیں تو ہر کوئی بیوقوف بنا جاتا ہے۔ اس قدر حسین ہونے پر بھی اپنے جسم کو دو دو روپے میں فروخت

کردیتی ہو۔ اگر میں تمہاری طرح حسین ہوتی تو ہر ایک سے اکڑ کر پیش آتی۔ لوگ مجھ پر مرتے مگر میں کسی کو خاطر میں نہ لاتی۔"

کسم ایک بنگالی لڑکی ہے، بردوان سے آئی ہوئی۔ اس کے ماں باپ کون تھے یہ کسی کو معلوم نہیں تھا۔ نہ ہی اس نے اپنی زندگی کے حالات کسی کو بتائے تھے مگر اس کی باتوں کی شائستگی، لباس پہننے کا سلیقہ اور دوسری کتنی ہی باتیں دیکھ کر اندیشہ ہوتا تھا۔ کہ وہ کسی بھلے گھرانے کی دختر ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور نمایاں بات یہ تھی کہ وہ بنگالی اور ہندی کے علاوہ انگریزی بھی جانتی تھی۔

کسم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے مگر وہ ان کی باتوں پر طنزاً مسکرا دی۔ کرسی پر بیٹھتے ہوئے اس نے کہا "تمہارا اندازہ غلط ہے۔ میں بیوقوف نہیں ہوں۔"

یہ کہہ کر جگنی کو قریب بلا کر اس نے منہ کھول کر دکھاتے ہوئے کہا "ذرا اسے دیکھو تو بھی اس میں کوئی خاص چیز نظر آتی ہے؟"

جگنی نے غور سے دیکھتے ہوئے کہا "ہاں دیدی تمہارے منہ میں تو بڑے بھیانک سے چھالے ہیں۔"

کسم سنجیدہ ہو گئی۔ اس نے کہا "تو یہی میری بظاہر سادگی کا راز ہے۔"

لڑکیاں حیران رہ گئی تھیں۔

کسم سنجیدگی سے کہنے لگی "میں تمہارے ساتھ بیٹھ کر کھانا نہیں کھاتی۔ تم سمجھتی ہو کہ میں مغرور ہوں مگر یہ بات درست نہیں۔ میں ہر ایک مرد کے پاس چلی جاتی ہوں اور تم اس غلط فہمی میں ہو۔ کہ میں بے وقوف ہوں یا بدمعاش، یہ بات بھی درست نہیں۔ درحقیقت میں ہر ایک مرد سے انتقام لیتی ہوں۔ میرے نزدیک اگر کوئی مرد آتشک

کی بیماری سے بچ نہیں سکتا ہیں اپنے حسن کا جادو چلا کر انہیں اپنا جسم کوڑیوں کے مول دے کر ان کو خوفناک بیماری میں مبتلا کر دیتی ہوں۔ اس بیماری کا نتیجہ نہ صرف یہ لوگ بھگتیں گے۔ بلکہ ان کی بیویاں، اور بچے، دوست اور رشتہ دار بھی۔ مجھے اس سے سکون ملتا ہے"

سب لڑکیاں خاموشی سے اس کی باتیں سن رہی تھیں۔ کسم مسکرا کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے کہا — "اب یہ گفتگو بند کرو۔ بڑھیا کمبخت نے سن لیا تو ناک میں دم کر دیگی۔"

"یہ تعریف میری ہی کی جا رہی ہے کیا؟" ادھیڑ عمر ولالہ نے اس کا آخری فقرہ سن لیا تھا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہوئے اس نے کہا — "آج سب لڑکیاں آرام فرمانا چاہتی ہیں شاید"

سب لڑکیاں سہم گئیں۔ صرف کسم مسکراتی رہی۔ ولالہ اس سے کبھی ناراض نہیں ہوتی تھی۔ کیونکہ وہ بھی اسے ناراض ہونے کا موقعہ نہیں دیتی تھی۔ ولالہ اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے دوسری لڑکیوں سے کڑک کر بولی۔ "باہر نکلو۔ بڑا کمرہ خالی ہونے والا ہے چلو نیار ہو کر ادھر۔ گاہکوں کے آنے کا وقت ہو گیا ہے۔"

اور پھر دوزخ کا ذکر کرنے والی لڑکی کو ایک تھپڑ رسید کرتے ہوئے اس نے کہا۔ "تو تو پوری حرام خور ہے حرام خور صبح سے یونہی وقت ضائع کر رہی ہے۔ تیرا باپ تو اس گھر کا خرچ پورا نہیں کرے گا۔ آج چالیس روپے کما کر نہ دئے تو یاد رکھنا کھانا نہیں ملے گا۔ اس کے علاوہ تم سے اچھی طرح نپٹوں گی۔"

تھوڑی دیر بعد جب وہی لڑکیوں سج دھج کر بڑے کمرے میں داخل ہوئیں تو

بجلی کی تیز روشنی میں، پوڈر لگے ہوئے اُن کے چہرے دودھ کی طرح گورے گورے نظر آرہے تھے۔ گاہکوں کا ہجوم لگ گیا۔ جس طرح بھیڑوں کا خریدار قصاب منڈی میں اپنی پسند کا جانور خریدتا ہے۔ اُسی طرح گاہک آتے۔ لڑکیوں کا لباس دیکھتے، اُن کا قد دیکھتے، اُن کی آنکھوں کا معائینہ کرتے۔ کِسی کے شانوں کا دوپٹہ اُس کے سر پر رکھ کر آرٹسٹوں کی طرح ملاحظہ کرتے اور کسی کے بالوں میں بسی ہوئی خوشبو کو سونگھتے، اور دلال سے چند لمحوں کی قربت کے لئے سوداکر کے نوٹ اس کے ہاتھ میں تھما دیتے اور لڑکی کو اس طرح سے کوٹھڑی میں لے جاتے۔ جس طرح ایک قصاب بھیڑ بکری کو ذبح خانے میں لے جاتا ہے۔

ایک بیوپاری قسم کا آدمی بغل کے کمرے میں بیٹھے ہوئے دو آدمیوں سے بات چیت کرنے میں مصروف تھا۔

سر جھکا کر اپنی نگاہیں نیچے کئے ہوئے اس نے کہا ''دو سو روپے تو میں دے دونگا لیکن یہ راز کبھی پر کُھلنے نہ پائے۔ عزت دار آدمی ہوں۔ بات کُھل گئی تو تمام عزت خاک میں مِل جائے گی۔''

ایک دلال نے کاروباری انداز میں یقین دلاتے ہوئے کہا ''نہیں۔ نہیں صاحب! ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ ہمارے سینوں میں تو نہ جانے کیا کیا راز چھپے ہوئے ہیں اگر ہم انھیں اُگلنا شروع کر دیں تو یہ کاروبار دُوسرے دِن ہی چوپٹ ہو جائے۔''

اور دوسرے دلال نے باہر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ''سیٹھ صاحب! اب دیکھئے وُہ صاحب سیڑھیوں سے اُتر رہے ہیں، کارپوریشن کے ممبر ہیں۔ اگر ہم یہ بات کِسی کو بتا دیں یا یہاں ہی شرمندہ کر دیں تو یہ انسانیت اور اخلاق کی بات تو نہیں ہو گی۔

یہاں ہر ایک کی عزت محفوظ ہے۔ ایک کی بات دوسرے کو معلوم نہیں ہو سکتی۔"
سیٹھ جی نے دو سو روپے کے نوٹ گن کر دلال کے حوالے کر دئے اور کہا "رسید"
"واہ سیٹھ جی! آپ بھی عجیب بات کرتے ہیں" دلال نے قہقہہ بلند کرتے ہوئے کہا
"ہمارے ہاں تمام کاروبار اعتبار پہ چلتا ہے۔ ہی کھاتے اور رسید دیتے نہیں۔ کل ہی حسین ترین لڑکی آپ کو مل جائے گی۔"
سیٹھ جی کھسیانے نہیں ہوئے۔ اُنہوں نے کہا ــــ "تو اچھا وہ لڑکی دِکھا ہی دیجئے۔"
دلال نے وہیں سے آواز دی ــــ "کسُم بیٹی!"
دوسرے لمحے کسُم مسکراتی ہوئی کمرے میں داخل ہو گئی۔
سیٹھ جی نے اُس کی طرف دیکھا۔ دوسرے لمحے اُن کی آنکھیں جھک گئیں کہنے لگے ــــ "ٹھیک ہے۔ مگر انہیں اب واپس نہ بھیج دیجئے۔ اِن کے سامنے بات کرتے ہوئے شرم آتی ہے مجھے۔ آپ خود ہی سب کچھ سمجھا دیجئے گا۔" اشارہ پاکر لڑکی چلی گئی۔
دلال نے کہا ــــ "آپ ٹیکسی بھیج دیجئے گا۔ کل سات آٹھ بجے کے درمیان۔ کسُم آپکے پاس پہنچ جائے گی۔"
سیٹھ جی نے سر ہلا کر رضامندی ظاہر کی۔ اُٹھتے ہوئے اُنہوں نے کہا "مگر دیکھئے۔ کام بننے پر اور بھی انعام دوں گا اور پھر یہ سلسلہ چلتا ہی رہے گا۔ میرا مطلب یہ ہے کہ جب ہم رائے بہادر کی کوٹھی پر جائیں تو یہ اپنے آپ کو میری بیوی ہی ظاہر کریں اور اس طرح سے باتیں کریں، گویا ایک شریف گھرانے کی بہو ہیں۔ بس ایک رات کا قصّہ ہے۔ رائے بہادر نے ٹھیکہ دلا دیا تو آپ کو اور بھی خوش کروں گا۔"
"آپ بالکل بے فکر رہئے گا سیٹھ جی۔ کسُم آپکی توقعات سے بھی بڑھ کر آپ کو خوش

کرے گی۔" دلال نے تسلی دِلاتے ہوئے کہا۔

سیٹھ جی چھڑی اُٹھا کر "رام رام" کر کے سیڑھیوں کی طرف جانے لگے۔ پہلی سیڑھی پر قدم رکھتے ہی وہ پیچھے ہٹ آئے۔ کچھ سوچ کر اُنہوں نے کہا ۔"ایک اور بات ہے۔ کل دوپہر کو ایک نئی ساڑھی اور جمپر بھیج دوں گا۔ کُسُم اُسے پہن کر ہی آئے۔ یہ ساڑھی اُسے انعام میں مل جائے گی۔ میں واپس نہیں لوں گا۔"

دلال ہنس پڑا۔ اُس نے کہا ۔"اور ٹیکسی کا کرایہ!"

سیٹھ صاحب اس سوال پر قدرے جھنجلا اُٹھے۔ اُنہوں نے کہا ۔"وہ بھی میں ادا کر دوں گا۔ آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"

سیٹھ صاحب سیڑھیوں سے اُتر گئے۔ ایک دلال نے زور سے قہقہہ بلند کیا۔ اُس نے کہا ۔"بدمعاش کہیں کا، کہتا تھا ہمارا راز کسی پر ظاہر نہ ہو۔ عزّت میں فرق آجائیگا۔ ایک طوائف کو بیوی ظاہر کر کے ٹھیکے حاصل کرنے کے لئے دُوسروں کے حوالے کرتا ہے اور پھر بھی اپنے آپ کو عزّت دار کہتا ہے۔"

"مگر ہمیں کیا۔" دوسرے نے کہا۔" دو سو روپے میں یہ سودا مہنگا تو نہیں کُسُم یہ کھیل کامیابی سے کھیل سکے گی اور پھر ان لوگوں کا تو روز مرّہ کا دھندہ ہے۔ ایک بار معاملہ ٹھیک ہو گیا تو پھر اپنی گوں کے لئے یہاں چکر کاٹے گا۔"

زرینہ کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا تھا۔ اُس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ اخبار میں خبر چھپ گئی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی شخص مجھے پہچان لے گا۔ تو حشمت کو اطلاع دیدیگا۔ اور وہ مجھے یہاں سے پکڑ کر لے جائے گی۔

اقبال نے سگریٹ کا کش لگاتے ہوئے کہا۔"تم اس کی فکر نہ کرو، وہ لوگ تمہاری

گرد کو بھی نہیں پا سکتے۔ اور پھر میں نے حشمت کو ایک ہزار روپیہ ادا کر کے اُس کا مُنہ بند کر دیا ہے۔ داروغہ رکاوٹ ڈال رہا تھا۔ اُسے ایک سو روپیہ دیا اور وُہ بھی خاموش ہو گیا۔

اقبال کہہ رہا تھا ــــ" دیکھو زرینہ! محمّد و میرا دوست ہے۔ اسی کے ذریعہ مجھے تمہاری مظلومیت کا علم ہُوا مگر میں اُسے دوست سمجھتے ہوئے بھی بدمعاش اور لفنگا سمجھتا ہُوں۔ جو شخص اِن اڈوں پہ عورتوں کے جسم خریدنے کے لئے جائے وہ کبھی شریف انسان نہیں ہو سکتا۔ درحقیقت وُہ تمہیں ڈھاکہ لیجا کر فروخت کر دینا چاہتا تھا۔ اِسی لئے مَیں نے فیصلہ کر لیا تھا۔ کہ تمہیں ہر حالت میں چھڑاؤں گا"

زرینہ خاموش رہی۔

اقبال کہتا گیا ــــ" تُم اس گھر کو اپنا گھر ہی سمجھو۔ میرے لئے تُم بہن کے برابر ہو۔ محمّد و کے سوا جس شخص سے چاہو شادی کرا دوں گا۔ اور اگر تم تعلیم حاصل کرنا چاہو تو اس کا انتظام بھی ہو جائے گا"

کچھ دیر بعد دوسرے کمرے میں اقبال کی بیوی کہہ رہی تھی ــــ "میں اس لڑکی کا اپنے گھر میں قیام کسی حالت میں پسند نہیں کرتی۔ ایک جوان خوبصورت اور بدمعاش لڑکی کو اس گھر میں دیکھ کر لوگ کیا کہیں گے" اقبال کو غصّہ آ گیا۔ اُس نے کہا:" دیکھو سلمہ! تم نے اِس مظلوم لڑکی کو بدمعاش کہہ کر نہ صرف اس کی توہین کی ہے بلکہ مجھے بھی ٹھیس پہنچائی ہے اگر کوئی اور ہوتا تو اُس کی زبان کھینچ لیتا"

سلمہ سہم گئی مگر جھنجھلاتے ہُوئے اُس نے کہا:" مگر میں اس لڑکی کو زیادہ دیر اپنے گھر میں نہیں رکھ سکتی۔ اگر اسے رکھنا ہی ہے تو مجھے بھیج دو" اقبال کو اور بھی غصّہ

آگیا۔ اُس نے چلاّ کر کہا ــــ "تمہارا کیا مطلب ہے؟ یہ لڑکی ہر حالت میں اس گھر میں رہیگی اور اگر تُم میکے جانا چاہتی ہو تو جا سکتی ہو"

"تو آپ میری زندگی کو کیونکر تباہ کرنے پر تُلے ہُوئے ہیں؟" سلمٰہ نے سپٹپٹاتے ہوئے کہا "تُمہاری زندگی کیونکر تباہ ہوتی ہے"؟ اقبال نے چلاکر کہا۔ "اس کا مطلب تو یہ ہے کہ تُم میرے چلن پر شُبہ کرتی ہو۔ جانتی نہیں کہ میں اِسے اپنی بہن کہہ چکا ہُوں"

سلمٰہ کے تمام تیر بے کار گئے تھے۔ وُہ روتی ہوئی دُوسرے کمرے میں چلی گئی۔

اُسی شام باغ میں ٹہلتے ہُوئے زرینہ کہہ رہی تھی ــــ "بھائی صاحب! آپ مجھے کسی یتیم خانے میں داخل کرا دیں۔ میں نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے آپ کے گھر میں بدمزگی پیدا ہو"

اقبال نے مصنوعی ہنسی ہنستے ہُوئے اُس کے گال پہ ہلکی سی چپت لگا کر کہا ــــ "پگلی کہیں کی! ایسی معمُولی معمُولی باتوں پر بھی کہیں خفا ہو جاتے ہیں کیا۔ وُہ تو اُس کی نادانی تھی۔ تم اتنی سمجھدار ہو کر بھی نادانی کی باتیں کر رہی ہو!"

"مگر ــــ ؟"

"اگر مگر کچھ نہیں" اقبال نے اُسے بات پُوری کرنے کا موقعہ دیئے بغیر کہا "تُم اُس گھر میں ہی رہو گی۔ تُم نہیں جانتیں کہ تمہاری وجہ سے مجھے کس قدر سکُون ملتا ہے"

یہ کہہ کر اُس نے زرینہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور کہنے لگا ــــ "چلو سینما میں۔ تمہاری طبیعت بہل جائے گی اور آج کے جھگڑے کی وجہ سے مجھے جو پریشانی ہُوئی ہے۔ وُہ بھی دُور ہو جائے گی"

زرینہ نے کہا ــــ "مگر آپا ــــ"

"نہیں، کچھ بھی معلوم نہیں ہو گا" اقبال نے کہا ــــ "میں کہہ دُونگا کہ تمہارے

ماں باپ کا پتہ لگانے کے لئے ہو آئے گئے تھے۔ اسی لئے دیر ہوگئی۔"

زرینہ کچھ بھی سمجھ نہ سکی!

شو ختم ہونے کے بعد گھر لوٹ کر اقبال نے سلمہ کو مطمئن کر دیا۔ کچھ دن بعد سلمہ کی طبیعت خراب ہوگئی۔ اس کی وجہ کیا تھی؟ مگر اُس نے یہی بتایا کہ اُس کا دل کمزور ہے اسی لئے اُسے دَورے پڑ جاتے ہیں۔

زرینہ اُس کی خدمت کرتی۔ کھانا بھی وہی تیار کرتی۔

اقبال اپنے کمرے میں کھانا کھا رہا تھا۔ زرینہ گرم گرم چپاتی لے کر آئی۔ اقبال نے اُسے بازو سے پکڑ کر کہا۔ "بہت اچھا کھانا بناتی ہو"

زرینہ مسکرا دی۔

اقبال نے ایک لقمہ اُس کی طرف بڑھایا۔

زرینہ اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کرنے لگی۔

اقبال نے اُٹھ کر زبردستی اُس کے مُنہ میں لقمہ ڈال دیا اور اُس کے گال پر ہلکی سی چپت لگاتے ہوئے کہا۔ "پگلی کہیں کی! اِس میں شرمانے کی کونسی بات ہے!"

"مگر یہ اچھی بات نہیں!" زرینہ نے ڈرتے ڈرتے کہا ——— "آپا نے دیکھ لیا تو"

اقبال نے بڑھ کر ایک اور لقمہ اُس کے مُنہ میں ڈال دیا اور کہنے لگا "تو کونسا آسمان ٹوٹ پڑے گا۔ دو دلوں میں محبت ہو تو اُسے خُدا بھی توڑ نہیں سکتا۔"

زرینہ کمرے سے باہر چلی گئی۔ اِس کے بعد وہ اقبال کے کمرے میں لوٹ کر نہیں آئی۔

اقبال کے دل میں طوفان اُمڈ رہے تھے۔ جانے اس کے تخیلات کس بلندی پر پہنچ چکے تھے۔ زرینہ نہیں آئی تو وہ خود رسوئی گھر کی طرف چلا گیا۔ زرینہ وہاں موجود

نہیں تھی۔ دوسرے کمرے میں گیا تو زرینہ سلمہ کی چارپائی پر بیٹھی اُس کا سر دبا رہی تھی۔

اقبال نے کہا "کیا مصیبت ہے! کھانا ادھورا چھوڑ کر اُٹھ آئی ہو۔ میرا تو پیٹ بھی نہیں بھرا۔"

"انہیں غشی آ گئی تھی" زرینہ نے کہا۔ اِس لئے چلی آئی۔ آج ان کی طبیعت بہت خراب معلوم ہوتی ہے۔"

سلمہ نے اُسے پرے ہٹانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا — "کوئی خاص بات نہیں جاؤ انہیں کھانا تو کھلاؤ۔"

زرینہ آہستہ آہستہ اُٹھ گئی۔ اقبال خاموشی سے کھڑا رہا۔ سلمہ نے اپنے ہونٹوں پر ضعیف سی ہنسی لاتے ہوئے کہا "جاؤ کھانا کھاؤ۔"

اور وہ کچھ سوچتا ہوا اپنے کمرے میں آ گیا!

زرینہ خاموشی سے آئی اور چپاتیاں رکھ کر چلی گئی۔ اقبال خاموش بیٹھا رہا۔ آج نہ جانے وہ کیا سوچ رہا تھا۔

زرینہ پھر آئی تو اقبال کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔ اُس نے کہا "آپ کھانا کیوں نہیں کھاتے؟"

زرینہ جانے لگی۔ "اقبال نے اُسے روک کر کہا" زرینہ مجھ سے غلطی ہو گئی۔ میں جانتا ہوں۔ کہ میں نے بُرا کام کیا ہے۔ اِس کے لئے معافی مانگتا ہوں۔ میں اب بھی تمہیں بہن سمجھتا ہوں۔ مجھے معاف کر دینا۔"

زرینہ کی نگاہیں جھک گئیں۔ کچھ لمحے خاموش کھڑی رہ کر وہ لوٹ گئی۔

دن گذرتے گئے۔ ایک دن کمرے میں داخل ہوتے ہوئے اقبال نے دیکھا تو حیران رہ گیا۔ زرینہ آئینہ کے سامنے کھڑی بال سنوار رہی تھی اور وہ حُسن کا مجسمہ نظر

آتی تھی۔ اِس سے پہلے اُس نے زرینہ کو اس قدر حسین کبھی نہیں دیکھا تھا۔
زرینہ نے آئینہ میں اقبال کا چہرہ دیکھا تو جھینپ کر اُس نے اپنا مُنہ چھپا لیا۔
اقبال باہر نکل گیا۔ آج گھر میں سلمہ بھی نہیں تھی۔ وہ کسی سہیلی سے ملنے کے لئے گئی تھی۔ اقبال نے شام کو لوٹنا تھا۔ مگر اتفاق سے جلد ہی لوٹ آیا تھا۔
وہ دوسرے کمرے میں جا کر ٹہلنے لگا۔ جانے وہ کیا سوچ رہا تھا۔ اُس نے سگرٹ سُلگایا۔ کھڑکی سے باہر جھانکا۔ کچھ دیر اسی طرح دیکھتا رہا اور اس کے بعد کھڑکی بند کر کے اس نے کہا — "زرینہ"!
زرینہ نے آواز سُنی تھی یا نہیں مگر کوئی جواب نہ آنے پر اُس نے پھر کہا — "زرینہ ذرا ادھر آؤ۔"
پھر بھی کوئی جواب نہیں آیا۔
اقبال نے اب کے ذرا بلند آواز میں کہا — "زرینہ!"
زرینہ نے کمرے کا دروازہ کھولا اور سامنے آکر کھڑی ہو گئی۔ اُس کی نگاہیں جُھکی ہوئی تھیں۔ اس لئے اقبال کو اُسے پیاسی نگاہوں سے دیکھنے کا پُورا موقعہ مِلا۔ وہ ابھی تک پُوری طرح بال سنوار نہیں چکی تھی۔ کھُلے بالوں پر ہی ایک ہلکا سا دوپٹہ ڈالے ہوئے تھی۔ جس کے ایک حِصّے کو اُس نے جسم پر لپیٹ رکھا تھا۔
اقبال نے کہا "بولتی کیوں نہیں؟"
زرینہ جھینپ گئی۔ اس نے کہا — "فرمائیے"
اقبال نے اُٹھ کر اُس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہُوئے کہا — "بہت وقت لگا دیا آرائش میں۔ ہمارا ذرا بھی خیال نہیں کیا؟"

نذرینہ نے الگ ہوتے ہوئے کہا ــــــ "چائے تیار کر دوں آپ کے لئے!"
اور وہ تیزی سے قدم اُٹھاتے ہوئے جانے لگی۔

اقبال نے آگے بڑھ کر اُسے روک لیا اور کہنے لگا ـــــ "ابھی نہیں"۔ یہ کہہ کر اُس نے اُسے دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا اور کہنے لگا ـــــ "سوچتا ہوں کہ اگر تم ایکٹرس ہوتی تو ہزاروں روپے کماتی"۔ زرینہ پھیکی سی ہنسی ہنسنے لگی۔

اقبال نے اُسے کرسی پر بٹھا دیا اور اُس کے پاس کھڑے ہو کر کہنے لگا ـــــ
"کیا ارادہ ہے اگر ایکٹرس بننا چاہو تو ایک ہفتہ کے اندر اندر انتظام ہو سکتا ہے"

"میں ایکٹرس بننا نہیں چاہتی" زرینہ نے اُٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

اقبال نے اُسے پکڑ رکھا اور کہنے لگا ـــــ "کیوں تم کسی بھی ایکٹریس سے زیادہ خوبصورت ہو"۔ یہ کہہ کر اُس نے اُس کے بالوں پر ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا اور کہنے لگا ـــــ "تمہارے لئے میں بہت پریشان رہتا ہوں"

"تو کہیں شادی کرا دو" زرینہ نے کہا "میرے لئے یہی مناسب ہوگا"

"سچ"

"جی ہاں"

"انکار تو نہیں کرو گی؟"

"نہیں!" زرینہ نے کہا "آخر کب تک یہاں بیٹھی رہوں گی"

اقبال نے اُسے اُٹھا لیا اور اُس کے سامنے کھڑے ہو کر کہنے لگا۔

"مجھے ڈر ہے کہ تم انکار کر دو گی"

"کیوں؟" اُس نے مسکراتے ہوئے کہا ـــــ اور اپنے آپ کو چھڑانے لگی۔

"اِس لئے کہ مَیں تم سے شادی کرنا چاہتا ہُوں"

اور دوسرے لمحے مَیں اُس نے زرینہ کو کچھ کہنے کا موقعہ دیئے بغیر اُسے چوم لیا۔

زرینہ کو جس بات کا ڈر تھا وہی ہُوا۔ اقبال نے اُسے ایک روز بہن کہا تھا۔ اس کے بعد اُسنے دست درازی کی کوشش کی پھر اچانک بدل کر اُسے پھر اپنی بہن کہنے لگا تھا۔ مگر ایک روز اُس نے رُخ پلٹ کر کہا تھا "مَیں تم سے شادی کروں گا" زرینہ کو انکار کرنے کا موقعہ ہی نہیں دیا تھا اُس طرح تین ماہ گزر گئے، رنگ رلیاں مناتے ہُوئے اُس نے کہہ دیا تھا "سلمہ سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ وقت آنے پر میں سب کچھ سنبھال لوں گا" مگر جب پانی سر تک جا پہنچا اور سلمہ کو یہ راز معلوم ہوگیا تو وہ مجرم کی طرح سامنے کھڑا ہوگیا۔ زرینہ کو سلمہ نے بُری طرح پھٹکارا سلمہ کے بھائی نے ہاتھ بھی اُٹھایا اور بڑی بیدردی سے گھر سے نکال دیا۔ اقبال نے اسکے ذرا بھی ہمدردی نہیں کی۔

اور سوناگاچھی کے اس فلیٹ کے ایک کمرے میں ناچنے والی عورت سیٹھ جی کی پگڑی اپنے سر پہ رکھ کر ناچ رہی تھی۔ اور ناچتے ناچتے اُس نے سیٹھ جی کو کان سے پکڑ کر اُٹھا کر اپنے ساتھ ناچنے کے لئے مجبور کر دیا تھا۔ سیٹھ جی تالی بجا بجا کر ناچ رہے تھے۔ رقاصہ ایک جگہ رُک گئی۔ اُسنے پگڑی اُتار کر چھت کی طرف پھینک دی اور ادھر مولوی صاحب کی رومی ٹوپی اُتار کر فٹ بال کی طرح کھیلنے لگی۔ مولوی صاحب داد دینے

کے لئے جھوم اُٹھے۔

دُوسرے کمرے میں زرینہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ اور ایک ادھیڑ عمر عورت چلّا چلّا کر کہہ رہی تھی "دیکھ لیا نا بھاگنے کا نتیجہ! میں تمہیں پناہ دے کر حشمت سے دُشمنی مُول نہیں لے سکتی۔ اور اگر پھر تمہیں پناہ دے دوں تو کیا تعجّب کہ کل کسی اور لونڈے سے تمہاری آنکھ لڑ جائے اور تم پھر بھاگ کر مجھے بدنام کرتی پھرو۔"

زرینہ اُس کے پاؤں پر گر پڑی۔ اُس نے روتے ہوئے کہا "اب میں کہیں نہ جاؤں گی۔ ہر حالت میں تمہارے حُکم کے مطابق چلوں گی۔"

باہر سے کسی نے آواز دی۔ "انسو بیا"

ادھیڑ عمر عورت کا نام یہی تھا — "آئی" کہہ کر وہ باہر چلی گئی۔

کُسم کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اُس نے زرینہ کو چھاتی سے لگا لیا۔ اور کہنے لگی "پگلی۔ اس جگہ لوٹ کر آنے سے تو بہتر تھا۔ کہ تم کنوئیں میں ڈوب کر مر جاتیں۔ اب تو یہ لوگ تم پر ذرا بھی اعتبار نہیں کریں گے پہلے سے زیادہ بے عزتی ہو گی تمہاری۔ خیر اب آ گئی ہو تو رونے دھونے سے کیا فائدہ! اپنی تقدیر پر شاکر رہو۔"

زرینہ نے روتے روتے اُسے جو کچھ بتایا۔ وہ کچھ اس طرح سے تھا کہ گھر سے نکال دیئے جانے کے بعد اقبال اسے مل گیا۔ وہ اسے ایک ہوٹل میں لے گیا تھا مگر وہاں اس سے پیشہ کرایا جانے لگا۔ جو شخص کسی وقت اُسے بہن کہتا تھا۔ اور بعد میں بیوی بنانے کا چکما دے رہا تھا۔ اُس نے اُس کے جسم کو فروخت کرنا شروع کر دیا تھا۔ ایک روز وہ پکڑی گئی تو اقبال بھاگ گیا۔ زرینہ نے اُس کی عزّت کا خیال رکھتے ہوئے اس کا نام نہ لیا۔ اور قید ہو گئی۔ تین ماہ کی قید سے رہائی ملی۔ تو اُسے سر چھپانے کی کوئی جگہ نظر

نہ آئی۔ وہ اقبال کے دفتر میں گئی تو معلوم ہُوا کہ شیلانگ میں اس کی تبدیلی ہو گئی ہے۔ اقبال کے ایک دوست نے اس کی مدد کرنے کا وعدہ کیا۔ مگر ایک بوسیدہ سی جھونپڑی میں رکھ کر اُسے ایک ایسی عورت کے حوالے کر دیا۔ جس کا کام عصمت فروشی کے سوا کچھ نہیں تھا۔ وہ نہ صرف اس عورت کے ذریعہ بکتی بلکہ اقبال کا دوست بھی اس کا جسم فروخت کرتا۔ اور جب سرکار کے حکم سے جھونپڑے گرائے گئے تو وہ بے گھر ہو گئی۔ وہ پُرانے ہوٹل میں چلی گئی تو پہلے روز ہی پھر گرفتار کر لی گئی۔ اب کے چھ ماہ قید کی سزا ملی۔ رہا ہونے کے بعد تنگ آکر وہ حشمت کے مکان پر گئی مگر حشمت ڈھاکہ جا چکی تھی۔ اس لئے کوئی دوسرا راستہ نہ دیکھ کر وہ انسوئیا کے مکان پر چلی گئی۔

انسوئیا دُوسرے کمرے میں ایک بنگالی نوجوان سے کہہ رہی تھی۔ "دہلی چاہو تو لے جا سکتے ہو اسے مگر قیمت نقد ادا کرنا ہو گی۔ آج کل اُدھار کا زمانہ نہیں۔"

بنگالی نوجوان نے ایک ہزار روپے کے نوٹ دیتے ہوئے کہا۔ "روپے تو نقد ادا کر دیتا ہوں۔ مگر صبح لے کر جاؤں گا اسے۔ آج بھی ایک اور جگہ سودا پکّا کرنا ہے۔"

انسوئیا نے احتیاط سے نوٹ گنتے ہُوئے کہا۔ "دیکھنا اسے کلکتہ میں کہیں نہ رکھنا حشمت کے آدمیوں نے دیکھ لیا تو چھین لے جائیں گے۔" "میں اُن کا گورو ہوں گورو۔" بنگالی نوجوان نے کڑک کر کہا اور اس کے بعد اُس نے زور سے قہقہہ لگایا۔

دوسری صبح غسل خانے کی کُنڈی ہلاتے ہُوئے انسوئیا نے کہا۔" دروازہ

کھولو زرینہ ۔"
اندر سے کوئی جواب نہیں آیا تھا ۔
انسوئیا نے بڑبڑاتے ہوئے کہا "کیا مذاق بنا رکھا ہے چھوکری نے ۔ سمجھتی ہے کہ یہ اس کے باوا کا گھر ہے ۔ دروازہ کھولتی ہے کہ نہیں ۔"
دروازہ پھر بھی نہ کھلا ۔ نہ ہی اندر سے کوئی آواز آئی ۔
کسم نے نزدیک آکر آواز دی "دروازہ کھول دو ۔"
جواب نہ ملنے پر اس نے کواڑ کے ایک سوراخ سے جھانک کر دیکھا تو گھبرا کر کہا "غضب ہو گیا ۔ زرینہ نے خودکشی کر لی ہے ۔ اس کی لاش چھت سے لٹک رہی ہے ۔"
انسوئیا نے جھنجھلا کر کہا "وہی ہوا نا ۔ بھاگی نہیں مگر جان دیدی ۔ کمبخت نے ایک ہزار روپیہ ضائع کر دیا ۔"
اور پھر اس نے اسی سوراخ سے جھانکتے ہوئے کہا "جلدی کرو ، داروغہ جی کو بلا لاؤ ۔ کہیں کوئی اور مصیبت کھڑی نہ ہو جائے ۔"
کسم خاموش کھڑی تھی ۔ اس کے چہرے کا رنگ زرد پڑ گیا تھا ۔ اس کی موٹی موٹی حسین آنکھوں سے آنسو بہنے لگے ۔
انسوئیا کہنے لگی "کیا دیکھ رہی ہو کھڑی کھڑی ۔ داروغہ کو فوراً بلا لو کل انہوں نے پاکستان چلے جانا ہے ۔ ۵ سو روپیہ مانگتے تھے اب تو ضرور دیدوں گی ۔ ورنہ کوئی نیا فتنہ کھڑا ہو جائے گا ۔"
کسم نے کہا "مگر موسی داروغہ صاحب تو ملازمت سے ڈسچارج ہو چکے ہیں

وُہ روپیہ ہضم کر لیں گے اور ذرا بھی مدد نہیں کریں گے۔"
انسوئیا نے سر پیٹ لیا۔ چلّا کر بولی "تو اب کیا کیا جائے۔ نئے داروغہ سے
تو جان پہچان بھی نہیں ہے۔ تُم خانصاحب کو ہی بلا لاؤ۔ وہ خُود مدد نہ کر سکے۔ تو
کوئی اور راستہ بتا دیں گے۔"
زرینہ کی خودکشی کی بات سارے فلیٹ میں پھیل گئی تھی جو لڑکیاں آدھی
رات کے بعد تھک کر سو گئی تھیں وہ بھی انسوئیا اور کُسُم کی باتیں سُن کر آج سویرے
ہی جاگ اُٹھیں۔ اُس روز جو لڑکی دوزخ کا ذکر کر رہی تھی وہ کمرے سے باہر
نکل آئی تھی۔ "کیا ہے موسی" کہتے ہوئے جونہی وہ غسل خانے میں جھانکنے لگی انسوئیا
نے غضبناک ہو کر اُسے تھپڑ رسید کر دیا اور چلّا کر کہنے لگی "تیرے باپ کی شادی
تو نہیں ہو رہی۔ بدمعاش کہیں کی۔"
لڑکی کے رُخسار پر انسوئیا کی اُنگلیوں کے لال لال نشان پڑ گئے تھے۔
دوسری لڑکیاں سہم کر فوراً کمرے میں لوٹ گئیں مگر وُہ لڑکی جانے کیوں کھڑی رہی۔
انسوئیا نے اُسے اس حالت میں دیکھا۔ تو چلّا کر کہنے لگی "جاتی ہے کہ نہیں ورنہ
ہڈّی پسلی ایک کر دُوں گی۔"
آج اِس لڑکی میں نہ جانے کیونکر جُرأت آ گئی تھی۔ اُس نے کہا۔
"زرینہ کو قتل کر کے اُس کا خُون چھُپانے کی کوشش کر رہی ہو۔ تُم میری ہڈّی
پسلی توڑ دو، مگر یہ راز ہرگز چھُپا نہیں سکو گی۔"
انسوئیا کو اِس دُبلی سی بدصُورت لڑکی سے اِس جواب کی ہرگز توقع نہیں تھی۔
وُہ بپھرے ہوئے بھیڑیئے کی طرح اُس پر ٹُوٹ پڑی۔ تھپڑ اور گھونسے رسید کرنے

ہوئے چوٹی سے پکڑ کر گھسیٹتے گھسیٹتے دُوسرے کمرے میں لے جا کر اُس نے اُسے ننگے فرش پر پھینک کر اُس کی چھاتی پر اپنا پاؤں رکھتے ہوئے کہا "بول! اب بھی زبان بند رکھے گی یا نہیں"

اُس لڑکی نے دونوں ہاتھوں سے اُس کے پاؤں کو پکڑ کر جھنجھوڑ دیا اور چلّا کر کہا "ہرگز نہیں! اب یہ زبان کبھی بند نہیں ہو سکتی"

انسوئیا کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ اُس نے بڑھ کر اندر سے کواڑ بند کر لئے اور زور سے ایک اور تھپڑ رسید کرتے ہوئے کہا "حرام خور کہیں کی جس کا کھائے اُسی کو دھمکیاں دے۔ آج تیرا شکنجہ نہ کس دوں تو میرا نام انسوئیا نہیں"

یہ کہہ کر وہ لڑکی پر ٹوٹ پڑی۔ اُسے فرش پر گرا کر اس کی چھاتی پر سوار ہو کر کہنے لگی "خاموش رہتی ہے کہ نہیں"

لڑکی نے چلّا کر کہا "کُسم! مجھے یہ شیطان قتل کر رہی ہے فوراً پہنچو"

مگر کُسم وہاں نہیں تھی۔ وہ سیڑھیوں سے نیچے اُتر گئی۔ دُوسری لڑکیاں کمرے کی طرف بڑھیں اور زور زور سے کواڑ کھٹکھٹانے لگیں۔ کمرے کے اندر انسوئیا نے اس لڑکی کی گردن میں اُسی کا دوپٹہ ڈال کر اُسے جکڑتے ہوئے کہا "بدمعاش کہیں کی۔ مجھے پھنسانا چاہتی ہے مگر اس سے پہلے میں تجھے ختم کر کے رہوں گی"

لڑکی کی زبان باہر نکل آئی تھی۔ وہ چلّانے کی کوشش کر رہی تھی مگر بے رحم انسوئیا نے گلا گھونٹ کر اُس کی آواز ہمیشہ کے لئے بند کر دی۔

اس وقت جو نوجوان سیٹھ جی سے کُسم کے لئے سودا بازی کر رہے تھے وہ سیڑھیوں سے اُوپر آ چکے تھے۔ انہوں نے لڑکیوں کو پکڑ پکڑ کر دوسرے کمرے میں بند کرنا شروع

کر دیا۔ ایک نے ریوالور نکال لیا اور گرج کر کہا۔ "خبردار! اگر کسی نے زبان کھولی تو اُسے اسی وقت گولی سے اُڑا دیا جائے گا۔"

ریوالور والا نوجوان کمرے میں لڑکیوں کو بند کر کے ریوالور تانے کھڑا رہا۔ دوسرا باہر نکل کر انسوئیا کے کمرے کی طرف بڑھا۔ انسوئیا کواڑ کھول کر باہر آ گئی۔ اُس کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا تھا۔ اُس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ اُس نے کہا۔ "دھر نیدر! مجھے فوراً کسی مقام پر پہنچا دو، اور اِن نعشوں کو ٹھکانے لگاؤ ورنہ ——"

"یہ بھی مر گئی کیا؟" —— اُس نے کمرے میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "ہاں" انسوئیا نے کہا —— "زرینہ نے خودکشی کر لی تھی۔ اور یہ حرام خور چلّا چلّا کر لوگوں کو اکٹھا کرنا چاہتی تھی۔ اس لئے میں نے اس کا گلا گھونٹ دیا ہے۔ خیر تم لوگ اِن سے بعد میں نپٹ لینا مجھے کسی محفوظ جگہ پر پہنچا دو۔"

اس نوجوان کے ہاتھ رعشہ کے مریض کی طرح کانپ رہے تھے۔ اُس نے کہا۔ "اچھا چلو۔ ہوڑہ جانے والی گاڑی میں سوار کر دیتا ہوں۔ تم وہاں وکیل صاحب کے گھر پہنچ جانا۔ یہاں میں سب کچھ ٹھیک کر لوں گا۔"

"ٹھہرو!" کسی نے گرج کر کہا۔ اور دوسرے لمحے ایک پولیس افسر ریوالور ہاتھ میں لئے ہوئے اُن کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ "کہاں ہے وہ نعش، کہاں ہے وہ لڑکی جسے یہ چڑیل پکڑ کر لے گئی تھی۔"

انسوئیا اور دھر بندر ناتھ دونوں کانپ اُٹھے۔ دھر بندر نے کہا۔

"داروغہ جی۔ مجھے تو کچھ پتہ نہیں۔ میں تو ابھی ابھی سیڑھیوں سے آیا تھا کہ" داروغہ صاحب کے ساتھ قریباً ایک درجن مسلح پولیس مین بھی تھے۔ اُن کی

طرف اشارہ کرتے ہوئے داروغہ صاحب نے کہا "پکڑ لو ان دونوں بدمعاشوں کو"

کسُم اِن کی گرفتاری کے بعد آئی تھی - اُسے دیکھ کر انسویّا کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی - کسُم نے اُسے دیکھ کر دانت پیستے ہوئے کہا -

"مَوسی داروغہ صاحب کو بلا لائی ہوں - اب کیا ارادے ہیں؟"

انسویّا سر جھکا کر کھڑی رہی -

کسُم نے گرج کر کہا - "باقی لڑکیاں کہاں ہیں؟"

دھر بندر بول اُٹھا - "اُس کمرے میں - مگر داروغہ صاحب ذرا سنبھل کر جانا ایک بدمعاش ریوالور لئے کھڑا ہے -"

اندر لڑکیوں نے موقعہ پا کر اُس شخص کو دبوچ لیا تھا - ایک لڑکی نے کواڑ کھول دیئے اور باہر نکل کر کہا - "اُسے ہم نے قابو کر رکھا ہے داروغہ صاحب"

سپاہی تینوں ملزموں کو پکڑ کر لے گئے اور داروغہ صاحب نے کسُم سے کہا -

"بڑے شیطان ہیں یہ لوگ! دو جانوں کا خون کر دیا - خیر اب میں ان سے اچھی طرح نپٹوں گا -"

کسُم کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے - دُوسری لڑکیوں کا بھی یہی حال تھا - کسُم نے کہا - "آپ نے جرأت کی داروغہ صاحب! اب یہ لوگ گرفتار ہو گئے ہیں - یہ اِن کا پہلا جرم نہیں - اگر آپ اِن کمروں کے فرش کھدوائیں تو آپ کو کتنی ہی لڑکیوں کے پنجر ملیں گے - ان لوگوں نے کتنی ہی لڑکیوں کا اِسی طرح خون کیا ہے -"

تیسرے یا چوتھے روز کی بات ہے
"سوناگاچھی" کی چھپا بلڈنگ کی دُوسری منزل کے ایک کمرے میں داخل ہوتے ہُوئے شمبھوناتھ نے کہا:" رادھا رانی غضب ہوگیا ہے"
رادھا رانی ۳۰-۳۲ سال کی ایک حسین عورت کا نام ہے۔ وُہ تکئے کے سہارے بیٹھی ہُوئی پان چبا رہی تھی۔ اپنی سنہری عینکوں سے جھانکتے ہُوئے اس نے کہا ــ کیا ہے؟
شنبھوناتھ نے گھبرائے ہُوئے لہجے میں کہا۔ کسُم کو دھر بندر نے موت کے گھاٹ اُتار کر اپنے آپ کو گولی مار کر خودکشی کر لی ہے۔
"ایں ــ" رادھا رانی نے حیرانی اور خوف کے لہجے میں کہا۔" دھر بندر تو دو تین روز ہُوئے انسوئیا کے فلیٹ سے گرفتار ہو چکا تھا اور کسُم باہر تھی۔ دھر بندر نے کس طرح اُسے ہلاک کیا۔"
شمبھوناتھ قالین پر بیٹھ گیا۔ جیب سے اخبار نکال کر اُس نے پڑھنا شروع کر دیا۔ کچھ اس طرح لکھا تھا۔
" سوناگاچھی میں آج سنسنی پھیل گئی۔ جب ایک مشہور دلال دھر بیندر نے انسویا بائی کے فلیٹ میں داخل ہو کر ایک نوجوان طوائف کسُم کو گولی کا نشانہ بنا دیا

اُسے ہلاک کر کے وہ بھاگنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کہ پولیس کی ایک پارٹی نے اس کا پیچھا کیا۔ سلامتی کا کوئی راستہ نظر نہ آنے پر دھریندر نے اپنے آپ کو گولی مار کر خودکشی کرلی۔

اِس سلسلے میں یاد رہے کہ دھریندر، اُس کے ساتھی اور اُسی بلڈنگ میں رہنے والی ایک ادھیڑ عمر دلالہ انسوئیا کو تین روز پہلے پولیس نے اپنے فلیٹ کی دو لڑکیوں کو ہلاک کرنے کے الزام میں گرفتار کیا تھا۔ کسُم نے پولیس کو ایک سنسنی خیز بیان دیا۔ جس کی بنا پر اِسی فلیٹ کے فرش اُکھاڑے گئے تو نصف درجن لڑکیوں کے پنجر برآمد ہوئے۔ اِن لڑکیوں کو انسوئیا اور دوسرے ملزموں نے وقتاً فوقتاً ہلاک کیا تھا۔ چونکہ اس سلسلے میں بعض سرکاری ملازموں پر بھی شُبہ کیا جاتا ہے اِس لئے پولیس نے پاکستان کو جانے والے افسر اور کچھ دوسرے ملازموں کو بھی حراست میں لے لیا تھا۔

آج صُبح دھریندر کو مجسٹریٹ کے سامنے پیش کرنے کے لئے لے جایا جا رہا تھا۔ کہ اُس نے پولیس کانسٹیبلوں پر حملہ کر کے اپنے آپ کو چھڑا لیا اور سونا گاچھی پہنچ کر کسُم کو گولی سے اُڑا دیا۔ پولیس تفتیش کر رہی ہے اور توقع کی جاتی ہے کہ مزید گرفتاریاں ہونگی۔

شمبھو کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ رادھا رانی کی حالت بھی بگڑی ہُوئی تھی۔ کچھ دیر بعد اُس نے کہا ــــ "معلوم ہوتا ہے کوئی نیا افسر آیا ہے۔ خیر ہمیں اس سے کیا۔ انسوئیا نے جُرم کیا تھا۔ سزا بھگت لے گی ."

"مگر ہے تو خطرناک بات" شمبھو نے کہا ــــ " رادھا رانی مجھے اندیشہ ہے کہ نیا افسر دُوسروں کے لئے بھی کوئی مُصیبت لائے گا۔ ہمیں محتاط ہو جانا چاہئے۔"

رادھا رانی خاموش رہی۔

شمبھو کہنے لگا ـــــ "للتا اور چندو مُکھی کو فوراً کسی محفوظ مقام پر پہنچا دینا چاہئے۔ نابالغ لڑکیاں ہیں۔ اگر پولیس کو معلوم ہو گیا تو ہم دونوں اغوا کے الزام میں دھر لئے جائیں گے۔"

"مگر وہ تو ہماری بیٹیاں ہیں۔ پولیس والوں کو پہلے ہی معلوم ہے۔" رادھا رانی نے کہا۔

شمبھو ناتھ نے کہا۔ "تم بھی کتنی معصوم بنتی ہو۔ پولیس والوں کو غلط بیان دے چکے ہیں تو کیا اِس سے اصلیت چھُپ سکتی ہے۔ دونوں لڑکیاں ہیں، تو خریدی ہُوئی اور پھر یہ بات بھی ظاہر ہے کہ رائے بابو کے آدمی انہیں دہلی سے اغوا کر کے لائے تھے۔ اگر پولیس نے پُوچھ تاچھ شروع کر دی تو وُہ کمبخت سب کچھ بتا دینگی۔ اور ہم خواہ مخواہ گرفتار ہو جائیں گے"۔

"تم ٹھیک کہتے ہو بابُو" رادھا رانی نے مُسکراتے ہُوئے لہجے میں کہا "اور دیکھو۔ رائے بابو آج پھر آئے تھے کہ اُن کے آدمی دہلی اور کانپور سے کُچھ اور بچے لائے ہیں۔ انہیں بھی تنبیہہ کر دینی چاہئے۔ ایسا نہ ہو کہ وُہ ان بچوں کو لے کر یہاں آ پہنچیں اور پولیس کو پتہ لگ جائے"!

شمبھو نے پان اُٹھایا۔ مُنہ میں رکھا اور اخبار کو وہیں پھینک کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ رادھا بھی اپنی جگہ سے اُٹھی۔ شمبھو نے اُسے تھپکی دی۔ اور یہ کہتے ہوئے کمرے سے باہر نِکل کر سیڑھیوں سے نیچے اُتر گیا کہ گاڑی لے کر جاتا ہُوں۔ رات ہونے سے پہلے میں لوٹ آؤں گا۔ اگر کوئی ناخوشگوار بات ہو جائے تو ہوڑہ میں ڈاکٹر صاحب کے مکان پر ٹیلی فون کر دینا۔ اُس کے جانے کے بعد رادھا مُڑ کر کھڑکی کی طرف آئی۔ بازار

میں خوب چہل پہل تھی۔ لڑکیاں اپنے آپ کو آراستہ کئے کھڑی تھیں۔ رادھا ایک لڑکی کے پاس جاکر کھڑی ہوگئی۔ لڑکی کا نام تھا فلورنس یہ ایک اینگلو انڈین لڑکی تھی۔ ۱۹۔۲۰ سال کی عمر ہوگی، رادھا کو اپنے نزدیک دیکھ کر اُس نے کہا ـــــ "ممی! بابو جی کیا کہہ رہے تھے؟"

"کچھ بھی نہیں تو!" رادھا نے چونک کر کہا۔

"سُنا ہے پولیس کچھ لڑکیوں کو چھڑا کر لے گئی ہے؟"

"کہاں سے؟" رادھا نے حیرانی سے پُوچھا۔

"سامنے والی بلڈنگ سے!" فلورنس نے سنجیدگی سے کہا۔ "کہتے ہیں کل رات پولیس آئی تھی اور اِن لڑکیوں کو اپنے ساتھ لے گئی۔ کیوں کہ اُنہوں نے کہا۔ کہ وہ اغوا شُدہ ہیں!"

"کِس نے تُم سے کہا" رادھا نے مُسکراتے ہوئے لہجہ میں کہا "کون ایسی افواہیں پھیلا رہا ہے؟"

"پان والا کہہ رہا تھا۔ اب تھوڑی دیر ہوئے پان دینے کے لئے آیا تو کہہ رہا تھا کہ ابھی اور بھی گرفتاریاں ہوں گی!"

رادھا کے چہرے کا رنگ فق ہوگیا۔ اُس نے کہا "جھُوٹ ہے سب جھُوٹ۔ ان لوگوں کی باتوں پر یقین نہیں کرنا چاہئے"

فلورنس خاموش ہوگئی۔ رادھا اپنے کمرے کی طرف لوٹنے لگی تو اُس نے کہا "ممی ہمیں ہمارے فادر کے پاس بھیج دو نا!"

"کیا بکتی ہے" رادھا نے چلّاتے ہوئے کہا "تمہارے باپ کے پاس روپیہ

ہوتا تو چھڑا کر لے جاتا۔ اب اس سے تمہارا کیا واسطہ! ہم نے تو تمہیں تمہارے باپ سے خریدا ہے۔ اشٹام لکھ دیا ہوا ہے" فلورنس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

شمبھو نیچے اُتر کر سڑک پر پہنچا تھا۔ کہ رادھا نے اسے آواز دے کر واپس بُلا لیا۔ اُس کے آتے ہی وہ شمبھو کو اپنے کمرے میں لے گئی۔ اندر سے کواڑ بند کرتے ہوئے اُس نے کہا "فلورنس کو کہیں لے جاؤ۔ حرام خور ابھی ابھی پولیس کا ذکر کرنے کے بعد کہہ رہی تھی۔ کہ میں اسے اپنے باپ کے پاس پہنچا دوں۔ اسے کسی بہانے سے لے جاؤ ورنہ اگر پولیس آ گئی تو یہ کمبخت ہمیں کسی مصیبت میں مبتلا کر دے گی"

" تو یہ بات ہے" شمبھو نے دانت پیستے ہوئے کہا "ایسی جگہ پہنچاؤں گا جہاں سے واپس نہ آ سکے گی۔ چھوکری کے لئے روپے خرچ کئے ہیں مُفت تو حاصل نہیں کی"

رادھا نے کہا "میری رائے میں اسے کانپور پہنچا دینا چاہیئے۔ کستوری لال کئی بار اس کے لئے فرمائش کر چکا ہے۔ اونے پونے بک جائے تو بھی پرواہ نہیں"

"اونے پونے میں کیوں؟ ڈیڑھ ہزار سے کم نہیں لونگا" شمبھو نے کہا "حشمت کا آدمی ابھی تک یہاں ہی ہے۔ اسکے پاس فروخت کرنا زیادہ اچھا رہے گا۔ پاکستان جا رہا ہے۔ وہاں گرفتار ہو جائے یا اپنے پاس رکھے۔ ہمارے دام کھرے ہو جائیں گے اور پھر نہ پولیس کا خطرہ نہ اس کے باپ کا"

" ٹھیک ہے" رادھا نے سنجیدگی سے کہا۔

شمبھو نے باہر نکل کر فلورنس کے نزدیک جا کر اس کے کان میں کچھ کہا۔ وہ

مُسکرائی اور اس کے ساتھ ہی نیچے اُتر گئی۔

اِس کے جانے کے بعد رادھا نے اطمینان کا سانس لے کر اپنے آپ سے کہا "پرماتما کا شکر ہے اب کوئی خطرہ نہیں رہا۔"

کچھ دیر بعد وہ سب کواڑ بند کر کے الماری کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ الماری میں ایک تصویر رکھی تھی۔ اُسے اُٹھا کر دیکھنے لگی۔ یہ تصویر اس کی اپنی ہی تو تھی۔ جو گیارہ سال پہلے کھچوائی تھی۔ اس وقت رادھا کا نام مس صوفیہ تھا۔ رادھا تصویر کو خاموشی سے دیکھتی رہ گئی۔ ماضی کے متعلق نقوش ذہن میں اُبھرنے لگے۔ اُسے یاد آنے لگے وہ دن جب وہ بمبئی میں کرمویا کے علاقہ میں اپنے باپ کے ساتھ رہتی تھی۔

اُس وقت اِس کی عمر بیس اکیس سال تھی، بے حد حسین تھی وُہ۔ اُس کی شادی ایک ٹھیکیدار سے ہونے والی تھی کہ اچانک ریل کے حادثہ میں اُس کے باپ کی موت ہو گئی۔ کاروبار سنبھالنے والا کوئی نہیں تھا۔ اور جب قرضخواہوں نے تنگ کرنا شروع کیا تو صوفیہ کی ماں کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا کہ وُہ تمام جائیداد فروخت کر دے۔ مگر جائیداد فروخت کرنے کے بعد بھی قرضہ کی مکمل ادائیگی نہ ہو سکی۔ دُوسری طرف اس کے منگیتر نے صوفیہ سے شادی کرنے سے انکار کر دیا۔ ایک طویل جدوجہد کے بعد اُس نے ایک سکول میں ملازمت حاصل کر لی لیکن جب اس نے سکول کمیٹی کے صدر کی نفسانی خواہشات کو ٹھکرا دیا تو اُسے ملازمت سے برطرف کر دیا گیا۔ اِسی دوران میں اُس کی ماں مر گئی تھی، تب شمبھو سے اُس کی ملاقات ہُوئی۔ شمبھو کا اصلی نام نصرُوان تھا وُہ شراب کی ایک دوکان میں اکاؤنٹنٹ تھا۔ صوفیہ

سے اُس نے شادی کا وعدہ کیا مگر چند دِن بعد ہی اُسے معلوم ہُوا کہ نصروان کی آمدنی کے ذرائع پاکیزہ نہیں۔ وُہ کوکین اور ناجائز شراب فروخت کرنے کے علاوہ بردہ فروشی بھی کرتا تھا۔ صوفیہ نے سنبھلنے کی کوشش کی۔ لیکن جب ایک بار نصروان گرفتار ہوگیا اور اس کے بعد صوفیہ اکیلی رہ گئی تو وہ بھی اسی راستے چل پڑی۔ بمبئی میں بار بار گرفتار ہونے اور سزایاب ہونے کے بعد دونوں پولیس کی نگاہ میں چڑھ گئے تھے، اس لئے انہوں نے کانپور کا رُخ اختیار کیا۔ کانپور میں کچھ دن دُکان چمکی مگر پھر پھیکی پڑگئی۔ اس کے بعد انہوں نے ”سوناگاچھی“ کا رُخ کیا۔ تب دونوں نے اپنے نام بدل لئے۔ نام بدلنے میں انہیں کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔ کیونکہ اس پُراسرار دُنیا میں شاید ہی کوئی مرد یا عورت اصلی نام سے رہ رہی ہو۔ یہاں کملا کو حمیدہ اور عشرت کو راجکماری بنانے میں ذرا بھی مشکل پیش نہیں آتی اور پھر ایک بار تو نہیں، موقعہ اور مصلحت کے مطابق اِن لوگوں کے نام اکثر بدلتے رہتے ہیں۔ نام بدلنے سے یہ فائدہ بھی ہوتا ہے کہ اگر پولیس میں کوئی ایماندار افسر آجائے تو اغوا کے مقدموں میں اس کے لئے تفتیش کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ایک بار اسی رادھا رانی کے پاس احمد آباد سے ایک بِکی ہوئی لڑکی نکہت آئی۔ رادھا رانی نے چالاکی سے اس کی جگہ ایک اور لڑکی کو عدالت میں پیش کر دیا۔ اس لڑکی کا اصلی نام تھا کملیش، مگر رادھا رانی کی ترغیب پر اُس نے عدالت میں اپنا نام نگہت بتایا۔ اور رادھا صاف بری ہو گئی۔

آج اِسی رادھا کی آنکھوں سے اچانک آنسو بہنے لگ گئے تھے مگر اُس نے اِن آنسوؤں کو پونچھنے کی کوشش نہیں کی۔ شاید اُسے کسی اور بات کی یاد آرہی تھی۔ اُس نے بند کئے ہوئے کواڑوں کی طرف دیکھا اور پھر الماری میں رکھے ہوئے صندوقچے کو

کھول کر ایک تصویر نکالی، اور اُسے دیکھنے لگی۔

یہ ایک خُوش پوش خُوبصُورت نوجوان کی تصویر تھی۔ اُس نے یونیورسٹی کا سیاہ گون پہن رکھا تھا۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا۔ گویا بی۔ اے یا لاء کی ڈگری لیکر یونیورسٹی کی عمارت سے باہر نکل رہا ہو۔

اس نوجوان کا نام تھا نگیندر کُمار بابُو فرقہ وارانہ فسادات میں اُس نے رادھارانی کو اپنی موٹر میں سوار کر کے فسادیوں سے بچایا تھا۔ اُس وقت رادھارانی نے اُسے اصلی نام نہیں بتایا تھا۔ لیکن دوسرے دن جب رادھا کو اُس کے مکان پر پہنچانے کا سوال آیا اور رادھا نے اپنی اصلیت چھپانے کے لئے اکیلے ہی جانے پر اصرار کیا تو اُس کا بھید کُھل گیا۔ نگیندر نے اُسے اکیلے جانے کی اجازت نہ دی اور جب رادھا نے بتایا کہ وہ "سونا گاچھی" میں اپنا اور دوسروں کا جسم فروخت کرنے کا کاروبار کرتی ہے تو نگیندر بابو کو دھکا لگا۔ اُس نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور دھک سے رہ گیا۔ رادھارانی کو یوں محسوس ہوا، گویا یکایک اس کا محسن اس سے نفرت کرنے لگ گیا ہو۔ اور وہ اُسے نفرت کی آگ میں جھونکنے کو تیار ہو گیا ہو۔

کچھ دیر دونوں خاموش رہے۔ اس کے بعد رادھا نے پوچھا ---

"نگیندر بابو آپ کو مجھ سے نفرت ہو گئی ہے کیا؟"

نگیندر کے چہرے پر سنجیدگی چھائی ہوئی تھی۔ اُس نے کہا "نہیں مَیں تُم سے نفرت نہیں کرتا۔ تم کچھ بھی کیوں نہ ہو۔ میرے خیال میں تمہاری موجودہ زندگی تمہارے ماحول کا نتیجہ ہے۔ اور بعض اوقات انسان کو اپنے ماحول پر کوئی اختیار نہیں ہوتا!"

رادھا نے کہا۔۔۔ "لیکن گر میں دیدہ دانستہ اس راستے پر چل رہی ہوں۔ تب بھی آپ کو مجھ سے ہمدردی ہوگی؟"

نگیندر نے کہا۔۔۔ "ہاں! مجھے تب بھی تم سے ہمدردی ہوگی۔ کیونکہ دُنیا اور سماج جسے غلط سمجھتے ہوں۔ اگر کوئی شخص اس راستے پر چلنے کے لئے اصرار کر رہا ہو تو اُس کی ذہنی حالت پر رحم کے سوا اور کیا کیا جا سکتا ہے۔ اس کا علاج نفرت یا سزا نہیں۔"

تب رادھا نے اُسے محض ایک جنونی انسان سمجھا تھا۔ لیکن نگیندر جس نے کالج کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد وکالت شروع کر دی تھی۔ رادھا میں اب بھی دلچسپی لے رہا تھا۔ وہ اکثر اُس سے ملنے کے لئے آتا تھا، رادھا اُس کا احترام کرتی۔ نگیندر کی بات پر ناراض نہیں ہوتی تھی، لیکن نگیندر کو اُس سے محبت تھی یا محض وہ اُسے اس راستہ سے ہٹانا چاہتا تھا، رادھا یہ کبھی طے نہیں کر سکی تھی۔

یہی نگیندر دس روز ہوئے موٹر کے حادثہ میں زخمی ہو کر ہسپتال میں داخل ہوا تھا۔ رادھا اُسے ہر روز دیکھنے کے لئے جاتی تھی۔ چار روز ہوئے شمبھو نے اُسے ڈانٹ کر کہا تھا "مجھے تمہاری یہ حرکتیں پسند نہیں۔ اگر اب تم اس بدمعاش سے ملنے گئی یا وہ یہاں آیا تو دونوں کی ہڈی پسلی توڑ دوں گا۔"

رادھا شمبھو کی بیوی نہیں شمبھو ہی اُسے تباہی کے راستے پر لایا تھا اس کے

باوجود جب کبھی رادھا نے شمبھو سے شادی کی بات کہی، اُس نے ٹال مٹول سے کام لیا تھا۔ شمبھو نے اس کے دیکھتے دیکھتے درجنوں لڑکیوں سے تعلقات قائم کئے رادھا نے کبھی اعتراض نہیں کیا۔ رادھا ہر بار نہ اپنا جسم فروخت کرے، اس پر بھی شمبھو کو کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن اگر وُہ اپنے بے غرض محسن سے ہمدردی ظاہر کرے تو شمبھو کو یہ بات ناگوار تھی۔ اس کے ذہن میں یہ بات آتی ہی نہیں تھی کہ دُنیا میں کسی بات کا تعلق روپیہ کے بغیر ہو سکتا ہے۔ اگر یہی نگیندر دوسرے لوگوں کی طرح رادھا کا جسم خریدے۔ تو شائد شمبھو کو اعتراض نہ ہو۔ لیکن روپے کے بغیر اُس کے نزدیک رادھا کو کسی مرد سے بات تک نہیں کرنی چاہیئے۔

رادھا روپیہ پیسہ کے لحاظ سے ایک مالدار عورت ہے۔ اُس کے پاس نقد روپیہ بھی ہے اور زیورات بھی۔ تمام اخراجات نکال کر سو ڈیڑھ سو روپیہ روزانہ کی آمدنی ہے شمبھو اس آمدنی سے عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتا ہے۔ لیکن رادھا جس کی وجہ سے شمبھو ہزاروں کا مالک بن گیا، جس کی وجہ سے وُہ موٹر کے بغیر کہیں جاتا نہیں، اُسکی نگاہوں میں محض ایک غلام عورت ہے۔

نگیندر بابو کی تصویر پر عقیدت سے مرجھکا کر وُہ دل ہی دل میں شمبھو اور نگیندر کا موازنہ کرنے لگی۔ ایک طرف شمبھو تھا جسے رادھا کے حُسن اور روپیہ سے غرض تھی اور دوسری طرف نگیندر جو صدق دلی، اور ہمدردی کا مجسّمہ تھا۔ رادھا کو اپنے آپ سے نفرت ہونے لگی۔ "زیورات سے لدی ہوئی حسین عورت ہونے کے باوجود میں غلام ہی تو ہُوں۔ اپنے فلیٹ کی لڑکیوں پر حکومت کر سکتی ہُوں، اُنہیں ڈانٹ پلا سکتی ہُوں لیکن میری ضمیر تو شمبھو کے ہاتھوں بک چکی ہے۔"

نگیندر بابو نے ایک دن کہا تھا ـــ "رادھا چھوڑ دو، اس تمام دولت اور بیش قیمت زیورات کو۔ تم جس ماحول میں رہ کر سکون کی تلاش کر رہی ہو، وہاں دس بار جنم لے کر بھی تمہیں سکون نہیں ملے گا۔" تب رادھا دل ہی دل میں ہنس دی تھی اس کی باتوں پر، لیکن جب شمبھو نے اُسے نگیندر بابو کو دیکھنے کے لئے جانے سے روک دیا تو اُسے محسوس ہُوا کہ نگیندر بابو سچ ہی کہہ رہے تھے۔

رادھا نے ایک بار کواڑ کی طرف دیکھا اور اس کے بعد گلی کی جانب کھُلی ہُوئی کھڑکی کی طرف۔ شاید اُسے اندیشہ ہو رہا تھا کہ کوئی اُسے دیکھ رہا ہے۔ وُہ مُسکرادی اور اس کے بعد اُس نے نگیندر بابو کی تصویر کو اپنے سینے سے لگا لیا۔

آج وُہ جس طرح فلورنس سے پیش آئی تھی، جس طرح اُس نے اپنے فلیٹ کی نابالغ لڑکیوں کو ہوڑہ میں ایک وکیل کے مکان پر چھپا لینے کی تجویز پر پسندیدگی کا اظہار کیا، اُس پر اچانک اُسے شرمندگی محسوس ہونے لگی۔ اچانک اُسے اپنے آپ سے نفرت ہونے لگی اور حق تو یہ ہے کہ اکثر رادھا اپنے آپ سے کہا کرتی ـــ "یہ میری کمزوری ہے۔ نگیندر بابو کو دیکھ کر میں اپنے آپ کو بھُول جاتی ہُوں۔ برسوں سے چھُپی ہُوئی کمسن صوفیہ میرے ذہن کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے اور مجھے یوں محسوس ہونے لگتا ہے کہ میں دولت سے کھیلنے کے باوجُود غلام ہُوں۔ میرے جسم کے ساتھ ہی میرے ضمیر کو بھی شمبھو نے خرید رکھا ہے۔" اچانک کسی نے کواڑ کھٹکھٹائے۔ رادھا کانپ اُٹھی۔ "کون ہو سکتا ہے یہ؟" اُس نے دِل ہی دِل میں کہا اور جلدی سے نگیندر بابو کی تصویر صندوقچہ میں رکھ کر اُس نے الماری بند کر دی اور قفل لگاتے ہوئے بولی:۔ "کون ہے؟"

تلوتما کی آواز تھی، وہ کہہ رہی تھی ___ " دروازہ کھولو شلیندر بابو آئے ہیں۔"

شلیندر کا نام سنتے ہی رادھا کے دل میں نفرت اور غصّہ کے جذبات اُٹھنے لگے۔ اُس نے کہا ___ " ٹھہر، دروازہ کھولتی ہوں"۔ دروازہ کھلا اور ٹھگنے قد کے سانولے سے رنگ کے نوجوان نے سامنے آکر کہا ___ " نمستے رادھا رانی"

"نمستے" رادھا نے سنجیدگی سے جواب دیتے ہوئے کہا ___ "کیا کام ہے۔"

تلوتما فوراً کھڑکی کی طرف چلی گئی۔ شلیندر نے کہا ___ " کام کیا ہے۔ پولیس پیچھا کر رہی ہے۔ دو ایک روز یہاں رہوں گا اور اس کے بعد غائب ہو جاؤنگا۔"

رادھا سوچنے لگی۔ شلیندر نے اس کے بعد کچھ کہنے کی ضرورت نہ سمجھی کمرے کے اندر داخل ہو کر کھڑا ہو گیا اور اِدھر اُدھر دیکھنے کے بعد کہنے لگا ___ " سگار وغیرہ لاؤ۔ وسکی کی بوتل بھی کہیں نظر نہیں آتی بھابھی! آج کیا معاملہ ہے؟ کھوئی کھوئی سی نظر آتی ہو۔ شمبھو دادا کہاں ہیں۔"

رادھا سٹپٹا اُٹھی تھی۔ اُس نے کواڑ بند کرتے ہوئے کہا "شلیندر بابو! تم تو جب بھی آتے ہو۔ ہمارے لئے کوئی نہ کوئی مصیبت آجاتی ہے۔ نہ تم اپنا دھندا چھوڑو گے، نہ ہم لوگ اطمینان کا سانس لینگے۔" یہ کہہ کر وہ کرسی پر بیٹھ گئی۔ شلیندر اس کے پیچھے آکر کھڑا ہو گیا۔ اُس نے کہا ___ " بھابھی! آج بگڑ کیوں رہی ہو۔ اِس سے

پہلے تو تُم نے کبھی اعتراض نہیں کیا۔ آج کیوں مزاج بگڑ گیا ہے ؟"

شلیندر کی شکل دیکھ کر یہی گمان ہونے لگتا ہے کہ وہ ایک خطرناک آدمی ہے۔ تاہم شلیندر، شمبھو کا ہم پیشہ نہیں۔ اُسے لڑکیوں کے معاملہ میں کوئی دلچسپی نہیں، اس کا پیشہ اس سے بھی خطرناک ہے۔ وہ عام طور پر ایک شریف آدمی کے بھیس میں ریل گاڑی کے فرسٹ یا سیکنڈ کلاس کے ڈبے میں سفر کرتا ہے۔ کسی مالدار آسامی کو تاڑ لے تو اُس کا وار کبھی خالی نہیں جاتا۔ وُہ ایک یا دُوسرے طریقہ سے دھتورا یا کوئی دوسری زہریلی چیز پلا کر بے ہوش کر دیتا ہے اور اُس کا مال اسباب لے کر غائب ہو جاتا ہے۔ کسی وقت اُس نے اپنی اصلیت پر پردہ ڈالنے کے لئے اپنے آپ کو ایک بوگس فرم کا ایجنٹ ظاہر کر رکھا تھا مگر ایک دفعہ گرفتار ہُوا تو اُس کا بھید ظاہر ہو گیا۔ اُسے ایک سال کی سزا ہوئی تھی۔ جیل جا کر اپنے فن میں اور بھی مہارت حاصل کر لی تھی اور جب جیل سے باہر نکلا تو اُس نے پھر یہی دھندا شروع کیا۔ پولیس کے لئے اسے گرفتار کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ جب بھی اُسے گرفتاری کا اندیشہ ہوتا وہ حشمت، السوبیا یا شمبھو کے اڈے میں پہنچ جاتا۔ ان اڈوں میں قاتلوں۔ ڈاکوؤں، کوکین فروشوں ہتھیاروں کی ناجائز تجارت کرنے والوں بردہ فروشوں اور رشوت خوروں کو آسانی سے پناہ مل جاتی ہے تو شلیندر کو کیونکر مشکل پیش آتی۔

رادھا کو اداس اور پریشان دیکھ کر شلیندر نے کہا "کیوں بھابھی آج پریشان کیوں ہو؟"

یہ کہہ کر اُس نے سو سو روپے کے تین نوٹ اس کی طرف پھینکتے ہوئے

کہا۔" بھابھی! شلیندر کبھی مرد و دھن دیئے بغیر کسی کو تکلیف نہیں دیتا۔ اِس کے لئے تو سونا گاچھی کے دو چار اڈے ہوٹل یا سرائے کا کام دیتے ہیں اور وہ اتنی فیس دیتا ہے جو بڑے سے بڑا رئیس بھی کسی کو ادا نہیں کرسکتا۔"

رادھا نے نوٹ اُٹھائے نہیں۔ اُس نے بیٹھے بیٹھے کہہ دیا۔" نہیں شلیندر بابو! یہاں تم آج ٹھہر نہیں سکتے۔ مجھے اب اِن باتوں سے ڈر لگنے لگا ہے۔"

"تو سادھو بن جاؤ۔" شلیندر نے فرش پر تکیے کے سہارے بیٹھ کر کہا۔۔۔" اچھا اب اس فضول بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ کسی ملازم کو بھیجکر وسکی منگواؤ۔ آج ایک موٹی اسامی پھنسی ہے دس ہزار روپیہ ہاتھ آیا ہے۔ بھابھی کے لئے شاندار انگوٹھی لایا ہوں۔ کیا یاد کرو گی بھابھی کہ کسی رئیس سے واسطہ پڑا تھا۔"

تاہم رادھا ٹس سے مس نہ ہوئی۔ تین سو کے نوٹ اور شلیندر کی لائی ہوئی انگوٹھی کو دیکھ کر خوش نہ ہوئی۔ اُس نے کہا" دیکھو شلیندر دادا! آج میری طبیعت ٹھیک نہیں اور دوسرے پولیس کئی دن سے" سونا گاچھی" میں زیادہ سرگرم نظر آتی ہے۔ اِس لئے ہم لوگ خود اپنے آپ کو خطرے میں محسوس کر رہے ہیں۔"

شلیندر کے چہرے کا رنگ فق ہوگیا۔ اُس نے کہا" مگر میں تو آج کی رات رہ کر صبح سویرے ہی چلا جاؤں گا۔ تمہیں ذرا بھی پریشان نہیں کروں گا۔"

" نہ بابا" رادھا نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔۔۔" ایک رات بھی نہیں۔ پولیس کی وجہ سے تو تمہارے شمبھو بابو باہر چلے گئے ہیں۔"

شلیندر نے ٹانگیں سیدھی کرتے ہوئے کہا" مگر کچھ بھی ہو۔ اِس وقت تو میں کہیں نہیں جا سکتا۔ آج کی رات تو بہر حالت میں یہاں رہوں گا۔ اس کے

سوا کوئی چارہ کار نہیں"
رادھا کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ دروازے کی طرف جاتے ہوئے اُس نے کہا ""نہیں شلیندر دادا! اُن کی غیر حاضری میں میں کسی کو پناہ دینے کا خطرہ مول نہیں لے سکتی۔ تمہیں یہاں سے جانا ہی ہوگا"
رادھا کو کواڑ کھولتے ہوئے دیکھ کر شلیندر کا ماتھا ٹھنکا۔ فوراً اچھل کر کواڑ کے نزدیک آگیا۔ اُس نے کہا ""کیا کر رہی ہو بھابھی! دروازہ تو نہ کھولو"
"تو اور کیا کر دوں" رادھا نے سپٹپا کر کہا" شرافت یہی ہے کہ چپکے سے چلے جاؤ ورنہ ——"
"ورنہ پولیس میں اطلاع دے کر مجھے گرفتار کرا دو گی کیا؟" شلیندر نے رادھا کو کواڑ سے ہٹاتے ہوئے کہا۔
"ہاں!" رادھا نے غصّہ میں آکر کہا" اگر تم خاموشی سے اپنی راہ نہیں لوگے، تو مجھے یہ قدم بھی اُٹھانا ہی پڑے گا"
"تو یہ بات ہے" شلیندر نے پھانسی کے مجرم کی طرح بگڑ کر کہا۔ دوسرے لمحے اُس کی آنکھوں میں لالی چھا گئی۔ اُس نے رادھا کو زور سے دھکا دے کر فرش پر گرا دیا اور کہنے لگا —— "مجھے تم لوگوں سے ہرگز یہ اندیشہ نہیں تھا رادھا! آج تم حرام خودی پر اتر آئی ہو۔ تم لوگوں کے کتنے ہی راز مجھے معلوم ہیں مگر میں نے تمہیں کبھی دھوکہ نہیں دیا۔ آج مجھے مصیبت میں دیکھ کر تمہاری آنکھیں پھر گئی ہیں"
یہ کہہ کر اُس نے جیب سے ڈیڑھ ہزار روپے کے نوٹ نکالکر اُس کی طرف پھینکتے ہوئے کہا ""تم لوگوں پر ہر وقت روپیہ کا بھوت سوار رہتا ہے۔ روپیہ کے لئے اپنے جسم

اور ضمیر تک فروخت کر دیتے ہو تم۔ یہ نے دو ہزار کی رقم تمہاری ضمیر خریدنے اور تمہارا مُنہ بند کرنے کے لیئے کافی ہے۔"

رادھا اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اُس نے سنجیدگی سے کہا ۔۔"دیکھو شلیندر بابو! زیادہ باتیں بنانے، روپیہ کا لالچ دینے اور دُوسروں کو ذلیل کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اپنی سلامتی چاہتے ہو تو دو گیارہ ہو جاؤ۔ ورنہ مجھ سے بڑھ کر اور تمہارا کوئی دشمن نہیں ہو گا۔"

اب کے شلیندر غصّہ سے بھڑک اُٹھا۔ اس کی آنکھوں میں شیطانیت اُبھر آئی۔ آگے بڑھ کر اُس نے رادھا کو زور سے تھپڑ رسید کیا اور دُوسرے لمحے اُسے فرش پر گرا کر اُس کا دوپٹہ اُس کے منہ میں ٹھونستے ہوئے اُس نے کہا۔۔" حرام خور کمین کی۔ ٹکے ٹکے میں اپنا جسم اور جوانی فروخت کرنے والی ذلیل عورت آج تجھے بھی پر نکل آئے ہیں۔ ابھی تجھے ٹھیک کرتا ہوں۔"

رادھا اپنے آپ کو شلیندر کی گرفت سے چھڑانے کی بے سُود کوشش کر رہی تھی۔ شلیندر اُس کی چھاتی پر سوار تھا۔ گھٹنوں کے بل اُس کے دونوں بازوں کو دباتے ہوئے اُس نے جیب سے کوئی چیز نکالی اور رادھا کے مُنہ پر چھڑک دی۔

رادھا نے ایک بار کھانسنے کی کوشش کی اور اس کے بعد بے ہوش ہو گئی شلیندر اُٹھ کھڑا ہوا۔ اُس نے رادھا کو اس طرح دیکھا جس طرح ایک شکاری اپنی گولی سے ہلاک ہونے والے جانور کو دیکھتا ہے۔ اس کے بعد اُس نے اُس کے بے ہوش جسم کو ایک ٹھوکر لگائی۔ فرش پر بکھرے ہوئے نوٹوں کو سمیٹا اور رادھا کے زیورات اُتار کر اُسی کے دوپٹہ سے ایک ٹکڑا پھاڑ کر اس میں زیورات باندھے

اور پھر رادھا کے جسم کو ایک کونے میں رکھ کر خاموشی سے باہر نکل گیا۔

اس واقعہ سے کئی دن بعد کی بات ہے۔
لکھنؤ سے کلکتہ جانیوالی ٹرین رات کی تاریکی میں فضا کو چیرتی ہوئی لوہے کی پٹڑی پر دیوانہ وار رقص کرتی جا رہی تھی۔ سیکنڈ کلاس کے ڈبے میں بجلی کی روشنی میں ایک نوجوان بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا۔ شکل سے صاف طور پر پہچانا جاتا تھا کہ یہ کلکتہ کا وکیل نگیندر بابو ہے۔ بیماری سے صحت یاب ہونے کے بعد نگیندر بابو کسی مقدمہ کی پیروی کے لئے لکھنؤ گیا تھا، وہاں سے ہی اب کلکتے کو لوٹ کر جا رہا تھا۔
سامنے کی سیٹ پر ایک اور مسافر جو ابھی ابھی دو تین گھنٹے کی نیند کے بعد بیدار ہوا تھا، سگریٹ کے لمبے لمبے کش لگا کر گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔
اُوپر کی سیٹ پر ایک اور مسافر بستر بچھا کر سویا ہوا تھا۔ وہ دوسرے تیسرے اسٹیشن پر گاڑی سے اُترتا۔ کسی دوسرے ڈبے میں جاتا اور اس کے بعد انجن کا وِسل ہوتے ہی لوٹ آتا۔
شائد اُسے نیند نہیں آ رہی تھی، اس لئے کبھی ایک کروٹ لیتا، اور کبھی دوسری۔
کروٹ بدلتے ہوئے... اِس کی جیب سے یا سرہانے کے نیچے سے کچھ

کاغذات گرے اور چھت پر لگے ہُوئے پنکھوں کی ہوا سے ڈبے کے فرش پر بکھر گئے۔ اس مسافر نے یہ بات نہیں دیکھی تھی مگر نگیندر بابو اور دوسرے مسافر نے دیکھ لی تھی۔ وہ دونوں اُٹھے۔ اُوپر والی سیٹ پر سوئے ہوئے مسافر کو آواز دے کر وُہ خُود ہی اُس کے کاغذات اکٹھے کرنے میں مصروف ہو گئے۔

کاغذات دیکھ کر وُہ حیران ہو گئے۔ یہ عام کاغذات نہیں تھے بلکہ تصویریں تھیں، عورتوں کی۔ اِن میں کئی عورتیں بیحد حسین تھیں، لیکن ایک دو عام عورتوں کی طرح اور دوسری بدصُورت۔ ایک تصویر رقص کے انداز کی تھی۔ دُوسری ایک برقعہ پوش حسین لڑکی کی تھی۔ ایک اور تصویر میں یہی لڑکی بیل بوٹوں والی ساڑھی پہنے بال سنوارے بیٹھی تھی۔ اِن تصویروں کو دیکھ کر اس بات پر شک کی گنجائش ہی نہیں رہتی تھی کہ یہ عورتیں شریف گھرانوں سے تعلق نہیں رکھتیں اور ان کا مالک اگر دلال نہیں تو کم از کم اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ اس کا چال چلن مشکوک ہے یا وہ کوئی بگڑا ہوا رئیس زادہ یا دِل پھینک نوجوان ہے۔

وُہ نوجوان جتنی دیر میں چونک کر نیچے اُترا، نگیندر بابو اور دُوسرے مسافر نے تمام تصویریں اکٹھی کر لی تھیں۔ نگیندر بابو تو کچھ نہ بولے اور خاموشی سے اپنی سیٹ پر دوبارہ لیٹ گئے مگر دوسرے مسافر نے اُوپر کی سیٹ سے اُترے ہوئے مسافر کو یہ تصویریں دینے کے ساتھ ساتھ بڑے اشتیاق سے تصویریں دیکھنا شروع کر دیں۔ اُوپر کی سیٹ سے اُترنے والے مسافر نے اطمینان کا سانس لیا۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ دوسرے دونوں مسافروں نے اِن تصویروں پر کوئی مخالفانہ نکتہ چینی نہیں کی تھی، نہ ہی بُرا منایا تھا بلکہ اِن میں سے ایک نے تو انہیں نہایت

اشتیاق سے دیکھنا بھی شروع کر دیا تھا۔ تصویریں واپس کرتے ہوئے ایک مسافر نے دُوسرے سے پُوچھا۔

"آپ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟"

"کلکتہ کو ——"

"کہاں سے تشریف لائے ہیں؟"

"لکھنؤ سے" دُوسرے نے جواب دیا۔ "کاروباری سلسلے میں ایک ضروری کام پڑ گیا تھا۔ اِس لئے کلکتہ جا رہا ہُوں"

"تو کلکتہ میں آپ کا کاروبار ہے؟"

"جی نہیں"! اُس نے کہا۔ "میرا صدر دفتر تو آگرہ میں ہے مگر کاروبار کے سلسلے میں لکھنؤ گیا تھا اور اب کلکتہ جا رہا ہُوں"

یہ کہکر اُس نے چیکوسلواکیہ کی ایک کمپنی کا نام لیتے ہُوئے کہا "میں اس کا چیف کنویسر ہُوں" "یہ کمپنی وزنی مشینری کا کام کرتی ہے"

"بہت خُوب" پہلے مسافر نے ہاتھ جوڑ کر مصافحہ کرتے ہُوئے کہا۔ "میرا نام دلیپ سنگھ ہے۔ نیپال کی فوج میں میجر ہُوں۔ چھُٹی ملی تھی، اِس لئے سوچا کلکتہ کی سیر کر آؤں"

"خُوش قسمتی کی بات ہے" دُوسرے مسافر نے کہا "میرا نام سرلشیں گُپتا ہے آپ سے مِل کر بے حد خُوشی ہُوئی"

یہ کہہ کر اُس نے اپنا کارڈ نکال کر پیش کرتے ہوئے کہا "میں عام طور پر "انٹرنیشنل" ہوٹل میں ٹھہرتا ہوں۔ اگر آپ کو کبھی فرصت ملے تو ضرور تشریف لائیے گا۔

آپ سے مل کر مجھے بے حد خوشی حاصل ہوئی "۔

" اچھا ہوا" دلیپ سنگھ نے کہا " کلکتہ کبھی دیکھا نہیں۔ سُنا ہے کہ گھومنے پھرنے کے لئے اچھی جگہ ہے "!

" جی ہاں " سریش کمار نے مُسکراتے ہوئے کہا " آپ کلکتہ میں مجھے ملنے کی تکلیف ضرور کیجئے گا۔ اپنے لئے سارا کلکتہ ایک طرح سے گھر ہی ہے۔ کوئی علاقہ نہیں جہاں لوگ نہ جانتے ہوں اور پھر اس بار تو میرے پاس کافی وقت بھی ہے اس لئے اگر کوئی پروگرام بنانا چاہیں تو وہ بھی بن جائیگا۔"

" پروگرام!" کہہ کر دلیپ سنگھ ہنس پڑا۔ " ارے صاحب! ہم لوگوں کی زندگی میں کہاں پروگرام۔ یہ بھی غنیمت ہے کہ چھٹی مل گئی ورنہ یہاں تو آئے دن کوئی نہ کوئی مصیبت ہی کھڑی رہتی ہے "!

اور پھر اس نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا " بات یہ ہے کہ اس زندگی میں سکون کسی خوش نصیب انسان کو ہی ملتا ہے اور ہم جیسے انسانوں کی زندگی سے تو خوش نصیبی اور مسرت دونوں کوسوں دُور بھاگتی ہیں "!

سریش کُمار نے قہقہہ لگا کر کہا ۔۔۔ " آپ بڑے دلچسپ انسان معلوم ہوتے ہیں۔ سوچتا تھا کہ اتنا لمبا سفر کیونکر کٹے گا مگر اب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی وجہ سے میری تمام کوفت دُور ہو جائے گی "!

دلیپ سنگھ مُسکرانے لگا۔

اور سریش لیٹ گیا ۔۔۔ " یار آج کل کے حالات میں بھی اگر کوئی انسان تقدیر کا گلہ کرے تو میری رائے میں یہ اس کی اپنی کمزوری ہے، ورنہ جہاں تک عورتوں کا تعلق

ہے، کلکتہ میں آپ کو کوئی کمی نظر نہیں آئے گی۔"

دلیپ سنگھ عورتوں کا ذکر سُن کر جھینپ گیا۔

اور سریش کہنے لگا۔ "جب آپ یہ تصویریں دیکھ رہے تھے، مجھے ذرا شرمندگی محسوس ہو رہی تھی مگر خیر! منیجر صاحب! آپ نے اِن لڑکیوں کی تصویریں دیکھی ہی تو ہیں۔ ایک سے ایک بڑھ کر حسین ہے۔ یہ دہلی کے نمونے ہیں، ایک دن ہی وہاں گیا تھا۔۔۔ جی بی روڈ کی کتنی ہی عورتیں چلتی تھیں مگر ہمارا اصول ہے کہ دو چار پاس کیں اور معاملہ ختم۔ تصویریں لے آیا کہ یادگار رہیں گی۔"

یہ کہہ کر اُس نے دلیپ سنگھ کے ہاتھ پر زور سے ہاتھ مارتے ہوئے کہا: "کلکتہ چل کر وہ نظارہ دکھاؤں گا کہ آپ بے ساختہ کہہ اُٹھیں گے کہ آپ حوروں کے درمیان آ گئے ہیں۔ دہلی کی چھوکریاں یقیناً بنگال کے جادو اثر حُسن کے سامنے کوئی چیز ہی نہیں۔"

دلیپ جھینپ گیا۔

آج تک اُس نے کسی اجنبی سے اِس قدر بے تکلفی سے باتیں نہیں کی تھیں۔

سریش نے اندر کی جیب میں ہاتھ ڈالا ایک پاکٹ بُک نکالی اور اُس میں سے ایک تصویر نکال کر دکھاتے ہوئے کہا۔۔۔ "ذرا ملاحظہ فرمائیے اور پھر رائے ظاہر کیجئے گا۔"

دلیپ نے تصویر دیکھی۔ مُسکرایا اور خاموش ہو گیا۔

سریش نے کہا۔ "اِس کا نام ہے رادھا۔ کلکتہ میں اِس سے بڑھ کر کوئی حسین عورت نہیں ملے گی آپ کو۔ در اصل یہ ایک پارسی عورت ہے، رادھا اُسے پیار سے کہتے ہیں کمبخت مجھ پر بُری طرح سے لٹو ہے۔ اگر آپ کلکتہ میں ملے تو اس سے ضرور

ملاؤں گا آپ کو؟"

رادھا کا نام سُن کر نگیندر بابو چونک اُٹھے تھے۔ اُنہوں نے سریش کی طرف غور سے دیکھا اور پھر سوچنے لگے ۔ "کیا معاملہ ہے! یہ تو کوئی خطرناک آدمی معلوم ہوتا ہے۔"

گاڑی کی رفتار مدھم ہو رہی تھی۔ سریش فوراً اپنی سیٹ چھوڑ کر کھڑا ہو گیا اور جب گاڑی اسٹیشن پر کھڑی ہو گئی تو یہ کہتے ہوئے کہ "اچھا میں اپنی بیٹی سے مل آؤں" دروازہ کھول کر نیچے اُتر گیا۔ چند لمحوں کے بعد وُہ ایک زنانہ ڈبے میں بیٹھا ہُوا ایک خُوش پوش عورت سے باتیں کر رہا تھا۔ عورت نے آسمانی رنگ کی باریک ساڑھی پہن رکھی تھی۔ اور آنکھوں پر سُنہری چشمہ لگایا ہُوا تھا۔ ڈبے میں اس کے سوا اور بھی کئی عورتیں تھیں مگر وُہ سب کی سب سوئی ہوئی تھیں۔ کچھ عورتیں ننگے فرش پر بھی لیٹی ہوئی تھیں۔ اِن کے علاوہ سارے ڈبے میں تین سُوٹ کیس پڑے تھے اور کوئی خاص سامان نہیں تھا۔

سریش کہہ رہا تھا "دیکھو پروتما! سادتری۔ سوشیلا اور زینب کو اگلا اسٹیشن نزدیک آنے سے پہلے ہی جگا لیں، باقی کسی کو جگانے کی ضرورت نہیں سیٹھ گگن بھاری مَول دیں گے، یہ تینوں لڑکیاں اُن کے لئے ہیں۔ اس کے بعد کا پروگرام تمہیں پھر بتاؤں گا۔"

پروتما نے کچھ نہیں کہا۔ سریش نے اُسے چوکس رہنے کی تاکید کی اور اُس کے بعد ڈبے سے نیچے اُتر کر سیکنڈ کلاس کے زنانہ ڈبے کے باہر کھڑا ہو گیا۔

" کہاں گئے تھے آپ" ایک حسین اور جوان لڑکی نے کھڑکی سے جھانکتے ہوئے کہا۔

وہ کہیں نہیں"۔ سریش نے کہا ـــ "اس ڈبے میں ایک رشتہ دار عورت سفر کر رہی تھی۔ سوچا کہ مِل لوں "۔

اُس لڑکی نے سریش کے کان کے نزدیک مُنہ کر کے آہستہ سے کہا ـــ" دیکھئے مجھے بہُت ڈر لگتا ہے۔ سوچتی ہُوں اگر ماں باپ نے پولیس کو اطلاع دیدی ہو اور پولیس نے کہیں دیکھ لیا تو مَیں تو ختم ہو جاؤں گی"۔

"پگلی کہیں کی" سریش نے مصنوعی ہنسی ہنستے ہُوئے کہا "میرے ہوتے ہُوئے بھی بھلا تمہاری طرف کوئی دیکھ سکتا ہے"۔

لڑکی خاموش ہوگئی اُس نے زیرِ لب آواز میں کہا ـــ" کیا کروں کسی کو اپنی طرف دیکھتے ہُوئے دیکھتی ہُوں تو جانے کیوں ڈر کے مارے کانپ اُٹھتی ہُوں"۔

سریش نے اُس کے گال پر ہلکی سی چپت لگاتے ہوئے کہا "یہ محض وہم ہے۔ اور ہاں دیکھو، ایک بات تو مَیں کہنا ہی بھُول گیا۔ مَیں نے تمہیں بتایا تھا نا کہ میرے ایک دوست بمبئی کی مشہور فلم کمپنی "دیو کنیا سنے ٹون" کے مالک ہیں۔ اتفاق سے وہ میرے ڈبے میں ہی سفر کر رہے ہیں۔ اُن سے بات چیت ہُوئی تو اُنہوں نے کہا ـــ واہ صاحب آپ بھی کیوں پریشان ہوتے ہیں۔ مَیں کوشش کر کے فوراً چانس دے دونگا۔ پانچ چھ سو کی ملازمت تو معمولی سی بات ہے"۔

لڑکی نے اطمینان کی سانس لی۔

سریش نے کہا "دیکھو تمہاری تقدیر کا ستارہ کتنا بُلند ہے۔ سفر کے دوران میں ہی فِلم کمپنی کی ملازمت حاصل کرنے کا ذریعہ بن گیا۔ اگر موقعہ مِلا تو اگلے اسٹیشن پر ہی ان سے ملاقات کرا دُونگا"۔

لڑکی جھینپ گئی۔ اُس نے مُسکراتے ہُوئے کہا "نہیں ابھی اُن سے مجھے بات چیت کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیا جانے وہ کیا سمجھیں۔ کلکتہ پہنچ کر آپ خُود معاملہ طے کر لینا مگر ایک بات کا خیال رہے آپ میرے پاس ہی رہیں۔ اکیلی چھوڑ کر کہیں نہ جائیں۔ مجھے اجنبی لوگوں سے ڈر لگتا ہے"۔

"پگلی کہیں کی" سریش نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ "تم نے میرے لئے گھر بار چھوڑ دیا اور میں تمہیں ایک منٹ کے لئے بھی کسی کے پاس چھوڑ دُوں، یہ بھی کبھی ممکن ہو سکتا ہے؟ چھی چھی! میں تمہارے سوا کسی سے شادی نہیں کر سکتا"۔

لڑکی کے چہرے پر نسوانی حیا چھا گئی۔

انجن نے سیٹی دیدی تھی۔ سریش مُسکرا کر یہ کہتے ہُوئے اپنے ڈبے کی طرف بھاگا کہ "فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ بس اگلے سٹیشن پر پھر آؤں گا"۔

لڑکی کھڑکی سے سر نکالے ہُوئے اُسے کچھ دیر تک دیکھتی رہی۔ اور جب سریش سیکنڈ کلاس کے ڈبے میں داخل ہُوا تو اُس نے ایک گہری سانس چھوڑی اور کھڑکی کا شیشہ گرا دیا۔

جس مسافر کو کچھ دیر پہلے سریش لمبے چوڑے سبز باغ دکھا رہا تھا وہ اونگھ رہا تھا۔ نگیندر بابو ابھی تک اخبار پڑھ رہے تھے۔ سریش نے اُن سے کہا۔ "کیا وقت ہے بابو جی"؟

نگیندر کو سریش سے نفرت ہو رہی تھی مگر اُنہوں نے اس کا اظہار نہیں کیا۔ اور گیارہ بج کر ۲۷ منٹ کہہ کر پھر اخبار کا مطالعہ کرنے میں مصروف ہو گئے۔

سریش اپنی سیٹ پر چڑھ کر لیٹ گیا اور سگریٹ لگا کر چھوٹے چھوٹے کش

لگانے لگا۔

سریش کی عمر زیادہ سے زیادہ ۲۸ سال کی ہوگی۔ لباس اور چہرے کی بناوٹ سے اَپ ٹو ڈیٹ اور جیست معلوم ہوتا تھا۔ عام طور پہ ایک ایک فقرے میں انگریزی کے دو تین الفاظ ضرور استعمال کرتا۔ تھری کیسل کے سگریٹ استعمال کرتا۔ اس کا لباس اور بستر ظاہر کرتا تھا کہ وہ کوئی رئیس زادہ ہے۔

سریش جس کا اصلی نام تھا اندرناتھ! سونی پت کے ایک متوسط گھرانے سے اس کا تعلق تھا۔ کالج کی تعلیم حاصل کرنے کیلئے دہلی آیا تھا۔ ایک ہوٹل میں رہتا تھا۔ اِسی ہوٹل میں بُری صحبت میں پڑ کر اُس نے شراب نوشی شروع کردی تھی اور دو بار "بازار" میں بھی ہو آیا تھا۔ وہاں اِن دِنوں وہ دہلی کے ایک کابجنٹ کے ساتھ چوری چھپے گیا تھا۔ لیکن جب اِسی "بازار" کے بالاخانہ پہ اُس نے ہوٹل کے سپرنٹنڈنٹ کو رقاصہ کے ناچ پر خود بھی جھومتے اور ناچتے ہوئے دیکھا تو اس کا خوف دُور ہوگیا۔ تب وُہ آسانی سے ہوٹل سے غائب ہوجاتا اور اس "بازار" میں پہنچ جاتا۔ "بازار" میں جانے کی عادت نے اُسے کالج کی ایک حسین لڑکی کی طرف مائل کیا۔ اِس لڑکی سے دو لڑکے اور بھی محبت کرتے تھے۔ اس لئے سریش کو اس لڑکی کو حاصل کرنے میں چنداں مشکل پیش نہیں آئی اس کو حمل ہوگیا تھا۔ سریش کو کوئی دُوسری جگہ نہ سُوجھی تو وُہ اُسے "بازارِ حسن" میں لے گیا۔ ایک شخص کے پاس رکھا، لڑکی پیدا ہُوئی، اسے "بازارِ حسن" کے آدمیوں نے سنبھال لیا لیکن لڑکی کی ماں دوبارہ اپنے گھر نہ جا سکی۔ سریش نے اس واقعہ کو کچھ اس طرح سے پوشیدہ رکھا کہ لڑکی کے ماں باپ بھی رو دھو کر

خاموش ہوگئے۔ سریش نے اس سے شادی کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ چند ماہ تک اُس سے سریش کا تعلق برقرار رہا لیکن اس کے بعد لڑکی اُسے ایک بوجھ معلوم ہونے لگی، وُہ اُسے بُری طرح سے پیٹتا وہ روز پٹتی۔ مگر کہیں جانے کا نام نہ لیتی تھی سریش اُسے کئی کئی دِن کچھ بھی کھانے کو نہ دیتا۔ وہ روتی رہتی لیکن سریش کے سوا اس کا کوئی ٹھکانہ بھی تو نہیں تھا۔

سریش نے اپنی اس مجبُوری کا ذکر جی بی روڈ کے ایک دلال سے کیا تھا۔ اُس نے ہمدردی ظاہر کرتے ہوئے کہا ''واہ صاحب اس میں بھی کوئی مشکل ہے۔ اگر آپ ہمیں پہلے ہی بتا دیتے کہ آپ اس بوجھ کو سر سے اتار دینا چاہتے ہیں تو کب کا انتظام ہو چکا ہوتا۔ تب اُس نے سریش کے کان میں کچھ کہا۔ سریش خُوشی سے اُچھل پڑا۔ اِس کے بعد اس نے لڑکی سے اس قدر اچھا سلُوک کرنا شروع کر دیا کہ وُہ سریش کی بدسلُوکی اور مار پیٹ بھُول گئی۔ ایک دِن اچانک سریش غائب ہو گیا۔ تیسرے دن وہ رات کی تاریکی میں گھر آیا اور اس نے ایک افسانہ تراشا۔ جس سے کملا بھی پریشان ہو اُٹھی۔ سریش نے کہا کہ اُس کا باپ اُسے کِسی امیر گھرانے کی لڑکی سے شادی کرنے کے لئے بہانہ سے سوتی پت لے گیا مگر وہ موقعہ پاکر بھاگ آیا ہے۔ اسے باپ نے دھمکی دی ہے کہ اگر اُس نے کملا کو ترک نہ کیا تو وُہ اُسے گولی سے اُڑا دے گا۔ اس لئے دونوں کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ کہیں غائب ہو جائیں۔

سریش کی تجویز یہ تھی کہ دونوں جلدی سے جیر ٹھ چلے جائیں۔ وہاں وُہ چند دِن ایک دوست کے مکان پہ رہیں گے اور اس کے بعد بمبئی چلے جائیں گے''

جہاں ملازمت حاصل کرنا مشکل نہیں۔
کملا رضامند ہو گئی۔ دونوں راتوں رات میرٹھ چلے گئے اور میرٹھ کے "بازارِ حسن" میں ہی ایک دلال کے مکان پر ٹھہرے۔ اس وقت تک کملا نے گناہ کا کوئی راستہ اختیار نہیں کیا تھا۔ لیکن جب سریش نے کہا کہ "بمبئی جانے تک زندگی کے اخراجات پورے کرنے کے لئے کوئی دوسرا راستہ نہیں تو کملا کی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا اور بالآخر وہ روتی اور آنسو بہاتی ہوئی عصمت فروشی کے ڈگر پر چلنے لگی۔"
سریش نے اُسے تسلّی دیتے ہوئے کہا تھا۔ "محض چند ہی دن کی بات ہے۔ اس کے بعد ہم بمبئی چلے جائیں گے اور پھر تمہیں کسی شرمندگی کا سامنا کرنا نہیں پڑے گا۔"
تاہم کملا کی زندگی میں چند دن کی شرمندگی ہی نہیں بلکہ خاص طور پر تباہی لکھی تھی۔ ایک دن سریش نے اڈے کے دلال سے ایک ہزار روپیہ وصول کیا اور چپکے سے میرٹھ سے کھسک کر سونی پت پہنچ گیا۔
سریش کی شادی ہو گئی۔ چھوٹی سی ملازمت بھی مل گئی لیکن اُس نے کملا کی زندگی سے جو تجربہ کیا تھا، اُس سے اُس کا ذہن بدلا نہیں تھا۔ کچھ دن کے بعد ہی اُس نے اپنی بیوی شانتی کو بھی اسی راستہ پر چلنے کے لئے مجبور کر دیا۔ گھر والوں کو معلوم ہو گیا۔ تو انہوں نے سریش کو پہلے تو سمجھایا مگر اُس کے بعد فارغ خطی دیدی، سریش پر اِس کا کچھ اثر نہیں ہوا بلکہ وہ زیادہ آزادی اور تیزی سے اس راستے پر چلنے لگا۔ پہلے بھی وہ شانتی کو ہوٹلوں میں لے جاتا تھا یا چپکے

سے اپنی دھرم پتنی کو کسی خریدار کے حوالے کر دیتا تھا، لیکن اِس کے بعد اُس نے باضابطہ طور پر "بازارِ حُسن" میں ڈیرے ڈال دیئے۔ پڑھا لکھا تھا، اُس نے اِس دھندے کو منظم کاروبار کی شکل دیدی۔ اُسے دو سال اِن لوگوں میں رہتے ہوئے بخوبی معلوم ہو چکا تھا کہ کہاں سے لڑکیاں خریدی جاتی ہیں۔ کہاں رکھی جاتی ہیں اور کہاں فروخت کی جاتی ہیں۔ اس کے بعد نہ صرف شانتی کو ہی ٹھکانے لگایا بلکہ کتنی ہی لڑکیوں کو قابو میں کیا۔ کسی کو بیوی بنانے کا چکمہ دے کر، کسی کو ملازمت کا جھانسہ دے کر، کسی کو اس کے "ظالم" خاوند سے نجات دلانے کا وعدہ کر کے اور کسی بھولی بھٹکی لڑکی کو اس کے ماں باپ کے گھر پہنچانے کا نام لے کر وہ انہیں کچھ دِن اپنے پاس رکھتا۔ خود اِن کے احساسات کو کچلتا اور پھر کسی دُور دراز کے اڈے میں فروخت کر دیتا۔

ظاہرا طور پر اُس نے ایک غیر ملکی فرم کی ایجنسی لے رکھی تھی، تا کہ اُس کی آڑ لے کر معزز لوگوں میں گھومے اور اُس کی ذات پر کسی کو شک و شبہ نہ ہو۔

آج وہ لکھنؤ سے کلکتہ جاتے ہوئے ۳۵ لڑکیوں کو ڈبے میں سوار کر کے لے جا رہا تھا۔ اِن میں سے ۲۵ لڑکیوں کے گاہک تو راستے کے اسٹیشنوں پر کھڑے انتظار کر رہے تھے اور باقی کے لئے کلکتہ کی منڈی کا انتخاب کیا گیا تھا۔

جس لڑکی سے اُس نے سیکنڈ کلاس کے زنانہ ڈبے کے باہر کھڑے ہو کر بات چیت کی تھی، وہ لکھنؤ کی رہنے والی تھی۔ ایک پروفیسر کی لڑکی۔ ایف اے میں تعلیم حاصل کرتے کرتے اس کے قابو میں آ گئی۔ سریش نے اُسے پہلے تو ریسٹورنٹوں میں گھمایا سینما اور تھیٹر کے ڈرامے دکھائے اور پھر شادی

کر کے اپنے لڑکیوں کے "کاروبار" میں شریک کرنے کیلئے فلم لائن میں داخل کرانے کا جھانسہ دیا۔ لڑکی نے دُنیا دیکھی ہُوئی نہیں تھی۔ اس کی طمع یاری میں آ گئی اور گھر سے ہزاروں کے زیورات اُڑا کر اُس کے ساتھ چل دی۔ اس کا نام تھا شانتا۔ مگر سریش نے اُسے پیار سے "گُڈی" کہنا شروع کر دیا تھا۔ بھاگتے وقت اُس نے اُسے اپنا نام "ساوتری" ظاہر کرنیکو کہا۔ اِسی لڑکی کا ذکر کرتے ہُوئے سریش نے اپنے ہم سفر سے کہا تھا کہ اُس کی "بیٹی" دوسرے ڈبے میں سفر کر رہی ہے اور وہ اُس کو دیکھنے جا رہا ہے۔

دو سال کے تجربہ نے سریش کو یہ بات سِکھا دی تھی کہ جُرم کا ارتکاب کرتے وقت قانون کی گرفت سے اپنے آپ کو کیونکر دُور رکھا جاتا ہے۔ اُس کی عادت تھی کہ وہ دو تین ماہ سے زیادہ کسی ایک مکان میں نہیں ٹھہرتا تھا۔ جس لڑکی کو گھر چھوڑ کر بھاگ نکلنے کی ترغیب دیتا، اُس سے عدالت میں حلفیہ بیان دلا دیتا۔ کِسی لڑکی کو اپنا اصلی نام نہ بتاتا اور جہاں رہتا، اُس علاقے کے کِسی افسر سے تال میل کر لیتا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ آج تک گرفتار نہیں ہُوا تھا۔

سریش سگار کے کش لگاتا ہُوا اپنے ڈبے میں واپس آیا تو اُسے غالباً یہ بات معلوم نہیں تھی کہ چند لمحے پہلے اس ڈبے کی ایک کھڑکی سے دو آنکھیں اُسے بہت دیر تک گھُورتی رہی ہیں۔

نگیندر بابو نے اپنی سیٹ پر لیٹے لیٹے اپنی آنکھوں سے سریش کو ڈبے میں داخل ہوتے ہوئے پھر گھُورنا شروع کیا تھا لیکن جن آنکھوں نے کچھ دیر پہلے سریش کی سیٹ سے گری ہُوئی تصویروں کو دلچسپی سے دیکھا تھا، ان میں پھر چمک پیدا

ہو گئی۔

دلیپ سنگھ نے کہا ''سریش بابو! ذرا یہاں ہی بیٹھ جائیے۔ اب تو آنکھوں میں نیند ہی نہیں رہی۔''

سریش نے مسکرا کر اُسے اس طرح اطمینان سے دیکھا۔ جس طرح دن بھر بھٹکتے رہنے کے بعد اچانک اپنے سامنے شکار کو دیکھ کر شکاری کو اطمینان ہو جاتا ہے۔

سنہری ڈبے سے سگار نکال کر پیش کرتے ہوئے اُس نے کہا ''شوق کیجئے گا؟''

''مجھے افسوس ہے کہ ۔۔۔''

سریش نے کھلکھلا کر کہا ''تعجب ہے! فوجی افسر ہوتے ہوئے بھی آپ تمباکو سے بچے ہوئے ہیں۔''

دلیپ سنگھ نے کہا ''یہ بات تو نہیں۔ دراصل بات یہ ہے کہ میں سگریٹ استعمال کرتا ہوں۔ سگار نہیں۔''

سریش نے زور سے قہقہہ بلند کیا۔ دلیپ سنگھ کھسیانی سی ہنسی ہنسنے لگا۔ سریش نے اُس کے ہاتھ پر زور سے ہاتھ مارتے ہوئے کہا ''بہت خوب! اسے کہتے ہیں گُڑ کھاؤ مگر گلگلوں سے پرہیز کرو۔ صاحب! آپ تو بہت دلچسپ انسان معلوم ہوتے ہیں۔ کلکتے میں کتنے دن قیام رہے گا آپ کا؟''

''قریباً ایک ماہ تو ضرور ٹھہروں گا۔'' دلیپ سنگھ نے کہا ''اس کے بعد تیرتھ یاترا کے لئے جانے کا ارادہ ہے۔''

سریش پھر کھلکھلا اُٹھا۔ لیکن اس بار اُس نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔

کچھ دیر بعد اُس نے سگار بجھا دیا۔ اور جیب سے دو تصویریں نکال کر دلیپ

غور سے دیکھنے لگا۔ دلیپ سنگھ نے دیکھا ایک تصویر میں تو کوئی لڑکی رقص کر رہی تھی۔ اور دوسری تصویر میں ایک ادھیڑ عمر فیشن ایبل عورت کھڑی تھی۔

دلیپ سنگھ نے ایک گہری سانس چھوڑی۔

سریش نے یہ بات دیکھ لی تھی۔ اُس نے کہا "کیوں دلیپ سنگھ جی آپ پریشان کیوں ہیں"

"کچھ نہیں" دلیپ سنگھ نے کہا "ایسی تصویریں نہ دکھا نہ دکھا کر خواہ مخواہ ہمارا ایمان خراب کرنے سے کیا ملتا ہے آپ کو"

سریش مسکرا دیا۔ اُس نے کہا "اچھا اب کاغذ کی تصویریں نہیں دکھاؤں گا۔ کلکتہ پہنچ کر ایسی ایسی زندہ تصویریں دکھاؤں گا۔ کہ آپ کو کوئی گلہ نہیں رہے گا"

اور پھر اپنی دونوں تصویروں کو دلیپ سنگھ کے سامنے کرتے ہوئے اُس نے کہا "یہ فیشن ایبل عورت بظاہر سبھاشنی معلوم ہوتی ہے۔ کچھ لوگ اسے کالج گرل ہی سمجھ سکتے ہیں۔ مگر ہے ایک بازاری عورت جنرل کلا۔ دوسری لڑکی جسے آپ رقص کرتے ہوئے دیکھ رہے ہیں، ایک مولوی نما دلال کے پاس ہے۔ گزشتہ دنوں دہلی گیا تھا۔ تو ایک دوست نے یہ تصویریں دکھائیں مگر اپنا معیار اتنا گھٹیا نہیں۔ جو عورتیں دن رات بازار میں بیٹھ کر عصمت فروشی کرتی ہیں ان کی طرف تو دیکھتے ہی سے نفرت ہوتی ہے"

"یہ عورتیں بھی بھلا کسی سے صدقِ دل سے محبت کر سکتی ہیں۔ پرماتما نہ کرے اگر کوئی مرد ان کے جال میں پھنس جائے تو زندگی بھر روتا پھرے"

اور پھر ان تصویروں کو دوبارہ جیب میں رکھتے ہوئے اُس نے کہا۔۔۔

البتہ کسی شریف گھرانے کی لڑکی سے محبت ہو جائے تو ہم قدر کرتے ہیں، ترجیح دیتے ہیں، کم از کم ایسی لڑکی چبائی ہوئی ہڈی کی طرح تو نہیں ہوتی ۔"

نگیندر بابو کو اس شخص کی باتوں پر سخت غصہ آ رہا تھا۔ انہوں نے اخبار ایک طرف رکھا۔ چشمہ اتارا اور کہا ۔۔۔ "صاحب! آپ کسی شریف انسان کو سونے بھی دیں گے یا نہیں ۔"

سریش کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ اُس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھیکی سی ہنسی ہنسی اور پھر اپنی سیٹ پر جا کر لیٹ گیا۔ گاڑی تیز فضا کو چیرتی ہوئی تیزی سے کھٹ کھٹ کرتی جا رہی تھی۔ تینوں مسافر خاموش تھے۔ دلیپ سنگھ بھی سریش کی طرح اپنی سیٹ پر لیٹ گیا تھا۔ نگیندر بابو سونے کی کوشش کر رہے تھے مگر کمبخت نیند تھی کہ آنے کا نام ہی نہیں لیتی تھی ۔

کچھ دیر بعد گاڑی رُکی۔ سریش چونک کر اپنی سیٹ سے اُٹھا اور دروازہ کھول کر تیزی سے باہر پرونما کے ڈبے کی طرف چلا گیا۔ سفید سفید مونچھوں والا ایک شخص جس نے سر پر سلک کی جالی کی ٹوپی پہن رکھی تھی اور ہاتھ میں ایک پتلی سی سیاہ چھڑی سنبھالے ہوئے رات کی تاریکی میں سیاہ چشموں سے اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ سریش نے اُسے دیکھ کر لپکتے ہوئے کہا ۔۔۔ "آیئے سیٹھ جی! پرماتما کا شکر ہے کہ آپ وقت پر پہنچ گئے ۔"

"ہمارا کام مکمل ہو گیا ۔"

"سو فیصدی مکمل۔ مال حاضر ہے۔ اِسی وقت آپ کے حوالے کیا جا سکتا ہے۔"

"بہت خوب!" سیٹھ جی نے کہا ۔۔۔ "سریش بابو! لیکن کوئی جھگڑے والی بات

تو نہیں - کوئی گڑ بڑ تو نہیں ہو سکتی "
"رام رام" سریش نے مسکراتے ہوئے کہا ــــ" یہ بھی کبھی ہو سکتا ہے -
سب لڑکیاں گائے کی طرح سیدھی ہیں اور پھر دیکھنے میں اندر کے دربار کی پریاں
معلوم ہوتی ہیں - آپ بھی کیا یاد کریں گے - کہ کسی شریف انسان سے پالا پڑا تھا"
اسکے بعد اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر وہ زنانہ ڈبے کی طرف چلنے لگا - جہاں تما
دروازے پر ہی انتظار کر رہی تھی - دوسری لڑکیاں بیدار ہو کر فرش پہ یا سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھیں -
سیٹھ نے کھڑکی سے ہی انہیں تاکا اور پھر ایک طرف ہو کر کہا ــ" ذرا
مسافر خانہ تک تو پہنچا دو - وہیں دام بھی ادا کر دیئے جائینگے "
" نا صاحب" سریش نے کہا " دام تو یہاں ہی ادا کرنے ہونگے - رہا لڑکیوں
کو مسافر خانے میں پہنچانے کا سوال! تو سب کے پاس ٹکٹ موجود ہیں - آپ کو ذرا
بھی مشکل پیش نہیں آئے گی "
" وہ تو ٹھیک ہے مگر عزت کا سوال ہے - ذرا سی گڑ بڑ ہو جائے تو شہر میں بدنامی
ہو جائے گی "
سریش کو ہنسی آگئی - اس نے کہا ــ" اچھا دام تو ادا کیجئے لڑکیوں کو
اسٹیشن کے باہر بھجوانے کا انتظام میں خود کر دیتا ہوں "
سیٹھ جی نے قمیض کی جیب سے ایک پوٹلی سی نکالی - اُسے کھولا اور ہزار
ہزار کے چھ نوٹ نکالتے ہوئے کہا ــــ " لو بھائی تم تو رئیس بن جاؤ - ہماری
قسمت ہمارے ساتھ!"
" دو ہزار اور ــــ " سریش نے مطالبہ کرتے ہوئے کہا " اتنے میں ہی سودا

ہوًا تھا۔"

"تم بہت تنگ کرتے ہو ——!" سیٹھ جی نے جھنجھلا کر کہا "چھ ہزار کی رقم کوئی کم ہے؟"

سریش نے کہا —" تو اسے اپنے پاس رکھو۔ کلکتہ میں اتنی ہی لڑکیوں کے عوض کم ازکم بارہ ہزار روپیہ وصول نہ کیا تو میرا نام بدل دینا۔ سیٹھ تم بھی عجیب آدمی ہو۔ کبھی تو اپنی بات کا پاس کیا کرو۔ لاکھوں میں کھیلتے ہو مگر کنجوسی کی عادت نہیں گئی۔"

سیٹھ کچھ کہنے ہی لگا تھا کہ سریش نے کہا —" اچھا جلدی کرو دو ہزار کے نوٹ نکالو۔ خواہ مخواہ دیر کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ گاڑی چل پڑی تو یہ موقعہ دوبارہ ہاتھ نہیں آئے گا۔"

سیٹھ نے ہزار ہزار کے دو نوٹ نکالے مگر ایک نوٹ سریش کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا —" اب معاف بھی کرو ——"

سریش نے وہ نوٹ جیب میں ڈالتے ہوئے دوسرا نوٹ جھپٹ کر سیٹھ جی سے لے لیا۔ اور مسکرا کر کہنے لگا —" چلو معاملہ ٹھیک ہو گیا۔ آپ بیشک یہاں ہی ٹھہریں۔ میں خود لڑکیوں کو باہر پہنچا دیتا ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے ڈبے کے نزدیک جا کر پدمنا کو اشارہ کیا۔ وہ لڑکیوں کو باہر لے آئی۔ سیٹھ جی بظاہر بے توجہی سے کھڑے رہے اور سریش لڑکیوں کو لے کر باہر نکل گیا۔ اس کے باہر جاتے ہی پدمنا دوبارہ ڈبے میں داخل ہو گئی اور سیٹھ جی آہستہ آہستہ سٹیشن کے آہنی دروازہ سے باہر نکل گئے۔

کچھ دیر بعد واپس آ کر سریش نے پر و نتا سے کوئی خاص بات چیت نہیں کی۔ اتنا ہی کہا کہ "اگر لڑکیوں کو بھوک لگی ہو تو کھلا پلا دینا اس کے بعد وہ سیکنڈ کلاس کے زنانہ ڈبے کی اس کھڑکی کے پاس جا پہنچا، جہاں سے دو حسین آنکھیں اسے دیکھ رہی تھیں"

شانتا کہہ رہی تھی۔ ابھی ابھی آپ کہاں گئے تھے ؟!

"کہیں بھی نہیں" سریش نے کہا۔ "شہر سے ایک ملنے والے آئے تھے، ان کے سکول کی کچھ لڑکیاں گاڑی میں سفر کر رہی تھیں۔ میں نے سوچا کہ ذرا باہر پہنچا آؤں۔"

شانتا نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا ——— "پرماتما کا شکر ادا کرتی ہوں۔ مجھے تو آپ کو باہر جاتے دیکھ کر ہی ڈر لگ گیا تھا۔"

"کیوں ——— ؟"

"کچھ بھی نہیں" اور وہ ندامت کو چھپانے کے لئے پھیکی سی ہنسی ہنسنے لگی۔ سریش نے کہا۔ "گویا تمہیں یہ اندیشہ ہو گیا تھا۔ کہ میں تمہیں چھوڑ کر کہیں غائب ہو جاؤں گا۔"

شانتا کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ تاہم اُس نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "مردوں کا کیا اعتبار ! مجھے تو واقعی خوف ہو رہا تھا !"

"پگلی کہیں کی" سریش نے کہا۔ "ایسا بھی کبھی ہو سکتا ہے" یہ کہکر اُس نے کھڑکی سے باہر نکلے ہوئے شانتا کے نازک ہاتھ کو زور سے دبا دیا۔ شانتا نے فوراً ہاتھ کھینچ لیا۔ اُس کے چہرے پر نسوانی حیا چھا گئی۔

سریش نے چونک کر کہا۔ "یہ کیا ڈبے میں کوئی اور عورت نہیں؟"

"نہیں ——— ایک ہی عورت تھی۔ وہ بھی اِس اسٹیشن پر اُتر گئی۔" شانتا نے کہا ——— "اِسی لئے تو میں اور بھی گھبرا رہی تھی۔ آپ اس ڈبے میں کیوں نہیں آجاتے۔"

سریش نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ ڈبے میں داخل ہو کر اُس نے کھڑکی بند کر دی۔ اور شانتا کے ہاتھ کو پونچھتے ہوئے کہنے لگا ——— "ذرا کلکتہ پہنچ لو۔ اچھی طرح تمہاری خبر لوں گا۔"

یہ کہہ کر اس نے شانتا کے گال پر ایک ہلکی سی چپت لگاتے ہوئے کہا۔ "جی تو یہی چاہتا ہے کہ تمہارے ساتھ ہی اس ڈبے میں سفر کروں۔ مگر راستہ میں ایک فلم کمپنی کے ڈائریکٹر صاحب مل گئے ہیں۔ وہ میرے ہی ڈبے میں سفر کر رہے ہیں۔ تمہارے متعلق بھی اِن سے بات چیت ہو رہی ہے۔ خیر گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ اندر سے کھڑکیاں بند کر لو۔ اور مزے سے سو جاؤ۔ کلکتہ پہنچ کر میں خود ہی تمہیں جگا لوں گا۔"

"وہ اُٹھنے لگا۔

شانتا نے اُسے اچکن سے پکڑ کر روکتے ہوئے کہا ——— ذرا بیٹھ تو جاؤ تمہارے بغیر ———"

سریش بیٹھا نہیں۔ اُس نے جھک کر پہلے تو شانتا کے ہاتھوں کو چوم لیا اور پھر اُس کے بالوں میں اُنگلیاں ڈالتے ہوئے کہا "دیر ہو رہی ہے۔ گاڑی چل پڑی تو وہ لوگ نہ جانے کیا سمجھیں گے۔"

"کیا سمجھیں گے؟" شانتا نے بگڑتے ہوئے کہا "یہی سمجھیں گے کہ آپ اپنی دھرم پتنی کے ڈبے میں ہیں۔ اِس پر کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

سریش مُسکرانے لگا۔ شانتا کہنے لگی "ڈاکٹر صاحب کو میرے متعلق کیا کہا ہے۔ وُہ کیا سمجھتے ہیں کہ آپ سے میرا کیا رشتہ ہے۔"

سریش نے کہا "ابھی تو کوئی رشتہ نہیں بتایا۔ ابھی تو تم ایک دوست کی بہن اور دوسرے کی بیٹی ہو۔"

"چھی چھی" شانتا نے کہا "ان لوگوں کو صاف صاف کہہ دینا چاہیئے۔ کہ تم میرے پتی ہو۔ آخر بعد میں کئی بار ملاقات ہوگی ایک بار جھوٹ بول کر دوبارہ کیونکر صفائی پیش کر سکو گے؟

باہر سے کوئی قلی اسباب اُٹھائے ہُوئے کہہ رہا تھا "چلئے ناناجی جلدی کیجئے۔ سگنل ڈاؤن ہو گیا ہے۔"

سریش چونک پڑا۔ اُس نے جلدی سے اُٹھتے ہوئے کہا "اچھا۔ شانتا میں جاتا ہوں۔ اب تم اس کمرے میں اکیلی نہیں ہو۔"

سریش نے اپنے ڈبے کی طرف لوٹتے ہُوئے اب بھی نہیں دیکھا کہ ڈبے کی ایک کھڑکی سے دو آنکھیں اُسے گھُور گھُور کر دیکھ رہی تھیں۔ جب وُہ ڈبے میں داخل ہُوا تو نگیندر بابو کی زبان سے غیر متوقع طور پر یہ الفاظ سُن کر وُہ چونک پڑا "معاف کرنا، صاحب مجھُ سے اس وقت غلطی ہو گئی۔ آپ تو پروفیسر دیپ چند کے رشتہ دار معلوم ہوتے ہیں نا!"

سریش کے چہرے کا رنگ زرد پڑ گیا۔ شانتا پروفیسر دیپ چند کی لڑکی ہی تھی۔ غالباً نگیندر بابو نے کچھ دیر پہلے اُسے شانتا سے باتیں کرتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ اِس لئے اُنہوں نے یہ سوال دریافت کیا تھا۔ سریش کیا جواب دیتا۔ ذرا سی غلطی سے اس کی قلعی کُھل سکتی تھی۔

تاہم اِس نے اپنے خوف کو چُھپاتے ہوئے کہا۔ "جی ہاں وہ میرے کالج کے دنوں کے دوست ہیں"۔

"کالج کے دِنوں کے"؟ نگیندر بابو نے حیرانی سے کہا "پروفیسر تو ہوڑہ میں پڑھتے رہے ہیں۔ بی اے تک ہم دونوں ایک ہی کلاس میں پڑھتے رہے آپ کو تو کبھی دیکھا نہیں"۔

سریش کے سر پر گویا گھڑوں پانی پڑ گیا۔ اُس نے شرمندہ ہو کر کہا "نہیں صاحب! میں دُوسرے کالج میں پڑھتا تھا مگر پروفیسر صاحب سے دوستی تھی"

"تو یہ بات ہے" نگیندر بابو نے کہا۔ "ساوتری کہاں جا رہی ہے"

"پوچھا نہیں" سریش نے پریشان ہو کر کہا "غالباً کلکتہ۔ یا کسی سہیلی سے مِلنے کِسی جگہ جا رہی ہو گی"۔

"آپ نے مُجھے نہیں بتایا ورنہ اس سے ضرور مِلتا۔ ساوتری مجُھے تو بہت اچھی طرح جانتی ہے۔ اس دفعہ بھی ان لوگوں سے مِلا تھا مگر ان لوگوں نے ساوتری کے سفر کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔

سریش کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔ یہ بات نگیندر بابو کو بھی اچانک کھٹکنے لگی لیکن انہیں خواب میں بھی یہ بات نہیں سُوجھی تھی کہ ساوتری اس بدمعاش کے ساتھ

گھر سے بھاگ کر آئی ہے۔ انہوں نے سریش کی پریشانی کا سبب کچھ دیر پہلے کی اُس کی حرکتیں سمجھا تھا۔ لیکن اِس خیال سے کہ وہ مزید شرمندہ نہ ہو۔ اُنہوں نے بات چیت کا رُخ بدلتے ہوئے کہا ــــ "صُبح ہونے میں کتنا وقت رہ گیا ہے سریش بابو"

سریش نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کو دیکھ کر کہا ــــ "یہی کوئی دو گھنٹے!"

"تعجب ہے" ناگیندر بابو نے کہا۔ "جانے آج نیند کیوں نہیں آرہی ساری رات بیداری میں ہی گزر گئی۔ اچھا! اگر نیند آئے تو صبح کی چائے کے وقت جگا دینا"

دلیپ سنگھ گہری نیند میں خراٹے لے رہا تھا۔ سریش نے اس کی طرف دیکھا اور پھر کانپتے ہوئے اپنی سیٹ پر جاکر لیٹ گیا۔ سیٹ پہ لیٹنے سے پہلے اُس نے کمرے کی روشنی گل کر دی

سریش نے ہوٹل کی کھڑکی سے جھانک کر دیکھا ــــ باہر بارش ہو رہی تھی بارش کی وجہ سے سڑک پر کیچڑ ہو رہا تھا اور کتنے ہی لوگ جگہ جگہ دوکانوں کے چھجے، صحن اور قنات کے چھپروں کے نیچے اپنے آپ کو بھیگنے سے بچانے کے لئے کھڑے ہوئے تھے۔ کمرے کے اندر بچھے ہوئے قالین پہ رکھی ہوئی آرام کرسی پہ بیٹھے ہوئے

نوجوان نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ "سریش بابو! کافی پیو گے یا وِسکی!"
سریش نے مُڑ کر دیکھا اور کہا۔ "جی تو وِسکی پینے کو ہی چاہتا ہے مگر اس وقت کافی ہی کافی ہے۔" اور دُوسرے لمحے اس نوجوان کے نزدیک آکر کرسی پر بیٹھتے ہوئے سریش نے کہا۔ "جب سے دارجیلنگ میں آیا ہوں، ہر روز ہی بارش ہوتی ہے۔ ایک دِن بھی سُورج دیوتا کے درشن نہیں کئے۔"
نوجوان نے مُسکرا کر کہا۔ "یہی تو یہاں کی خُوبی ہے۔ اگر بارش نہ ہو اور دارجیلنگ میں کوئی نہ آئے تو یار لوگوں کا کاروبار کیونکر چلے۔"
سریش خاموش رہا۔ کچھ دیر بعد اُس نے کہا۔ "پرماتما نے مجھے اس روز بچا لیا ورنہ اس بدمعاش وکیل نے جس طرح ساوتری کو دیکھ کر جرح شروع کر دی تھی مجھے تو اندیشہ ہونے لگا کہ چند لمحوں کے بعد گرفتار ہو جاؤں گا۔"
اور پھر کچھ رُک کر قہقہہ بلند کرتے ہوئے اُس نے کہا۔ "خُدا کی قسم اس سالے کو ایسا چکمہ دیا کہ ساری عُمر یاد کرے گا۔ اس کے سوچاتے ہی شانتا کو لے کر باہر آگیا۔ دُوسری لڑکیاں اگلے اسٹیشن پر بل گئیں۔ انہیں اونے پونے کر کے سودا کیا اور شانتا کو لے کر دارجیلنگ آگیا۔ خیر! اب بتاؤ کہ شانتا کو سنبھال سکو گے یا نہیں۔"
کافی آگئی تھی، اور وِسکی بھی۔ سگریٹ کے کش لگانے والے نوجوان نے وِسکی کا ایک پیگ لیا اور کافی کا پیالہ سریش کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "تم اس کی چنداں فکر نہ کرو۔ ابھی تو وہ مجھے فلم کمپنی کا مالک سمجھتی ہے۔ اگر اس کے بعد اصلیت ظاہر ہو گئی تو بھی کمبخت کیا کرے گی، ایسا شکنجہ کسوں گا کہ ہتھیار

ڈالنے کے بغیر اُسے کوئی راستہ ہی نہیں سُوجھے گا۔"

"مگر یار! پڑھی لکھی لڑکی ہے کہیں اُلٹا ہی شکنجہ نہ کس دے۔" سریش نے تشویش کے لہجے میں کہا۔ "اور اگر یہ راز کہیں ظاہر ہو گیا تو دونوں کو جیل کی ہوا کھانا پڑے گی۔" نوجوان نے قہقہہ بلند کرتے ہوئے کہا۔ "پڑھی لکھی ہے تو کیا ہوا۔ آخر ہے تو عورت ہی نا! عورت مرد کا مقابلہ کر کے کامیاب ہو جائے یہ ناممکن ہے۔ اگر ہم ناکام ہو جائیں تو پرماتما کی قسم سارا دھندا چھوڑ کر سنیاسی بن جائیں۔"

"دیکھو ——" کہہ کر سریش نے کافی پینا شروع کر دیا۔ سریش اپنی کامیابی پہ نازاں کیوں نہ ہو۔ اُس نے نگیندر بابو کو شکست دی تھی۔ نگیندر بابو کو سریش کی حرکتیں دیکھ کر شک ہوا تھا۔ وہ سوچ رہے تھے کہ کلکتہ اُتر کر ساوتری سے ملاقات ہو گی اور اگر ان کا شک دُرست ہوا تو وہاں ہی سریش کو پولیس کے حوالے کر دیا جائے گا۔ اسی وجہ سے وہ اطمینان سے سو گئے تھے لیکن جب آنکھ کھلی تو سریش غائب تھا، اُس کے ساتھ ہی ساوتری بھی اپنے ڈبے میں نہیں تھی۔

سریش نے دارجیلنگ کا راستہ موٹر کے ذریعہ طے کیا تھا۔ دارجیلنگ کے "ہوٹل سنی ویو" کے مالک اے۔ پی۔ جانسن سے اُس کی پُرانی واقفیت تھی، اس لئے وہ شانتا کو لے کر وہیں پہنچا۔ دونوں نے اپنے نام بدل لئے تھے۔ سریش اجیت پرشاد دوبے بن گیا تھا۔ اور ساوتری شانتا کی بجائے اُرملا دیوی بن گئی تھی۔ دونوں میاں بیوی کی حیثیت سے اس ہوٹل میں ٹھہرے تھے جانسن اپنے ڈھنگ سے کام کرتا تھا۔ دس برس ہوئے وہ اسی ہوٹل میں ایک کنوبیسر کی

حیثیت سے بھرتی ہُوا تھا اُس وقت اس کی تنخواہ صرف پچاس روپیہ ماہوار تھی۔ کھانا مُفت مِل جاتا تھا اور ہوٹل میں جتنے مسافر لاتا، ان کی فیس الگ وصُول کرتا۔ ایک پہاڑی گائیڈ سے اُس کی واقفیت ہو گئی تھی۔ اس کی نوجوان بیوی سے تعلقات قائم ہُوئے۔ اکیلا تھا، جو تنخواہ ملتی، اُسی پر ضائع کر دیتا۔ ایک دِن وہ اِس عورت کو بھگا کر ہوٹل میں لے گیا۔ چاہتا تھا کہ اس سے شادی کرے۔ لیکن ہوٹل کے مالک نے بلیک میلنگ کی۔ یہاں سے ہی وہ ایک نئی زندگی میں داخل ہُوا اور جب اس کی محبُوبہ ہوٹل میں آنیوالے ایک بیوپاری کے پاس فروخت ہُوئی تو جانسن کو اس قماش کے کئی بیوپاریوں سے واقفیت پیدا کرتے میں کوئی مُشکل پیش نہیں آئی۔ وہ چلنے پھرنے والا آدمی تو تھا ہی، رفتہ رفتہ نزدیکی دیہات میں جانے لگا وہاں سے لڑکیوں کو لاتا اور میدانی علاقوں سے آنے والے بیوپاریوں کے پاس فروخت کر دیتا۔ یہ لڑکیاں کلکتہ، لکھنؤ، آگرہ، کانپور، بنارس اور یُوپی کے دوسرے شہروں میں پہنچ جاتیں۔ اِسی تجارت نے ایک دِن اُسے اِس ہوٹل کا مالک بنا دیا۔ اب وُہ خود دیہات میں نہیں جاتا تھا دُوسرے لوگ جاتے لڑکیوں کو لاتے۔ جانسن سودے بازی کرا دیتا۔ بعض اوقات اس کی کمیشن اصل قیمت سے بھی زیادہ ہوتی۔ جانسن کے ایجنٹ مخصوص طریقہ سے کام کرتے۔ پہاڑی دیہات میں یہ لوگ اپنے آپ کو سیاح یا رئیس ظاہر کرتے۔ جو خوبصُورت لڑکی نظر آتی، اُس سے شادی کے لئے درخواست کرتے اس کے والدین کو پچاس۔ سو روپیہ دے کر شادی کا ڈھونگ رچاتے۔ کچھ دوز اِن لوگوں میں ہی رہتے اور اس کے بعد چند دن کے لئے شہر جانے کا ارادہ

ظاہر کر کے ایسے جاتے کہ دوبارہ لوٹنے کا نام ہی نہ لیتے - اِنکی بیویاں بک جاتیں اور چند دن بعد عصمت فروشی کے اڈے میں بیٹھ جاتیں -

ایک اور ڈھنگ بھی تھا - دارجیلنگ میں پوجا کے میلے کے دنوں میں ہزاروں لوگ دُور دراز سے آتے ہیں - اُن کے ساتھ اکثر اُن کی بیویاں اور لڑکیاں بھی آتی ہیں گاؤں کے اَن پڑھ اور بیدھے سادے لوگوں کو ورغلا لینا آسان تھا - اِن میلوں میں راستہ بھول کر گُم ہو جانے والی سیدھی سادی عورتیں عام طور پر جانسن اور اُس کے ایجنٹوں کے ہتھے چڑھ جاتیں اور اِن کے لئے انہیں سینکڑوں میل دُور پہنچا کر غائب کر دینا بائیں ہاتھ کا کھیل تھا -

طے شدہ سکیم ہی تو تھی - جانسن نے شانتا سے چھیڑ چھاڑ شروع کی - ایک دوبار تو وہ شرمندگی کی وجہ سے خاموش رہی ، اس کے بعد اُس نے سریش سے شکایت کی - سریش نے سُنا اَن سُنا کر دیا - شانتا جھنجھلا اُٹھی تو اُس نے کہا —
"عجیب عورت ہو! ایک شخص نے ہمیں پناہ دی ہے اور تم اُسی پر الزام لگا رہی ہو - اگر یہ شخص تمہارے الزامات سے غصّہ میں آ کر معاملہ فاش کر دے یا ہوٹل سے باہر نکال دے تو جانتی ہو ہمارا کیا حشر ہو گا - ہم دونوں پولیس کی ہتھکڑیوں میں جکڑے جائیں گے - میں تو مرد ہوں برداشت بھی کر لوں گا مگر تمہارا کیا حشر ہو گا!

شانتا نے سٹپٹا کر کہا —— "تو کیا تم اس بات کو گوارا کر لو گے کہ وہ تمہاری بیوی کو اپنے قابو میں کرے "

"ہرگز نہیں" سریش نے کہا — "میں بے غیرت اِنسان نہیں"۔
"تو تم اُسے منع کیوں نہیں کرتے؟"

"کیا کہوں اُسے" سریش نے کہا۔ "جبتک اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں مجھے کسی بات پر یقین نہیں آتا۔"
شانتا رونے لگ گئی۔ عجیب انسان ہے یہ! وہ اپنی حفاظت کرنا چاہتی ہے اس بدمعاش جانسن سے اور سریش ثبوت مانگتا ہے۔
سریش نے معاملہ بگڑتے دیکھ کر کہا۔ "دیکھو شانتا! میں تم سے زیادہ پریشان ہوں۔ لیکن جبتک کسی دوسری جگہ کا انتظام نہ کر لیا جائے جھگڑنے میں ہمیں نقصان ہو گا!"
"تو کب کرو گے دوسرا انتظام" شانتا نے روتے ہوئے کہا۔ "اُسوقت جب میں کہیں کی نہیں رہونگی۔"
سریش نے اِس کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ "بہت کوشش کر رہا ہوں، بہت دوڑ دھوپ کر رہا ہوں، ہفتہ دس دن میں جس وقت کوئی دوسری جگہ مل گئی یہاں سے ہم لوگ کوچ کر جائیں گے اور ہفتہ دس دِن کے اندر انقلاب ہو گیا۔
جانسن نے اِس دوران میں شانتا پر توجہ دینا اچانک ہی چھوڑ دیا تھا۔ مگر وہ بھی اِس میدان کا پرانا کھلاڑی تھا۔ اُس نے مصلحتاً شانتا سے کوئی بات چیت ہی نہیں کی۔ شانتا بھی قدرے مطمئن ہو گئی۔
اور پھر ایک رات جب گھُپ تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ باہر برفباری ہو رہی تھی۔ سریش اور جانسن دونوں ہوٹل سے غیر حاضر تھے، شانتا اپنے کمرے میں بستر پر لیٹی ہوئی بجلی کی روشنی میں انگریزی کا ایک ناول پڑھ رہی تھی، اچانک اس نے دیکھا کہ جانسن کا نوکر اُس کے سرہانے آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔
یہ نوکر اکثر اُس کے کمرے میں آتا جاتا رہتا تھا۔ اس لئے شانتا کو اس پر شک ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ مگر آج اس نے ایک غیر متوقع بات کی۔ شانتا کو ناول دیکھتے ہوئے اُس نے کہا — "کیا مطالعہ ہو رہا ہے میم صاحبہ!"

"کچھ نہیں۔ جاؤ! اپنے کام سے مطلب رکھو!"

"کام؟" نوکر نے کھکھلا کر کہا "کام سے ہی تو آیا ہوں۔"

یہ کہہ کر اُس نے کہا "میم صاحبہ! جب سے تمہیں دیکھا ہے، دل قابو میں نہیں۔ میں غریب ہوں، اس لئے مجھ سے نفرت کرتی ہو کیا؟"

شانتا کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اُس نے غصّہ میں آئی ہوئی ناگن کی طرح اُچھل کر اُسے ایک چپت رسید کر دی اور چلّا کر کہا "بدمعاش اچکّے لفنگے۔ یہ بات کہنے کی جرات کیونکر ہوئی تجھے"

مگر نوکر پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ اُس نے طمانچہ رسید ہونے کے باوجود بھاگنے کی کوشش نہیں کی بلکہ مسکرا کر کہا "آپ کے نازک ہاتھوں کو چوٹ تو نہیں آئی۔"

شانتا کے غصّے کا پارہ چڑھ گیا۔ لیکن جب اس نے بڑھ کر ایک اور چپت رسید کرنے کی کوشش کی تو نوکر نے اپنے مضبوط ہاتھوں سے اُسے پکڑ لیا اور کہا "ان نازک ہاتھوں کو اس طرح استعمال نہیں کیا جاتا شانتا! یہ کسی کے ہاتھ میں ہوں تب ہی اچھے لگتے ہیں۔"

یہ کہہ کر جونہی اُس نے چلّاتی ہوئی شانتا کو اپنی چھاتی سے لگا کر بھینچنے کی کوشش کی، سریش کمرے میں داخل ہو گیا۔ نوکر اُسے چھوڑ کر بھاگنے لگا۔ شانتا رونے لگ گئی۔

سریش نے شانتا کی طرف قہر آلودہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا "تو میری غیر حاضری میں ہر روز یہی شغل ہوا کرتا ہے کیا؟ اسی لئے میں نے تمہارے لئے اپنی جان کو خطرے میں ڈالا تھا کہ تم ہوٹل کے نوکروں سے آنکھیں لڑاتی رہو۔"

"کیا کہہ رہے ہیں آپ" شانتا نے چلّاتے ہوئے کہا "یہ بدمعاش لفنگا لچّا۔"

"اور تم اپنے آپ کو ایک شریف عورت سمجھتی ہو" سریش نے چلّا کر کہا —"
نوکر کو تحکمانہ انداز سے اپنے پاس بُلا کر اُس نے کہا" سچ سچ بتادے کہ کیا معاملہ ہے ورنہ اِسی وقت پولیس کے حوالے کر دُوں گا"
وُہ گڑگڑانے لگا —"حضور —"
"حضور کا بچّہ" سریش نے اُسے ایک تھپڑ رسید کرتے ہُوئے کہا" میرے کمرے میں آنے کی جُرأت کیونکر ہوئی تجھے"
"حضور —" نوکر نے مصنوعی طور پر ہچکچاتے ہوئے کہا۔
"حضور میم صاحبہ نے بُلایا تھا — اِنہیں مجھ سے —"
"بکواس ہے!" شانتا نے چِلّا کر کہا —" سو فی صدی جھُوٹ بول رہا ہے"
"مَیں سب جانتا ہوُں شانتا!" سریش نے چلّا کر کہا
"تم نے مجھے گھر بار سے الگ کر دیا مگر مجھے معلوم نہیں تھا کہ اس طرح مجھ سے دھوکہ کرو گی۔ خوبصورت ناگن! اگر مجھے پہلے معلوم ہوتا کہ تم اس طرح سے مجھے فریب دے کر میرے ہی نوکر سے محبّت کا ڈرامہ کھیلنے لگ جاؤ گی تو تمہاری طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھتا"
"مگر میں — تو —"
وُہ اپنی صفائی پیش کرنے کی بے سُود کوشش کر رہی تھی۔ سریش کی سوچی سمجھی سکیم کے سامنے اس کی ایک بھی پیش نہ گئی۔ سریش نے اُسے بالوں سے گھسیٹ کر اپنے کمرے سے باہر نکال کر زور سے ایک دھکّا دیا اور چلّا کر کہا —
"جاؤ جہنم میں! اگر مجھے دو کوڑی کے اس نوکر کے سامنے ذلیل کرنا تھا۔ تو صاف

صاف کہہ دیتی ۔ میں تمہاری محبت میں کبھی رکاوٹ نہ بنتا۔"
شانتا چلاتی رہ گئی۔ سریش نے دروازہ بند کر لیا۔

کچھ دیر بعد ہی شانتا جانسن کے کمرے میں پڑی ہوئی رو رہی تھی اور جانسن کہہ رہا تھا۔ "میں تو کہتا تھا کہ سریش اول درجے کا بدمعاش انسان ہے۔ تمہیں دھوکے سے بھگا کر یہاں لایا اور بردہ فروشوں سے سودے بازی کر رہا تھا۔ اس روز میں نے تمہیں سمجھانے کی کوشش کی مگر تم اس وقت مجھ سے بگڑ گئیں۔ خداوند یسوع مسیح کی قسم ہے، عورت ذات ہو۔ رحم آ گیا اگر تمہاری عزت کا خیال نہ ہوتا تو سریش کو پہلے روز ہی پولیس کے حوالے کر کے مزا چکھا دیتا۔"

شانتا کا رونا بند نہیں ہو رہا تھا۔ سردی کی تاریک رات میں کمرے کے فرش پر گٹھڑی سی بنی ہوئی روتے روتے وہ سوچ رہی تھی کہ اس سے زیادہ بدقسمت عورت تمام دنیا میں کوئی نہیں۔ وہ ایک پڑھی لکھی لڑکی تھی۔ ماں باپ کے گھر بیٹی ہی اولاد تو تھی وہ۔ گھر سے نہ بھاگتی تو اس کی کسی اچھی جگہ شادی ہو جاتی۔ مگر سریش کے چکمہ میں آ گئی۔ ماں باپ کی عزت کو بٹہ لگایا۔ مگر جس کے لئے یہ قدم اٹھایا تھا وہ بھی وفادار نہ ملا۔ اس نے بھی دھوکہ دیا اور سینکڑوں میل دور اسے ایسی جگہ چھوڑ دیا جہاں اس کا کوئی ہمدرد یا مددگار نہیں۔ ماں باپ کے گھر لوٹ کر جانا ناممکن ہو گیا تھا، اب جائے تو کہاں جائے؟

اور جانسن کہہ رہا تھا "اگر اب بھی تمہارا ارادہ ہو تو سالے کو گولی کا نشانہ بنا دوں۔ بدمعاش کہیں کا اپنی بیوی سے کوئی شخص اس طرح کا سلوک کرتا ہے۔ کہو تو اس نوکر کو میں ابھی پولیس کے حوالے کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔ اور جب کچھ دیر بعد واپس آیا تو اُس نے کہا: "وہی ہُوا جس کا اندیشہ تھا۔ بدمعاش نے ایک ٹیکسی منگوا رکھی تھی اس پر سوار ہو کر کہیں غائب ہو گیا ہے۔"

"غائب ہو گئے۔۔۔؟" شانتا نے چونک کر پوچھا۔

"جی ہاں۔۔۔" جانسن نے کہا: "میں تمہیں اِدھر لایا تو ان لوگوں نے فرار کا راستہ اختیار کر لیا۔ مجھے تو یقین ہے کہ یہ سب کچھ تمہارے زیورات پر قبضہ کرنے کی ایک چال تھی۔ مجھے آج ہی معلوم ہُوا تھا کہ بدمعاش نے دارجیلنگ میں میرے کئی دوستوں سے میرے نام پر ہزاروں روپیہ وصول کر لیا ہے۔ میرا بس چلا تو کبھی آزاد نہیں رہنے دوں گا۔"

اس کے بعد اُس نے ایک اور چال چلی۔ اُس نے انکسار کے لہجہ میں پوچھا "اچھا شانتا! تمہارے ماں باپ کہاں رہتے ہیں میرا خیال ہے کہ ابھی ان لوگوں کو تار دے کر خبر کر دوں، کہو تو صبح سویرے ہی ان کے پاس لے چلوں۔"

شانتا نے روتے ہوئے کہا: "میرا کوئی بھی نہیں۔"

"کوئی بھی نہیں۔۔۔؟" جانسن نے حیرانی ظاہر کرتے ہوئے کہا: "سریش تو کہا کرتا تھا کہ تم ایک رئیس کی لڑکی ہو۔ اور وہ جھانسی میں رہتے ہیں۔"

"سب جھوٹ ہے۔" شانتا نے روتے ہوئے کہا۔ "اُس نے سب کو دھوکا دیا ہے۔ آپ کو بھی اور مجھے بھی۔"

جھوٹی تسلیاں دے کر جانسن نے تھوڑی ہی دیر میں شانتا سے سب کچھ پُوچھ لیا تھا۔ شانتا ماں باپ کے پاس جانے کے لئے تیار نہ تھی اور جانسن کہہ رہا تھا کہ وہ اس طرح ایک پرائی لڑکی کو اپنے پاس رکھ کر کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتا

شانتا زندگی کے دوراہے پر کھڑی تھی۔ اُس کے چاروں طرف تاریکی ہی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔

وہ کہاں جائے۔

خودکشی کا راستہ ہی باقی رہ گیا تھا۔

خودکشی کا لفظ سُن کر جانسن نے کہا۔ "یہ نہیں ہو سکتا۔ کبھی نہیں ہو سکتا۔ میں ایک شریف اور عزت دار آدمی ہوں میں کوئی ایسا خطرہ مُول نہیں لے سکتا۔ ایک دو دن یہاں ہی ٹھہرو۔ اس کے بعد میں تمہیں ملازمت دلا دوں گا۔ اپنے پاؤں پر کھڑی ہو جاؤ اور موقعہ ملنے پر ان لوگوں سے دِل کھول کر بدلہ لو۔"

شانتا کو مجبوراً "ہاں" کہنا پڑی ـــــ ہفتہ دس دن وہ اسی ہوٹل میں رہی۔ اور اس کے بعد ایک دِن ایک لمبی چوڑی تمہید باندھنے کے بعد جانسن نے یہ کہکر اسے ایک عورت کے حوالے کر دیا۔ کہ یہ کلکتہ میں ڈاکٹری کا کام کرتی ہے۔ تمہیں نرسنگ کی ٹریننگ دلا دے گی۔

یہ عورت سوناگاچھی کی ایک پُر رونق بلڈنگ میں عورتوں کے جسموں کو فروخت کرنے کا کاروبا کرتی تھی۔ اس کا نام تھا کملا بائی۔

کئی دِن بعد شانتا کو دیکھنے والے اسے پہچان نہیں سکتے تھے۔ اس کا لباس بدل گیا تھا۔ اس کے بالوں کی آرائش کا طریقہ اس کے کالج کے دنوں سے بالکل مختلف تھا۔ گرمیوں کی ایک دوپہر کو وہ پنکھا لئے ہوئے اپنی کوٹھڑی کے دروازے کے کھڑی تھی اس کی مالکہ کواڑ کے پیچھے کھڑی ہوئی اُسے کنٹرول کر رہی تھی۔

شلواریں پہنے ہوئے بنے ٹھنے لفنگے نوجوان اُس کے نزدیک آئے۔ مالکہ نے کواڑ

کی آڑ سے حکم دیتے ہوئے کہا "مسکرا کر ان سے بات چیت کرو"۔ دِل پر پتھر رکھ کر وہ مصنوعی ہنسی ہنسی۔ ایک نوجوان نے ہونٹوں پر اُنگلی رکھ کر کہا "لاجواب حُسن پایا ہے کیا خیال ہے میم صاحبہ"

نوجوانوں کی یہ ٹولی کتنی ہی دوسری کوٹھڑیوں سے گھوم کر کسی عورت پر پھبتی کس کر کسی سے مسکرا کر دو چار باتیں کر کے اور کسی کو پان پیش کر کے اس کی کوٹھڑی کے سامنے آکر کھڑی ہوئی تھی۔

شانتا کا نام تھا اب بدرالنسا۔ کچھ دیر پہلے ہی اس نے دیکھا تھا۔ اسی کوٹھڑی کی دو عورتوں کو جو چند برس پہلے حسن اور جوانی لے کر یہاں آئی تھیں۔ اب ان کی دوکانداری ماند پڑ گئی تھی۔ کیونکہ اُن کا حُسن اور جوانی بازار کی زینت بن کر ہر لحظہ بکتے بکتے ڈھلک چکی تھی۔ دِل پھینک نوجوانوں نے جب اس سے سوال کیا تو اِن عورتوں کے چہرے اس کی نگاہوں میں گھوم گئے۔ کملا نے کواڑ کی اوٹ سے باہر نکل کر پان کی پیک اُگلتے ہوئے دیکھا تو اپنے کاروباری تجربہ کی بنا پر بھانپ گئی کہ یہ محض دِل پھینک نوجوانوں کا ٹولہ ہے۔ جن کا مقصد تاک جھانک کے سوا کچھ نہیں اُس نے غصہ سے بھڑک کر کہا "جیب میں دام نہیں اور گوری سے محبت کرنے چلے ہو، بھاگتے ہو کہ نہیں"

کملا کی رنجش کو دیکھ کر وہ نوجوان آوازے کستے ہوئے نو دو گیارہ ہو گئے۔

کملا ایک دِن تارا پد مکرجی سٹریٹ کی اُس بلڈنگ کی دُوسری منزل پر صوفہ پر بیٹھی ہوئی ۴۴-۴۵ سال کے ایک شخص سے بات چیت کر رہی تھی۔ جس کی پہلی منزل میں "ہندو ودھوا سہائیک آشرم" کا دفتر کھلا ہُوا تھا۔

کملا سے بات چیت کرنے والے کے بال سفید ہو رہے تھے، اُس نے سفید بوسکی کی قمیص اور سفید ململ کی دھوتی پہن رکھی تھی، دیوار پر چنڈی دیوی کی ایک بڑی تصویر آویزاں تھی، اس کے ایک طرف مہاتما گاندھی اور دوسری طرف اربندگھوش کی تصویریں آویزاں تھیں۔ کونے میں ایک جگہ دیوی کی ایک تصویر پر پھُول چڑھے ہوئے تھے، ایک چھوٹا سا سنکھ رکھا ہُوا تھا اور دھوپ اور اگر بتی کی خُوشبو سے سارا کمرہ مہک رہا تھا۔

کملا نے مسکرا کر کہا ــــ "تو یہ معاملہ ہے۔ آپ اس چھوکری سے اپنی جان چھڑانا چاہتے ہیں"۔

اِس شخص نے کہا "بس یہی بات سمجھو۔ اگر اس بار مدد کر دو، تو جو معاوضہ مانگو گی، مل جائے گا"۔

کملا نے سنجیدگی سے کہا "معاوضہ کی بات تو کوئی نہیں، البتہ مشکل یہ ہے کہ ایسی لڑکیاں عام طور پر خطرناک ہوتی ہیں۔ اگر معاملہ بگڑ جائے تو آپ جیسے لوگ مدد نہیں

کرنے اپنی ذمہ داری سے قطعاً انکار کر کے ہم غریبوں کو پھنسا دیتے ہیں"

اس شخص نے کہا "نہیں جی! اس میں کسی کے پھنسنے کی کوئی بات ہی نہیں۔ اکیلے کوٹھے پر بیٹھی ہوئی کوئی لڑکی کبھی دم بھی مار سکتی ہے اور پھر اگر کوئی خطرے کی بات ہو تو مجھے اطلاع دے دیں۔ میں کوئی دوسرا انتظام کروں گا۔"

اگر آپ ۴۴-۴۵ سال کے اس شخص کو غور سے دیکھیں تو اُسے پہچاننے میں چنداں دقت نہیں ہو گی کیونکہ یہ شخص ہے "ہند ودھوا سہائک آشرم" کی مینجنگ کمیٹی کا چیئرمین۔ اس کا نام ہے رائے بہادر ایس کے بینرجی کلکتہ شہر میں ان کی سلک کی تین فیکٹریاں چلتی ہیں۔ سٹیشنری کی بڑی فرم ہوڑہ میں ہے گھر کی ٹو ہے، اسمبلی کے ممبر رہ چکے ہیں، ولایت کی سیر کر چکے ہیں۔ وہاں ہی انہیں ایک "ودھوا آشرم" جاری کرنے کا خیال آیا تھا۔ کلکتہ لوٹتے ہی انہوں نے اپنی بلڈنگ کے تین چار کمرے خالی کر دیئے اور شہر کے معزز آدمیوں کو بلا کر انہوں نے باقاعدہ طور پر ودھوا آشرم کی بنیاد رکھ دی۔ یہ تین سال پہلے کا واقعہ ہے، اس عرصہ میں اس آشرم میں بیسیوں عورتیں آئیں، کئی ایک کی شادیاں ہو گئیں اور کئی ایک دوسرے اداروں کے حوالے کر دی گئیں۔ مگر اتنے بڑے شہر میں کسی نے کبھی شکائت نہیں کی، کہ "سونا گاچھی" کے کوٹھے والیوں سے بھی آشرم کے چیئرمین کا کوئی تعلق ہے۔ گزشتہ دنوں انڈیا سٹریٹ میں رہنے والے ایک دیش بھگت کے خلاف کلکتہ کے ایک روزانہ اخبار نے لکھا تھا۔ کہ اُس نے یوپی کی ایک مسلمان لڑکی کو بُو بازار میں بٹھا دیا ہے۔ یہ لڑکی بڑی مشکل سے نکلی۔ اِس وقت رائے بہادر ایس کے بینرجی نے سرگرم ایجی ٹیشن کی تھی، اُنہوں نے کہا تھا کہ اگرچہ میں

ہندو ہوں، مگر ایک مسلمان لڑکی کو بھی اپنی بیٹی سمجھتا ہوں اُسکی ذلّت گوارا نہیں کر سکتا۔ اخباروں نے رائے بہادر کی اِس جُرأت کی تعریف کی تھی۔

یہی رائے بہادر آج شام کے دھندلکے میں "سوناگاچھی" کی مشہور کوٹھے والی کملا سے درخواست کر رہے تھے کہ وہ اُن کے آشرم کی ایک لڑکی رجنی بکرجی سے ان کی جان چھڑانے میں مدد کرے۔ رجنی بکرجی تقسیم وطن کے فسادات میں شیلانگ سے آئی تھی، سولہ سترہ سال کی عمر تھی، اُس کا باپ ڈسٹرکٹ بورڈ کے ایک ہسپتال میں کمپونڈری کرتا تھا۔ فساد ہوئے تو وہ بھاگا، مشرقی پاکستان کی حدود پار کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ نیشنل گارڈ کے ایک رضاکار نے گولی چلادی اور وہ ہلاک ہو گیا۔ رجنی اکیلی رہ گئی۔ آشرم کے والنٹیر اُسے آشرم میں لائے تھے۔ رجنی بیحد حسین لڑکی تھی۔ باپ کی موت کے صدمہ نے اُسے نڈھال کر دیا تھا، دُنیا میں اس کا کوئی بھی رشتہ دار نہیں تھا۔ رائے بہادر نے اُسے سہارا دیا اور اپنے آشرم میں دوسری عورتوں سے الگ جگہ دے کر چھوٹی سی ملازمت بھی دیدی۔

رائے بہادر پہلی بار پھسلے، تو رجنی کی تاریک زندگی میں روشنی کی جھلک آگئی کیونکہ رجنی نے ان کی زبان سے سُنا تھا۔ کہ وُہ اُسے جی جان سے چاہتے ہیں۔ اُنہوں نے زندگی میں آج تک رجنی کے سوا کسی سے محبت نہیں کی رجنی اِن کی زندگی میں مسرت کا پیغام لے کر آئی ہے، اور وُہ اسے شہرت کے آسمان تک پہنچا دیں گے۔ رائے بہادر ایس کے بینرجی کی عمارت کی دُوسری منزل کا ایک کمرہ اکثر تاریک راتوں میں رجنی کی آمد سے جگمگا اُٹھتا۔ یہی رجنی اب ایک بچے کی ماں بننے والی تھی۔ آشرم میں کام کرنے والی بہت سی عورتوں کو یہ بات معلوم ہو گئی تھی، اِسی لئے رائے بہادر

نے اپنے گناہوں پر پردہ ڈالنے کیلئے رجنی کو ہوڑہ کے ایک ہوٹل میں کمرہ لے کر رکھ چھوڑا تھا۔ رجنی انہیں شادی کے لئے مجبور کر رہی تھی اور رائے بہادر اس سے جان چھڑانے کی فکر میں تھے۔

رائے بہادر کہہ رہے تھے ــــ "کملا بات یہ ہے کہ اس میں میری عزت کا سوال ہے۔ اگر تم مدد نہیں کرو گی تو اور کون کرے گا ــــ اتنے بڑے شہر میں ایک تم پر ہی بھروسہ ہے"

کملا کہہ رہی تھی "میں نے کب انکار کیا ہے۔ محض آپ کی کرایہ دار ہونے کی وجہ سے ہی نہیں بلکہ اس وجہ سے بھی آپ کی احسان مند ہوں کہ آپ نے وقتاً فوقتاً ہماری امداد کی ہے مگر مشکل یہی ہے کہ آج کل پولیس کا رویہ قدرے سخت ہو گیا ہے۔ اس لئے ڈرتی ہوں۔"

"ڈرنے کی بھی ایک ہی کہی" رائے بہادر نے قہقہہ لگا کر کہا کلکتہ میں نہ سہی کسی اور جگہ بھیجدو۔ تم لوگوں کے ٹھور ٹھکانوں کی کوئی کمی تو نہیں سارے ہندوستان میں تم لوگوں کا ہی تو راج ہے۔"

کملا سوچنے لگی۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا "ایک راستہ نظر آیا ہے میرا خیال ہے کہ ہم اسے کچھ دن کے لئے دارجیلنگ بھیجدیں۔ ایک دو ماہ کی بات ہے۔ ہوٹل وغیرہ کا خرچ برداشت کرنا ہو گا۔ اس کے بعد میں خود سنبھال لوں گی۔"

"مجھے منظور ہے" رائے بہادر نے کہا "خرچ کی تو کوئی پرواہ نہ کرو۔ اتنی بات کی احتیاط لازمی ہے کہ یہ راز کسی کو معلوم نہ ہو۔"

کملا مسکرا دی۔ اس نے کہا "رجنی سے میری ملاقات کراتے وقت آپ

میرے متعلق اُسے کیا کہیں گے؟"

"جو تم چاہو"

"کوٹھے کی مالکہ"

"رام رام۔کیا کہہ رہی ہو۔ اگر اُسے ذرا سا شک بھی ہو گیا تو طوفان کھڑا کر دے گی"

"تو اور کیا کہیں گے آپ؟"

"بہن ــ چچا زاد بہن ــ ماموں کی لڑکی وغیرہ ــ"

کملا مُسکرا دی۔ اس کی مُسکراہٹ میں طنز تھا۔ اُس نے کہا۔

"آپ نے کبھی مجھے بہن سمجھا؟"

رائے بہادر ایس کے۔مکرجی اپنی جگہ سے اُٹھے۔کملا کے نزدیک آ کر اس کے بالوں میں اُنگلیاں پھیرتے ہوئے انہوں نے کہا۔"چلو ایک لمحہ کے لئے ہی فرض کر لو"

کملا نے کہا ــ"لیکن اگر پھر ــ"

"پھر کی بات پھر دیکھی جائے گی"۔ کہتے ہوئے رائے بہادر نے کملا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا ــ"اب مذاق کرنے کا وقت نہیں۔صبح سے پہلے پہل کوئی انتظام ضرور ہو جانا چاہیئے"

یہ کہہ کر اُنہوں نے لوہے کا سیف کھول کر نوٹوں کی ایک گڈی نکالی اور کملا کے حوالے کرتے ہُوئے کہا۔"صبح ہونے سے پہلے ہی رجنی کو کلکتہ سے باہر چلے جانا چاہیئے"

تم سا دوانی بجلی ایک مجبوری
اسے تو کون روک سکتا ہے
تم کبھی آنا لئے بے تاب دل میں

"یہ آپ کا حکم ہے!"

"جی ہاں" رائے بہادر نے مسکرا کر کہا — "اور تمہیں اسے ماننا پڑے گا"

کملا بھی مسکرا دی۔ اُس نے کہا "آپ کا یہ کام تو ضرور ہو جائے گا مگر میرا کام کب ہوگا؟

"کیا کام"

"واہ!" کملا نے حیرانی سے کہا "آپ اُسے بھول ہی گئے۔ آشرم کی کسی اچھی سی لڑکی سے میرے بھائی کی شادی۔!"

رائے بہادر کھل کھلا اُٹھے۔ اُنھوں نے کہا "شنکر کی بات کہنی ہو تو اچھو کرا اب تک نصف درجن کے قریب شادیاں کر چکا ہوگا۔ شادی سے دوسرے ہفتے بیوی کو کوٹھے پر بٹھا دیتا ہے۔ تم لوگوں نے خوب کاروبار چلا رکھا ہے"

"مگر اس بار میں نے اُسے خوب ڈانٹا ہے اور وہ رضامند ہو گیا ہے کہ اب کے بیوی کو اپنے پاس ہی رکھے گا"

"تم اسے رہنے دو گی؟" رائے بہادر نے مسکرا کہا۔

کملا کچھ کہنے ہی والی تھی کہ انہوں نے اپنی بات پوری کرتے ہوئے کہا —

"خیر یہ کام تو کر دو شنکر کی شادی بھی ہو جائے گی۔ شادی کے بعد تم اُسے کہیں بھی لے جاؤ۔ مگر تم لوگوں سے ڈر لگتا ہے کسی دن بھانڈا پھوٹ گیا تو بازی چوپٹ ہو جائے گی"

کملا نے زور سے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا — "کچھ بھی نہیں ہوگا رائے بہادر صاحب! کلکتہ جیسے شہر میں کوئی بھی ٹھکانہ نہ ملے تو "سونا گاچھی" بس

آپ کو ضرور پناہ مل جائے گی۔ کہو تو ایک فلیٹ ریزرو کرا دوں؟"

رائے بہادر سٹپٹا اٹھے۔

کملا نے منی بیگ میں نوٹوں کا بنڈل ڈالا اور مسکراتی ہوئی سیڑھیوں سے نیچے اتر گئی۔

بازار سے گزرنے والے اس شخص کا حلیہ دیکھ کر ہر شخص کو بے اختیار ہنسی آجاتی ہے۔ جب چھوٹے چھوٹے بچے اُسے دیکھ لیں تو وہ چچا کوا چچا کے آوازے کستے ہوئے اُس کے پیچھے ہو لیتے ہیں۔ وہ ان پر گندی گندی گالیوں کی بوچھاڑ کرتا ہے اور پتھر اٹھا اٹھا کر مارنے دوڑتا ہے لیکن جب اس بازار میں داخل ہو تو کوئی بھی اسے "کوا چچا" نہیں کہتا۔ اس نے عام طور پر پھٹا ہوا ایک کوٹ جس سے وہ قمیض کا بھی کام لیتا ہے، پہنا ہوتا ہے۔ عام طور پر ننگے پاؤں ہوتا ہے۔ لیکن تعجب کی بات ہے کہ اس بازار میں کوئی آدمی اس سے نفرت نہیں کرتا، وہ سیگرٹ کی دکان کے نزدیک سے گزرے تو دکاندار اُسے سیگرٹ اور پان پیش کر دیتا ہے ہوٹل والے کی دوکان سے گزرے تو اُسے مفت کھانا مل جاتا ہے۔ کسی بھی کوٹھے پر چڑھ جائے تو اسے کوئی نہیں روکتا، دروازوں سے لگی ہوئی ویشیاؤں سے مذاق کرے تو مسکرا کر خاموش ہو جاتی ہیں، الجھنے کی کوشش

نہیں کرتیں، نہ ہی بدمذاقی ہیں۔

ایک دِن اِس پُر اسرار انسان کو ایک شرابی نے پیٹ ڈالا تھا۔ شرابی اور اُس کے ساتھی تو موٹر میں بیٹھ کر نو دو گیارہ ہو گئے مگر کتنی ہی طوائفیں اُس کے گرد جمع ہو گئیں، ان کے اشارے پر ان کے بابوؤں اور اس بازار کے دُوسرے لوگوں نے جو عام طور پر لیٹرے اور لفنگے سمجھے جاتے ہیں، اُسے اُٹھایا اور سہارا دیتے ہوئے ایک کمرے کی طرف لے گئے، جہاں اُنھوں نے ڈاکٹر کو بُلایا۔ اُس کی مرہم پٹی ہوئی اور وُہ پھر قہقہے لگاتا ہُوا کواڑوں میں کھڑی ہوئی طوائفوں سے مذاق کرتا سگریٹ کے کش لگاتا ہُوا آگے نکل گیا۔

یہ پُر اسرار انسان عام طور پر کسی نکڑ پر ہی رات کو سو جاتا ہے اور اگر کسی طوائف کے بالاخانے پر سونا چاہے تو کسی کو اعتراض نہیں ہوتا۔

یہ شخص کون ہے! اس کے متعلق طرح طرح کی داستانیں سُنی جاتی ہیں، ایک داستان یہ ہے کہ وُہ کسی بڑے فقیر کا لڑکا ہے اور روحانیت کی گہرائیوں تک پہنچا ہُوا ہے۔ اُس کے مُنہ سے نکلے ہوئے الفاظ سُن کر ماہر سٹے باز عجیب وغریب انداز سے اگر سٹہ کے داؤ لگائیں تو اُن کے وارے نیارے ہو جاتے ہیں۔ جو طوائف بالاخانہ پر بیٹھنے سے پہلے اسے دیکھ لے، اُس پر سونے چاندی کی بارش ہونے لگتی ہے وُہ چاہے تو اپنے ان عقیدت مندوں سے نیاز حاصل کر کے شاندار زندگی بسر کر سکتا ہے مگر اسے کوئی لالچ نہیں۔

ایک اور روایت یہ ہے کہ نوجوانی کے عالم میں یہ شخص لاکھوں میں کھیلتا تھا اُس نے اپنے باپ دادا کا کمایا ہُوا تمام روپیہ اور جائداد "سوناگاچھی" کی حسین

عورتوں پر لٹا دی اور آخر کار یہاں کا ہی ہو کر رہ گیا۔ کچھ سال پہلے وہ گن سندری کے بالاخانہ پر رہتا تھا۔ اِس عورت پر اُس نے ہزاروں روپے ضائع کئے اور جب زندگی کا موڑ بدلا تو اسی طوائف کے بالاخانہ پر ٹھہر گیا۔ گن سندری اُس کے عہدِ رفتہ کی نباضی کو بھولی نہیں تھی۔ اُسے زندگی کا ایک سہارا مل گیا تھا اور یہ شخص جسے سب لوگ چچا کہا کرتے تھے، مفلس و قلاش ہو جانے کے باوجود سندری کا "بابو"، "ملازم" اور "مشیر" بن گیا تھا۔ سندری کوئی کام اُس سے مشورہ کئے بغیر نہیں کرتی تھی۔

جب تک سندری زندہ رہی اُس کی زندگی آرام سے کٹی۔ اس کے بعد ایک دن اس کی غیر حاضری میں سندری کے بالاخانہ پر جھگڑا ہو گیا۔ ایک شرابی نے سندری کو چھرا گھونپ دیا۔ سندری ہلاک ہو گئی جس سے اس "چچا" کو بے حد صدمہ پہنچا۔ کئی دن وہ خاموشی سے ایک جگہ بیٹھا رہا۔ بازار والوں نے اس سے ہمدردی کا اظہار کیا تو "چچا" میں پھر زندگی کی زندہ دِلی نمودار ہو گئی لیکن اب وہ کسی کے بالاخانہ پر نہیں ٹھہرتا تھا۔ یہ بازار ہی اُس کا مسکن تھا۔ دن بھر گھومتا رہتا، اور رات کو جب بازار بند ہو جاتا تو کسی جگہ خاموشی سے لیٹ جاتا۔ پان والے کی دوکان سے "چچا" نے سگریٹ سلگایا اور اس کے بعد جھومتے جھامتے کسی طوائف پر پھبتی کسی، کسی راہ گیر کو شرمندہ کیا، کسی کو سلام کیا اور اس کے بعد کملا کے کواڑ میں کھڑی ہوئی ایک لڑکی کے نزدیک رُک کر اُس نے سنجیدگی سے کہا۔ "بھاگنا چاہتی ہو؟"
یہ لڑکی تھی شانتا ـــ جسے کملا نے بدر النسا کا نام دیا تھا۔ اُس نے سنا اَن سنا کر دیا۔ پاگلوں کی باتوں کو اس بازار میں سنتا ہی کون ہے اور پھر "چچا" کی باتیں تو کبھی سنجیدگی کا پہلو لئے ہوئے نہیں ہوتیں۔

اُس نے پھر کہا "اپنی جوانی برباد نہ کرو، میرے ساتھ بھاگ چلو۔"

کملا اندر بیٹھی ہوئی سُن رہی تھی۔ اُس نے باہر آکر قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "کہاں لے جانا چاہتے ہو؟ اس سے شادی کرو گے کیا؟"

"چچا" نے اُس کی بات پر دھیان دیئے بغیر کہا "میں کہتا ہوں، شانتا یہاں سے بھاگ چلو۔"

کملا نے کہا "اسے لے جاکر کیا کرو گے۔ مجھے ساتھ لے چلو۔ کچھ فائدہ مجھے ہوگا اور کچھ تمہیں۔"

"کیا بک رہی ہو۔" "چچا" نے غیر معمولی سنجیدگی سے کہا "میں کہتا ہوں اسے چھوڑ دو۔ ایک شریف اور معزز گھرانے کی لڑکی کی زندگی برباد نہ کرو۔"

شانتا اپنا نام سُن کر چونک اُٹھی تھی اور پھر "چچا" کی باتوں میں غیر معمولی سنجیدگی محسوس کر کے وہ اور بھی حیران ہو اُٹھی تھی مگر کملا کو اچانک غصہ آگیا۔ اُس نے کہا "جانتے ہو کہ نہیں۔ گداگر کہیں کے۔ ہم لوگوں کے جُوٹھے ٹکڑوں پر پل رہے ہو، اور ہمارے سے ہی مُنہ آنے کی جُرأت کرتے ہو۔"

تاہم "چچا" کے رویہ میں آج غیر معمولی تبدیلی واقع ہو رہی تھی۔ اُس نے آگے بڑھ کر شانتا کو بازو سے پکڑ لیا اور گرج کر کہا "چلو۔ تم یہاں نہیں رہ سکتیں دیکھتا ہُوں۔ کون تمہیں یہاں رکھتا ہے!"

"اُچکا کہیں کا؟" کملا نے درمیان میں آکر اُسے روکنے کی کوشش کرتے ہُوئے کہا "بھاگتا ہے کہ نہیں۔ میری لڑکی پر ہاتھ اُٹھانے کی ہمت کیونکر ہُوئی تجھے؟"

مگر "چچا" کی گرفت بہت مضبوط تھی۔ اُس نے دھکا دے کر کملا کو زمین پر

گرا دیا اور شانتا سے کہنے لگا "چلو بیٹی!"

کملا گر کر سنبھلنے کی کوشش کرتی ہوئی چلا اُٹھی ـ

ایک ساتھ کتنے ہی لوگ دوڑ کر پہنچ گئے ـ اِن میں سے ایک نے جھپٹ کر "چچا" کو گلے سے دبوچ لیا ـ

"بد معاش ـ لفنگا ـ چور کہیں کا" اُس نے چلا کر کہا "کہاں لے جا رہا ہے اس چھوکری کو ـ"

"چچا" کے جسم میں آج غیر معمولی جرأت پیدا ہو گئی تھی شاید، اُس نے مقابلہ کیا ـ شانتا ابھی تک اُس کی گرفت میں تھی ـ وہ بھی چلا رہی تھی ـ کئی اور لوگ بھی اکٹھے ہو گئے ـ اِتنے میں کسی نے "چچا" کے چھرا گھونپ دیا ـ چچا کے منہ سے ایک چیخ نکلی خون کا فوارہ چھوٹ پڑا اور وہ وہیں زمین پر گر پڑا ـ

کملا فوراً بھاگ کھڑی ہوئی ـ اس کا ملازم شانتا کو پکڑ کر گھسیٹنے لگا، وہ چلا رہی تھی اور اس کے ساتھ ہی شور بلند ہوا تھا "خون خون"

چھرا گھونپنے والے کی آنکھوں میں خون اُترا ہوا تھا ـ کوئی شخص اُس کے نزدیک آنے کی جرأت نہیں کرتا تھا ـ اُس نے شانتا کے نزدیک آ کر اُسے بھی چھرا گھونپ دیا ـ شانتا چلا کر زمین پر گر پڑی ـ جو آدمی اُسے گھسیٹ رہا تھا وہ اُسے چھوڑ کر بھاگنے لگا تھا کہ پولیس کے ایک آدمی نے اُسے اپنی گرفت میں لے لیا ـ دوسرے آدمی بھاگ بھاگ کر غائب ہونے لگے ـ چھرا گھونپنے والا بھی چھرے کو پھینک کر بھاگ نکلا ـ کسی کو اُسے پکڑنے کی ہمت نہ ہوئی ـ کچھ دیر بعد پولیس کے پانچ چھ آدمی ایک سب انسپکٹر کی رہنمائی میں موقعہ پر پہنچ گئے تھے ـ "چچا" کی نعش بھی

تک خون میں لت پت پڑی ہوئی تھی۔ شانتا کو ایمبولینس کار میں ڈال کر ہسپتال پہنچا دیا گیا تھا اور پولیس کے آدمی ہجوم کو لاٹھیاں دکھا دکھا کر دُور رکھنے کی کوشش کر رہے تھے تاکہ سب انسپکٹر آسانی سے تفتیش کر سکے۔

کملا کا دروازہ کھلا پڑا تھا۔ مگر وہ غائب تھی۔ دروازے کے باہر ایک پولیس مین سنگین تھامے ہوئے کھڑا تھا۔

نگیندر بابو کو مخاطب کر کے اُن کے بھائی ستیندر ناتھ نے کہا "خون ہو گیا بھیا! آپ نے یہ خبر نہیں پڑھی کیا؟"

نگیندر بابو میز کے سامنے کرسی پر بیٹھے ہوئے کچھ کاغذات دیکھنے میں مصروف تھے اُنھوں نے چونک کر کہا ــــ "خون! کہاں خون ہو گیا؟"

ستیندر ناتھ نے کہا ــــ "سوناگاچھی میں پرسوں شام دو جانوں کا خون ہو گیا۔"

یہ کہہ کر ستیندر ناتھ نے اُٹھ کر اخبار نگیندر بابو کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا ــــ "تعجب ہے آپ کی نگاہ سے ابھی تک یہ خبر گذری ہی نہیں"

نگیندر بابو خبر پڑھنے لگے۔ کچھ اس طرح لکھا تھا۔

"کل شام "سوناگاچھی" میں سنسنی پھیل گئی جب ایک غنڈے نے ایک

ایک شخص اور ایک نوجوان لڑکی کو چھرا گھونپ دیا۔ اوّل الذکر تو موقعہ پر ہی ہلاک ہو گیا جبکہ لڑکی ہسپتال میں جا کر دم توڑ گئی ۔"

پولیس کے حلقوں سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا ہے کہ مقتول ناگپور کے مشہور لکھ پتی سیٹھ کا لڑکا دیا چند ہے ، اُس نے باپ کے مرنے پر "سونا گاچھی" کی طوائفوں پر اپنی تمام جائیداد تباہ کر دی تھی اور ایک مدّت سے پاگلوں کی سی حرکتیں کر رہا تھا۔ گزشتہ شام اُس نے ایک طوائف کملا کے مکان سے ایک نوجوان لڑکی شانتا کو پکڑ کر اُسے ساتھ لے جانے کی کوشش کی جس پر ایک غنڈے نے اُسے چھرا گھونپ دیا اور شانتا پر بھی قاتلانہ حملہ کیا۔ دیا چند تو موقعہ پر ہی ہلاک ہو گیا جبکہ شانتا ہسپتال میں داخل ہوئے چار گھنٹے بعد مر گئی ۔ شانتا نے اپنے نزعی بیان میں بتایا کہ وہ لکھنؤ کے ایک پروفیسر کی لڑکی ہے اور اسے دھوکہ سے کملا کے پاس فروخت کیا گیا تھا ۔ اس سلسلے میں پولیس دارجلنگ کے ایک ہوٹل کے مالک جانسن کے خلاف بھی تحقیقات کر رہی ہے جس کے پاس اس لڑکی کو پہلے پہل رکھا گیا تھا ۔

کملا ابھی تک مفرور ہے اور پولیس نہایت سرگرمی سے اُس کی تلاش کر رہی ہے ۔

نگیندر بابو نے چونک کر کہا ۔" بھیا ! جانسن تو شاید اسی ہوٹل کا مالک ہے ۔ جہاں تم گذشتہ ہفتے ٹھہرے تھے ۔"

ستیندر بھی چونک پڑا ۔ اُس نے کہا ۔" مجھے بھی یہی اندیشہ ہے مگر یہ شخص دیکھنے میں تو بہت شریف معلوم ہوتا ہے ۔"

" جی ہاں " نگیندر بابو نے کہا ۔" بھولی بھالی شکل والے ہوتے ہیں جلّاد بھی ایسے

لوگ ہی تو اِس طرح کی حرکتیں کرتے ہیں۔ ہاں تو یہ شانتا کون ہو سکتی ہے! اخبار نے لِکھا ہے، لکھنؤ کے ایک پروفیسر کی لڑکی!"

اُنہوں نے دماغ پر زور ڈال کر سوچنا شروع کیا اور پھر چونک کر کہا۔ "مجھے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وُہ لڑکی ہے جس کے متعلق ایک دفعہ مَیں نے تم سے ذکر کیا تھا کہ سرتش نام کا ایک بدمعاش اُسے لکھنؤ سے کلکتہ جانے والی گاڑی پر اپنے ساتھ لے جا رہا تھا اور جب مجھے شک ہُوا تو دونوں اچانک ہی کہیں غائب ہو گئے۔"

ستیندر ناتھ خاموش رہے۔

اور نگیندر بابو کہنے لگے۔ "افسوس تو اس بات کا ہے کہ اس وقت مجھے شانتا کو بھگا لیجانے کا خیال ہی نہیں آیا اور جب اصلیت معلوم ہُوئی تو شانتا کا کوئی پتہ ٹھکانہ ہی نہ تھا۔ اس خبر سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ بدمعاش شانتا کو کلکتہ کے بجائے دارجیلنگ لے گیا تھا۔ اِسی لئے تو پولیس کی امداد حاصل کرنے کے باوجود کلکتہ میں شانتا کا سراغ نہ ملا تھا۔"

"تعجب تو یہ ہے کہ پڑھی لکھی لڑکی ہونے کے باوجود شانتا نے اپنے آپ کو سونا گاچھی والوں کے ہاتھ بکنے سے کیوں نہ بچایا؟"

ستیندر ناتھ نے کہا۔ "اگر کسی دن وُہ شور مچا دیتی یا مزاحمت کرتی تو یقیناً اپنے آپ کو بچا سکتی تھی۔"

نگیندر بابو نے کہا۔ "تعجب تو ہر ایک کو ہوتا ہے اور ہونا بھی چاہیئے مگر کتنے لوگ ایسی لڑکیوں کی امداد کرنے کی جرأت کرتے ہیں۔ عام لوگ تو تماشہ دیکھتے ہیں

اور پھر اگر عوام میں اخلاقی جرأت ہو تو بدکاری کے اڈے ایک دن بھی نہ چل سکیں۔ ہمارے جیسے لوگ ہی تو اِن کی سرپرستی کرتے ہیں۔ جن لوگوں کو سماج کا ستون سمجھا جاتا ہے، اُنہی کے دم قدم سے تو اِس فضا میں رنگینی نظر آتی ہے۔ ایسی حالت میں لڑکیوں کا کیا قصور؟"

یہ کہہ کر اُنہوں نے گھڑی دیکھی اور چونک کر کہنے لگے: "اچھا مجھے تو کچہری جانا ہے۔ اگر ہو سکے تو پروفیسر صاحب کو ایک خط لکھ دینا۔ شاید اُنہیں اب بھی اپنی بدنصیب لڑکی کے متعلق کچھ معلوم نہ ہُوا ہو۔"

تین روز پہلے "سوناگاچھی" میں جو طوفان آیا تھا، اب وُہ تھم چکا تھا اور حق تو یہ ہے کہ کلکتہ کے اِس بازار کی فضا ایسے واقعات سے کبھی نہیں بدلی۔ سینکڑوں طوفان آئے اور گزر گئے۔ مگر نہ تو دِل پھینک نوجوانوں کی اور نہ اس کی رونق میں کمی واقع ہُوئی اور نہ ہی انسانی گوشت پوست کے بیوپاریوں نے اپنا کاروبار بند کیا۔ جو کوٹھڑی اُس روز شانتا کی موت اور کملا کی گرفتاری کے بعد خالی ہو گئی تھی، اب پھر آباد ہو گئی تھی۔ اب بھی کملا اس کوٹھڑی کی مالکہ تھی۔ وُہ تیسرے ہی دن رہا ہو گئی۔ کیونکہ پولیس اس کے خلاف کوئی جرم ثابت نہیں کر سکی تھی اور نہ ہی کوئی شہادت ہی تھی۔ اُس کے خلاف جس شخص نے شانتا

کو جھڑا گھمو نیا تھا، اُس کے خلاف مُقدمہ چلے تو چلے، کملا دا ہو کر اپنے کاروبار میں مصروف ہو گئی تھی۔

اِس بازار میں آج اینتھنی سکول کے طلبا کا ایک گروہ چکر لگا رہا تھا۔ چھ سات طالب علم تھے۔ چودہ چودہ، پندرہ پندرہ سال کی عمر، پان چباتے ہُوئے، سگریٹ کا دُھواں چھوڑتے ہُوئے کبھی ایک کوٹھڑی کے سامنے رُک جاتے اور کبھی دوسری کوٹھڑی کے سامنے!

اِن میں سے ایک نے کہا ــــ ”بسواس! اگر تمہارا باپ یا اُستاد تمہیں سامنے مِل جائے تو تمہاری حالت کیا ہو گی؟“

بسواس نے اس کا جواب ابھی نہیں دیا تھا۔ کہ تیسرے نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا ــــ ”ہو گا کیا؟ ہمیں پُوچھا جائے گا کہ تم کدھر! تو ہم جواب دیں گے جدھر تم گھوم رہے ہو اُدھر ہم بھی!“

اور سب لڑکوں نے مِل کر ایک ساتھ کئی قہقہے لگائے۔ یہ تمام لڑکے بورڈنگ ہاؤس سے بندرگاہ کی سیر کرنے کا بہانہ کر کے اِس بازار میں آئے تھے۔

لڑکے جہاں سے گزرتے، طوائفوں کے ایجنٹ سیٹیاں بجا کر انہیں اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرتے۔ لڑکے انہیں اپنے پاس بُلاتے اور مذاق ہنسی کی باتیں کرتے ہُوئے آگے نکل جاتے

بسواس نے اچانک ایک جگہ رُک کر کہا ــــ ”اچھا صاحب! آپ جہاں جانا چاہتے ہیں جائیں مَیں نے اپنا انتخاب کر لیا ہے۔“

دُوسروں نے حیرانی سے کہا ــــ ”کس کو منتخب کیا ہے تُم نے“۔

بسواس ہلکی سی ہنسی ہنس دیا۔ دُوسرے لڑکے اصرار کرنے لگے۔ اُنہوں نے کہا ۔" نا صاحب۔ تم جہاں جاؤ گے ہم وہاں ہی جائیں گے زبانا اڈ بیں لاکر ہمیں اکیلے چھوڑ جانا کہاں کی دوستی ہے"۔

بسواس کے انداز سے معلوم ہوتا تھا گویا وہ اُنہیں ٹال رہا ہے اس وجہ سے اُس کے ساتھیوں کا اصرار اور بھی بڑھ رہا تھا۔ آخر کار بسوؔاس نے جھنجھلا کر کہا ۔" دیکھو بھئی میں تو صرف ایک بار پہلے آیا ہُوں اور مجھے اتنا ہی علم ہے کہ دس دس روپے ضرور خرچ کرنے پڑیں گے "۔

" مگر وہ ہیں کہاں ؟"

بسواس نے سامنے کے مکان کی دُوسری منزل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ۔" اچھا ایک منٹ ٹھہرو۔ میں دیکھ آتا ہُوں "۔

" اور اگر غائب ہو گئے تو یاد رکھنا تُمہاری گت بن جائے گی"

بسواس مُسکرا دیا اور پھر ایک لڑکے کو ہلکی سی چپت لگا کر وہ دوڑتا ہُوا سامنے کی بلڈنگ کی سیڑھیوں پر چڑھ گیا۔

کچھ دیر بعد جب وہ واپس آیا تو سب لڑکوں نے دس دس روپے کے نوٹ اُس کے ہاتھ میں دے دیئے۔

اس کا نام تھا کلاؔ۔ پندرہ سولہ سال کی عُمر تھی۔ گجرات سے آئی ہُوئی معلوم ہوتی تھی۔ پان پیش کر رہی تھی کہ ایک موٹی سی عورت نے کمرے میں داخل ہو کر کہا ۔" بسواس بیٹا آؤ تمہیں کانتا بی بی بُلا رہی ہیں"

دُوسرے لڑکوں نے مُڑ کر اُس کی طرف دیکھا۔ بسوآس کے چہرے کا رنگ

نق ہو گیا۔ دُوسرے لمحے اُس نے پھیکی ہنسی ہنستے ہُوئے کہا " ذرا ٹھہر جاؤ ابھی آتا ہُوں "

یہ تمام لڑکے پہلی بار ہی اس بازار میں آئے تھے، یا اُنہیں پہلی بار کسی طوائف کے کوٹھے پر چڑھنے کا اتفاق ہُوا تھا۔ اِس لئے خوف زدہ نظر آتے تھے یا جھینپ رہے تھے۔ کلاّ نے مُسکراتے ہوئے کہا " اچھا وسکی پیو گے یا بیئر "

" کچھ بھی نہیں " اُنہوں نے کلا کی طرف دیکھے بغیر بسو اس سے کہا " کیوں " بسو اس بولا " یہاں آ گئے تو شرمانے کی کیا ضرورت! پانی میں رہ کر بھی کوئی مگر مچھ سے بیَر رکھتا ہے "

کلا کے نوکر کو اشارہ کرتے ہُوئے اُس نے کہا " چار بیئر لاؤ آج یہی کافی ہے "

کلا اُن میں سے ایک لڑکے وجینتی گھوش کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے بولی " تم مجھے بہُت اچھے لگتے ہو "

وجینتی جھینپ گیا۔ کلاّ نے اُس کی گال پر ہلکی سی چپت لگاتے ہوئے کہا " کیوں مجھ سے محبت نہیں تمہیں "

وجینتی مُسکرا دیا۔ کلاّ کہنے لگی " تم ہر روز یہاں آیا کرو۔ پرماتما کی قسم پہلی ہی نظر میں تم سے محبت ہو گئی ہے "

موٹی سی عورت کھل کھلا اُٹھی۔ اُس نے کہا " چلو بسواس ان لوگوں کو یہاں آرام کرنے دو۔ اُدھر تمہارا انتظار ہو رہا ہے "

" نہیں اماں ابھی نہیں " بسواس نے کہا

لڑکے تھوڑی دیر تک کُھل گئے۔ کلاّ گانے لگی اور وُہ اس کی آواز پر جھومنے

لگے۔ بیئر آگئی تھی۔ بسواس نے پہلا گلاس خود لیا اور پھر کلا کا جامِ محبت تجویز کر کے اُس نے سب لڑکوں کو بیئر کا ذائقہ لینے پر آمادہ کر ہی لیا۔

ان لوگوں کو یہیں چھوڑ کر بسواس کمرے سے باہر نکل کر برآمدے سے ہوتا ہوا موٹی سی عورت کے ہمراہ دُوسرے کمرے میں داخل ہو گیا۔ کمرہ بند کرنے کے بعد اس نے کہا — "چالیس روپے ان لوگوں نے دیئے ہیں۔ میرا حصّہ!"

"صرف چالیس روپے!" موٹی سی عورت نے چلّا کر کہا "سات جنے ہیں، ستر روپے تو ضرور ملنے چاہئیں"

بسواس مُسکرا دیا۔ اُس نے کہا — "ابھی تو ابتدا ہے۔ اب کے صرف چالیس روپے ملے ہیں۔ اگلی بار ستر بھی اکٹھے کر لوں گا"

یہ کہہ کر اُس نے دس دس کے چار نوٹ نکالے اور تین اُس عورت کے حوالے کرتے ہوئے کہا — "میں نے اپنے حصّے کے دس روپے رکھ لئے ہیں!"

وہ عورت خوش نہیں ہوئی تھی۔ بسواس نے یہ بات بھانپ کر کہا " اچھا بھئی ایک پیگ منگواؤ اور یہ دس روپے بھی لے لو"

موٹی سی عورت نے جھپٹ کر دس روپے کا نوٹ بھی سنبھال لیا اور پھر ان نوٹوں کو ایک بار پھر گن کر جیب میں ڈالتے ہوئے اُس نے کہا "شکریہ! کا ناکو بھیجتی ہُوں"

دُوسرے لمحے ہی وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔ بسواس نے جیب سے سگریٹ کیس نکالا۔ ایک سگریٹ سلگایا اور اُس کا دُھواں چھوڑتے ہُوئے تکیہ اُٹھا کر پلنگ پر رکھ کر لیٹ گیا۔ اور جیب سے دس کے تین نوٹ نکال کر اُنہیں غور

سے دیکھا اور پھر جیب میں ڈال کر گنگنانے لگا۔ محبت میں ایسے قدم ڈگمگائے زمانہ یہ سمجھا کہ ہم پی کے آئے! تھوڑی دیر میں ۲۰-۲۲ سال کی ایک لڑکی مسکراتی ہوئی کمرے میں داخل ہوگئی۔ بسواس اُسے دیکھتے ہی اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور مسکراتے ہوئے اُس سے کہا — "آئیے حضور!"

کانتا پلنگ پر بیٹھ گئی۔ اُس نے اُسے خالی ہاتھ دیکھ کر کہا — "وسکی نہیں آئی۔ نوکر لا رہا ہے کیا؟"

"وسکی نہیں ملے گی۔"

"کیوں؟"

"میں جو کہتی ہوں کہ نہیں ملیگی"۔

بسواس جھنجھلا اُٹھا اُس نے کہا — "مجھے ہر بار تمہارا رویہ بہت بُرا لگتا ہے اگر ضد کروگی تو میں پھر کبھی نہیں آؤنگا۔"

کانتا غصہ میں نہیں آئی۔ اُس نے سنجیدگی سے کہا — "اگر تم یہاں نہ آیا کرو تو بہت ہی اچھا ہو۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں مجھ سے نفرت ہے؟"

"ایسی بات تو نہیں"۔ کانتا نے کہا "لیکن اگر تم مجھے نفرت کا مجسمہ سمجھ کر یہاں آنے سے باز آجاؤ تو مجھے اطمینان ہو گا۔"

بسواس اور بھی جھنجھلا اُٹھا۔ اُس نے کہا — "یہ بات ہے تو میں جاتا ہوں"۔ یہ کہہ کر اُس نے جلتے ہوئے سگریٹ کو فرش پر پھینک کر پاؤں سے مسل دیا سگریٹ کیس جیب سے نکال کر تمام سگریٹ توڑ دیئے اور پلنگ سے اُٹھ کر

باہر جانے لگا۔
کانتا یہ سب کچھ خاموشی سے دیکھ رہی تھی۔ اُس کے چہرے پر ذرا بھی تبدیلی نظر نہیں آئی۔ لیکن جب بسواس نے کمرے سے باہر قدم رکھا تو اُس نے بیٹھے بیٹھے کہا ”ذرا ٹھہرو تو——“
بسواس رُک گیا۔ اُس نے غصّہ میں کہا ”کیا کہنا چاہتی ہو؟“
کانتا نے سنجیدگی سے کہا—”پھر کب آؤ گے؟“
”کبھی نہیں“ بسواس نے وہیں کھڑے کھڑے جواب دیا۔
کانتا اُٹھی۔ اُس کے نزدیک جا کر اُسے بازو سے پکڑ کر کمرے میں واپس لاتے ہوئے اُسے زبردستی کُرسی پر بٹھا دیا اور خود پلنگ پر بیٹھ کر کہنے لگی۔ ”اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں شراب سے محبّت ہے۔ مجھ سے نہیں۔ مَیں نے شراب نہیں دی اِس لئے تمام ڈرامہ ختم!“
بسواس پھیکا سا ہو گیا۔ کوئی جواب بن نہ پڑا اُس سے۔
اور کانتا کہنے لگی ”شراب بھی لا دیتی ہُوں مگر اِس سے تمہیں کیا حاصل ہوگا؟“
بسواس خاموش رہا۔ اُس نے کوئی جواب نہیں دیا
کانتا کہتی گئی ”تمہارے بھلے کی بات ہی تو کہہ رہی ہُوں۔ یہ عُمر اور شراب! اگر عادت پڑ گئی تو اپنی زندگی تباہ کر لوگے۔ اِسی لئے بار بار روکتی ہوں کہ شراب نوشی ترک کر دو۔“
”تم تو چاہتی ہو گی کہ یہاں بھی کبھی نہ آیا کروں“ بسواس نے جھنجھلا کر کہا۔
کانتا کچھ لمحے خاموش رہی۔ اس کے بعد اُس نے سنجیدگی سے کہا ”تم

یہاں ہی نہیں، تُم اِس بازار کے کسی بھی فلیٹ میں جانا چاہو تو تمہیں کوئی طاقت روک نہیں سکتی۔ تمہارے پاس ماں باپ کا فالتو روپیہ موجود ہے۔ اس کے بل بوتے پر حسین سے حسین عورت کا جسم خرید سکتے ہو۔ اِسی روپے سے تُم نے مجھے بھی کئی بار خریدا۔ میری جگہ کوئی اور عورت ہوتی تو تمہاری چاپلوسی کر کے تُم سے زیادہ سے زیادہ روپیہ بٹورنے کی کوشش کرتی۔ مگر میں بے وقوف ہُوں۔ اِس لئے تم پر ترس آتا ہے اور تم سے درخواست کرتی ہُوں کہ تم اس راستے پر چل کر اپنی زندگی تباہ نہ کرو۔"

"مطلب یہ کہ تمہیں مجھ سے نفرت ہے"۔ بسواس نے سنجیدگی سے کہا۔

"نہیں! اگر نفرت ہوتی تو تُم سے محبّت کا ثبوت دینے کے لئے تمہاری فرمائش کے بغیر ہی تمہیں اپنے ہاتھوں سے شراب پلاتی"

یہ کہہ کر اُس نے ٹھنڈی گہری سانس لی اور آہستہ سے کہنے لگی ـــ "یہ دُنیا بھی عجیب ہے۔ اس میں جو شخص ایمانداری سے کسی کے بھلے کی بات سوچے، لوگ اُسے بے وقوف یا ضدی سمجھتے ہیں اور جو دوسروں کو تباہی کے راستے پر لے جائے اُسے ہمدرد سمجھا جاتا ہے"۔

بسواس خاموش رہا۔ کانتا نے کہا ـــ "تمہارے لئے وسکی لاؤں؟"

"نہیں"۔ بسواس نے آہستہ سے کہا۔

"بیئر ـــ؟"

"لیکن مجھے کسی کی ضرورت نہیں"۔

"آئیے پلنگ پر آرام سے بیٹھ جائیے"۔

"نہیں، میں جا رہا ہوں۔"

"کہیں دوسرے کمرے میں؟"

"نہیں"

" اپنے ساتھیوں کے پاس؟"

"نہیں"

کانتا نے دیکھا۔ بسواس کی آنکھوں سے آنسوؤں کے دو موٹے موٹے قطرے رہ جھک کر زمین پر گر پڑے تھے۔ کانتا نے اُٹھ کر اپنی ساڑھی کے آنچل سے انہیں پُونچھا۔

یکایک بسواس نے پُوچھا "مجھے اِس بازار میں کبھی نہ آنے کا مشورہ دے رہی ہو، مگر خود کیوں اس راستے پر پڑی ہوئی ہو۔"

کانتا ہلکی سی ہنسی ہنس دی

بسواس کہنے لگا "روپیہ مِلتا ہے، اسی لئے؟"

کانتا کو شاید چوٹ لگی تھی۔ اُس نے کہا "جی ہاں! اسی لئے تو آپ سے ہر بار کچھ نہ کچھ بٹور لیتی ہوں۔"

بسواس نے یہ چوٹ محسوس کر لی تھی۔ اُس نے کہا "ناراض ہو گئی ہو کیا؟"

"آپ لوگوں سے ناراض ہو کر ہم لوگ کبھی زندہ رہ سکتے ہیں۔" کانتا نے ایک اور چوٹ لگاتے ہوئے کہا "اگر آپ جیسے لوگ نہ ہوں تو اِس بازار کی رونق دو دن ہی ختم ہو جائے۔"

بسواس نے کہا "تو ٹھیک ہے، میں جا رہا ہوں۔"

"پھر کب آئیں گے"؟ کانتانے پوچھا
"کبھی نہیں"
"مجھ سے محبّت ہی نہیں رہی؟"

بسواس خاموش رہا۔ ایک بار کرسی سے اُٹھ کر دوبارہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے اُس نے کہا ــــ "کچھ سمجھ نہیں آتا میرا تو دماغ خراب رہتا ہے"۔

کانتانے کہا ــــ "سر دبا دُوں؟"

"نہیں"

تاہم کانتا اپنی جگہ سے اُٹھی۔ بسواس کو بازو سے پکڑ کر پلنگ پر بٹھاتے ہوئے وُہ زبردستی اُس کا سر دبانے لگی۔ بسواس "نہ نہ" کرتا رہا مگر کانتا نے سُنا اَن سُنا کر دیا۔

وہ کہہ رہی تھی ــــ "دیکھو میری عمر ۲۰-۲۲ سال کی اور تمہاری عمر ۱۷-۱۸ سال کی ہوگی۔ تُم مجھ سے ہر لحاظ سے چھوٹے ہو۔ میں چاہتی ہُوں کہ بڑے ہو کر وکیل ڈاکٹر یا لیڈر بنو۔ یہاں آکر تُم کچھ بھی حاصل نہیں کرسکو گے۔ یہاں آنے والوں کی زندگی میں تباہی کے سوا اور کچھ نہیں لکھا"

بسواس کہنے لگا ــــ "مگر تم تو مزے سے زندگی بسر کر رہی ہو۔ شاندار لباس روپوں کی بارش، سونے کے زیورات کی بھرمار"

"اِن میں سے میرا کچھ بھی نہیں؟" کانتا نے کہا "کاش تم جانتے ہوتے کہ مَیں محض غلام ہُوں۔ دُنیا میں سب سے بڑھ کر دُکھی!"

"تُم واقعی دُکھی ہو"؟ بسواس نے پُوچھا۔

"تو تم سمجھتے ہو کہ جو عورت ہر روز ہر گھڑی اپنا جسم بیچنے کے لئے مجبور ہے۔ جس کے جذبات کو ایک ذلیل سے ذلیل . . . انسان بھی محض کاغذ کے چند نوٹوں کے عوض کچل سکتا ہے۔ وہ کبھی سکھی ہو سکتی ہے!"

"تم اپنی ماں سے کیوں نہیں کہہ دیتیں کہ تمہیں اس راستے سے ہٹا لے۔"

"میری ماں مر چکی ہے۔"

"اور باپ؟"

"اُس کا کوئی پتہ ٹھکانہ نہیں۔"

"یہ عورت تمہاری ماں نہیں کیا۔"

"نہیں۔" کانتا نے کہا۔ "یہ عورت میری کچھ بھی نہیں لگتی۔"

"تو پھر تم یہاں کیوں آئیں۔"

"آئی نہیں لائی گئی ہوں۔" کانتا نے کہا۔ "اپنی مرضی سے یہاں کوئی عورت نہیں آتی۔"

"تعجب ہے۔" بسواس نے اُٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "تو تم یہاں سے چلی کیوں نہیں جاتیں!"

"کون جانے دیتا ہے۔" کانتا نے کہا۔ "اگر بھاگنے کی کوشش کروں تو یہ لوگ میرا گلا گھونٹ کر مار دیں۔"

بسواس اور بھی حیران ہو گیا۔ اُس نے تھوڑی دیر خاموش رہ کر کہا۔۔۔

"میں تو اب تک کچھ اور ہی سمجھ رہا تھا!"

کانتا کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"کبھی موقع ملا تو ضرور بتاؤں گی۔ کانتا نے کہا۔" مگر سوچتی ہوں کہ اس سے کیا فائدہ ہوگا۔ میری مدد تو کوئی بھی نہیں کر سکتا۔"

"شاید کر سکوں"۔ بسواس نے کہا "میرے ایک بھائی یہاں وکیل ہیں، وہ تمہاری مدد کر سکیں گے۔"

کمرے کے باہر کسی کے پاؤں کی چاپ سنائی دی۔ کانتا نے چونک کر آہستہ سے کہا ۔۔۔" معلوم ہوتا ہے، وہ چڑیل آ رہی ہے۔ اب خاموش ہو جاؤ۔ پھر کبھی آؤ گے تو بتاؤں گی۔"

وہ موٹی سی عورت جو کچھ دیر پہلے بسواس کو اس کمرے میں چھوڑ گئی تھی، کمرے میں داخل ہو گئی تھی۔ اُس نے پان کی پیک تھوکتے ہوئے کہا۔" آج تو بڑی محبت کی باتیں ہو رہی ہیں میرے بیٹے سے"

بسواس جھینپ گیا۔ مگر کانتا مسکرانے لگی۔

اور وہ عورت کہنے لگی "اُن چھوکروں کی سُدھ لو۔ اُنہوں نے تو کلا کا ناک میں دم کر رکھا ہے۔"

بسواس نے اُٹھ کر کہا ۔۔۔" پھر چلتا ہوں"

کانتا نے اپنے مخصوص انداز میں آنکھیں گھما کر کہا ۔۔۔" تو کل آؤ گے نا؟"

"کب؟"

"اِسی وقت"

"آؤں گا۔" کہتے ہوئے بسواس نے دس دس کے باقی تین نوٹ نکال کر یہ کہتے ہوئے موٹی سی عورت کے ہاتھ میں تھما دیئے کہ" کل کی فیس آج ہی دئے دیتا ہوں۔"

کلا کے کمرے میں بسواس کے ساتھیوں کی ٹولی شراب کے نشے میں جھوم رہی تھی۔ اُن میں سے ایک لڑکا ایڈورڈ فرش پہ اوندھے مُنہ پڑا ہُوا قے کر رہا تھا۔ ایک اور لڑکا فلمی گیت گنگناتا ہُوا کلا کی زُلفوں کی تعریف کر رہا تھا۔

بسواس کو دیکھتے ہی کلا نے مُسکرا کر کہا "لے جاؤ اپنے ساتھیوں کو انہوں نے تو پہلے رونہ ہی میرا ناک میں دم کر دیا ہے"

بسواس کو غُصّہ آ رہا تھا۔ جب وُہ انہیں یہاں لے کر آیا تھا وہ یہی چاہتا تھا کہ تمام لڑکے اس ماحول سے مانوس ہو جائیں۔ لیکن کانتا نے اسے جو کھری کھری سُنائی تھیں، اُن سے اُس کی آنکھیں کُھل گئیں۔ اور اب اپنے ساتھیوں کو اس حالت میں دیکھ کر اُسے رونا آ رہا تھا۔ "کلا! تُم نے بُرا کیا" بسواس نے کہا "انہیں شراب پلانا تو نہیں چاہیئے تھی۔ اب یہ ہوسٹل میں لوٹ کر کیونکر جاسکیں گے اور اگر انہیں سپرنٹنڈنٹ نے کہیں دیکھ لیا تو ہم سب کی شامت آ جائیگی"۔

کلا کِھلکھلا کر ہنس پڑی۔ کہنے لگی "میں کیا کر سکتی تھی۔ بیئر کا ایک ایک گلاس پینے کے بعد جونہی ملازم آیا اُنہوں نے وسکی کے لئے اُسے روپے دیدیئے میں روکنا چاہتی تو بھی روک نہیں سکتی تھی"۔

اور موٹی سی عورت بھی اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اُس نے ناک پکڑ کر کہا "جس طرح ہو اُن کو یہاں سے لے جاؤ۔ دوسرے گاہک آئیں گے تو کیا کہیں گے"۔

ایڈورڈ کو بسواس نے ایک ٹھوکر لگائی تھی۔ اُس نے پاگلوں کی طرح حرکت کرتے ہوئے کہا "کیا ہے ہمیں سونے بھی نہیں دو گے کیا"

"یہ سونے کی جگہ ہے کیا" بسواس نے غُصّہ میں آ کر کہا۔

"اور کیا ہے؟" ایڈورڈ نے جواب دیدیا۔ "جاتے ہو کہ نہیں یہاں سے۔" اور جو لڑکا ابھی ابھی فلمی گیت گا کر کلّا کی زلفوں کی تعریف کر رہا تھا گھور کر دیکھتے ہوئے کہنے لگا ——"تو پیاری کلّا! ہمیں چھوڑ کر کسی اور سے محبت کرے گی۔ ہم نہیں ہونے دیں گے یہ! یہ ماتما کی قسم جان دے دینگے مگر ——"

یہ کہہ کر اُس نے جنون میں آ کر اپنا گریبان چاک کر دیا اور فلمی اداکاروں کی طرح ایکٹنگ کرتے ہوئے کہنے لگا ——"دیکھتی نہیں ہمارے بھی دِل ہے"۔

بسوا اس نے جھنجھلا کر اُسے ایک تھپڑ رسید کیا اور چلّاتے ہوئے کہا ۔

"بہت دِل والا بنا پھرتا ہے ۔ سیدھی طرح چلتا ہے کہ نہیں یہاں سے !"

دوسرے لڑکے دیوانوں کی طرح گھور رہے تھے ۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اِن میں حرکت کرنے کی سکت باقی نہیں رہی تھی ۔

کانتا مُسکرا رہی تھی ۔ اِس کی مالکہ کڑک کر کہنے لگی ——"کیوں دانت نکال رہی ہے ۔ کلّا کی کوٹھڑی میں چلو ۔ کاروبار کا وقت ہے ۔ اور کھڑی کھڑی تماشہ دیکھ رہی ہے بدذات !"

کانتا کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا ۔ اُس کی 'مالکہ' نے اُسے بازو سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے کہا "یہ کوئی نئی بات تھوڑی ہی ہے !"

کانتا خاموشی سے کلّا کی کوٹھڑی کی طرف چلی گئی اور اُس کی 'مالکہ' بسوا اس سے کہنے لگی —— "ایک دو ٹیکسیاں منگوا لو اور اِنہیں لے جاؤ ورنہ یہ لوگ تو ——"

"اپنے ٹھور پر جانے کے نہیں"۔ بسوا اس نے بگڑے ہوئے لہجے میں کہا "یہ تو میں جانتا ہوں ۔ مگر میرے لئے تو انہیں لے جانا ممکن نہیں ۔ تم لوگوں نے آج بہت

ظلم کیا ہے ۔ پہلے روز ہی انہیں شراب پلا کر کہیں کا نہیں رہنے دیا۔"

"بکتا ہے"! کہہ کر وجینتی اپنی جگہ سے اُٹھا۔ لڑکھڑاتے ہُوئے قدموں سے آگے بڑھ کر بسو اُس کو ایک تھپڑ رسید کر دیا اور چلّا کر کہنے لگا ـــــ "بدمعاش کہیں کا! ہم کہیں نہیں جائیں گے۔ آج رات یہاں ہی رہیں گے"!

اُس کے بعد اُس نے بڑھیا کی طرف دیکھتے ہُوئے کہا ـــ "کہاں ہے چھوکری! اُسے کہاں بھگا دیا ہے تُم نے"

"بتا تو سہی کہاں غائب کر دیا ہے تُم نے"۔ ایڈورڈ نے جواب اُٹھ کر بیٹھ گیا تھا' پاگلوں کی سی ایکٹنگ کرتے ہُوئے کہا۔

فوجی پولیس کا ایک سپاہی گشت کرتا ہُوا گزرا۔ اُس نے لڑکوں کو اس حالت میں دیکھ کر کہا ـــــ "کیا ہو رہا ہے"!

"محبّت"! وجینتی نے جھُومتے ہوئے کہا: "محبّت کرو گے' دِسکی پیو گے"!

فوجی سپاہی نے اُسے گھُور کر دیکھا۔

وجینتی نے زور سے قہقہہ بلند کیا اور کہنے لگا ـــــ "بلاؤ نملا کو۔ صاحب لوگ بھی اُس سے محبّت کریں گے"!

ایڈورڈ گانے لگا ـــــ

محبّت میں ایسے قدم ڈگمگائے
زمانہ یہ سمجھا کہ ہم پی کے آئے

"یہ کیا بدتمیزی ہے"! سپاہی نے گرج کر کہا' اور پھر کلا کی مالکہ سے مخاطب ہو کر کہا ـــــ "کتنی بار منع کیا' مگر باز نہیں آتی ہو' کہو ابھی گرفتار کر لوں"!

وجینتی لڑکھڑاتا ہوُا آگے بڑھا۔ سپاہی کے قریب آکر اُس کے کوٹ میں لگے ہوُئے پیتل کے چمکتے ہوئے ایک بٹن کو پکڑ کر کہنے لگا۔

"مان بھی جاؤ۔ جانے بھی دو۔"

سپاہی نے بگڑ کر زور سے ایک تھپڑ رسید کیا۔ وجینتی گال کو ملتے ہوئے چکرا کر فرش پر بیٹھ گیا۔

بسواس نے یہ دیکھا تو چپکے سے ایک طرف کھسک گیا۔ سپاہی نے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر وسل بجا کر دو اور سپاہیوں کو بُلا لیا۔ اور لڑکوں کی طرف گھُور کر دیکھتے ہوُئے سپاہیوں سے کہنے لگا۔ "لے جاؤ انہیں تھانے میں۔ کمبخت کہیں کے۔ پیدا ہوُئے آٹھ دن بھی نہیں ہوُئے اور محبّت کے ڈرامے کھیلنے کے لئے آ گئے ہیں۔"

کلا کی مالکہ کو جھنجھوڑتے ہوُئے اُس نے سپاہیوں سے کہا۔ "انہیں بھی لیجاؤ۔"

دُوسرے لمحے سپاہی لڑکوں کو پکڑ پکڑ کر جلوس کی صوُرت میں سیڑھیوں کی طرف جا رہے تھے۔ ایک اچھا خاصہ تماشا ہو گیا تھا اور کتنے ہی لوگ اِس تماشے کو دیکھنے کے لئے جمع ہو گئے تھے۔ سیڑھیوں کے نزدیک ایک شُونڈ مُونڈ شخص کی طرف دیکھتے ہوُئے وجینتی نے چلاّ کر کہا ــــ "سپر نٹنڈنٹ صاحب!" وہ شخص ایک طرف ہو کر غائب ہونے لگا۔

ایک سپاہی نے بھڑک کر کہا ــــ "کیا ہے؟"

وجینتی نے سہم کر کہا ــــ "ہمارے ہوسٹل کے سپر نٹنڈنٹ صاحب! آپ ان سے ہماری ضمانت لے لیں!"

"تمہارے ہوسٹل کا سپر نٹنڈنٹ؟" حیرانی کے لہجے میں یہ الفاظ کہتے ہوُئے

فوجی سپاہیوں نے چلّا کر کہا ــ "اسے بھی پکڑ لو۔ دیکھنا کہیں جانے نہ پائے!"
دُوسرا سپاہی لپک کر اُس کی طرف بڑھا۔ سپرنٹنڈنٹ صاحب چپکے سے ایک
طوائف کے کمرے میں داخل ہو گئے تھے۔ سپاہی کمرے میں گھُس کر اُنہیں پکڑ لایا۔
اُن کے مُنہ سے شراب کی تیز بدبُو آ رہی تھی۔ سپاہی نے نفرت سے اُس کی
طرف دیکھتے ہُوئے کہا ــــ "کس ہوسٹل سے تمہارا تعلق ہے؟"
سپرنٹنڈنٹ کی حالت ایسی تھی۔ گویا کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ سپاہی اُسے
دھکّے دیتے ہُوئے نیچے لے آئے۔ وُہ چلّا چلّا کر کہہ رہے تھے "بدمعاش کہیں کے
جب پروفیسروں کی یہ حالت ہو تو طالب علم کیوں نہ اخلاقی گراوٹ کا مظاہرہ کریں"۔
اِن لوگوں کو تھانے لے جاتے ہوئے دیکھ کر سینکڑوں لوگ اکٹھے ہو گئے
تھے۔ ایک جلوس سا بن گیا تھا۔ لوگ سپرنٹنڈنٹ صاحب پر لعنت بھیج رہے تھے
اس بھیڑ میں بسواس کہیں بھی نظر نہ آیا
جان بچی اور لاکھوں پائے۔ وہ نہ جانے کہاں غائب ہو گیا تھا!

نجات

ناول "سوناگاچھی"

دوسرا حصہ

نجات

آخر ایک روز بسواس کانتا کو "سوناگاچھی" سے لے اُڑا اور نگیندر بابو کے حضور میں پہنچا۔

کانتا رو رہی تھی اور بسواس بھی آنسو بہا رہا تھا۔ نگیندر بابو نے بسواس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا — "تم دوسرے کمرے میں جاؤ۔ مجھے ان سے کچھ باتیں کرنا ہیں۔"

اُس کے جانے کے بعد نگیندر بابو نے کہا — "کانتا اب بگڑنے کی کوئی بات نہیں۔ مجھے تمام باتیں صاف صاف کہہ دو۔"

کانتا خاموش رہی۔ اُس کی آنکھوں سے آنسو بہتے رہے۔

نگیندر بابو کہنے لگے — "دیکھو! میں تمہاری عزت کرتا ہوں۔ تم سے ذرا بھی نفرت نہیں کرتا۔ تم نے میرے چچازاد بھائی بسواس کو تباہی سے بچایا ہے۔ اس لئے میرے دل میں تمہارے لئے عزت اور بھی بڑھ گئی ہے۔ اب تم اس ماحول سے نکل آئی ہو۔ دنیا میں ہر شخص نے تمہیں دھوکہ دیا مگر میں دھوکہ نہیں دوں گا۔ تمہاری زندگی سنوارنے کے لئے مجھے اپنی جان کی قربانی بھی دینا پڑے تو پیچھے نہیں ہٹوں گا۔"

اس کے بعد اُس نے کانتا کے آنسو پونچھے اور کہنے لگا ––" بنگالی معلوم ہوتی ہو؟"
کانتا نے سر ہلا کر اثبات میں جواب دیا۔

اس کے بعد نگیندر بابو نے کرید کرید کر جو کچھ پُوچھا اُس کا اختصار یہ تھا۔
کانتا ایک رفیوجی کی لڑکی ہے، ایف ایم پاس ہے ایک ہسپتال میں نرس کا کام کر چکی ہے۔ بردوان ضلع کے پورنیما گاؤں میں رہتی تھی۔ شہر کے ایک نوجوان سے اُس کی سگائی ہوئی تھی۔ مگر شادی ہونے سے پہلے باپ مر گیا۔ تو ہونے والی ساس نے کہلا بھیجا کہ اب شادی نہیں ہو سکتی۔ ماں کے لئے جوان بیٹی کو گھر میں بٹھائے رکھنا مشکل تھا۔ اُس نے اُسے ایک غریب نوجوان سے بیاہ دیا۔ اگرچہ اُس کا خاوند شریف نوجوان تھا مگر نہ جانے کیوں کانتا کے دِل سے اپنے منگیتر کی محبت نہ بھولی۔ اسی وجہ سے وہ خاوند سے بے رُخی سے پیش آتی تھی۔ خاوند اُسے منانے کے لئے ہر ممکن طریقہ اختیار کرتا۔ مگر وہ مطمئن نہ ہوتی۔ اُس کا دِل بغاوت کرتا تھا۔ جب بھی کسی سے بات چیت کا موقعہ ملتا وہ اپنے دِل کا چور ظاہر کرنے کی بجائے خاوند کے خلاف شکائتوں کا طومار باندھ دیتی۔
ایک میلہ میں کاشی پور گئی تو وہاں اُس کی ملاقات اپنے گاؤں کی ایک بڑھیا سے ہوئی جسے وہ احترام کی وجہ سے تائی کہہ کر پکارتی تھی۔ اُس نے کانتا سے غیر معمولی ہمدردی کا اظہار کیا۔ یہانتک کہ وہ شہر میں آ کر بھی کانتا سے ملنے جلنے لگی۔ کانتا بھی اُس سے مل کر مطمئن ہوتی کیونکہ اسے اس سے بات چیت کر کے اپنے دل کا غُبار نکالنے کا موقعہ ملتا تھا۔ بڑھیا نے اُسے کہا کہ وہ اُس کے منگیتر کو جانتی ہے۔ اور اُس کا منگیتر اب غلطی محسوس کر کے کانتا کی خاطر اپنے ماں باپ کو چھوڑ

دینے کے لئے تیار ہے۔
کانتا تذبذب میں آگئی۔ وُہ محسوس کرتی تھی کہ وُہ زندگی کے دوراہے پر کھڑی ہے ایک طرف وُہ ایک خاوند کی بیوی ہے جس سے اُسے ذرا بھی محبّت نہیں اور دوسری طرف وُہ ایک منگیتر ہے جو اب بھی اُس سے محبّت کرتا ہے۔
بڑھیا اُس کی دُکھتی رگ چھیڑ کر کہتی ــ "اگر تم چاہو تو اب بھی اُس سے ملا سکتی ہُوں۔ وہ تمہیں اپنی زندگی کی ساتھی بنانے کے لئے اب بھی تیار ہے"۔
کانتا سوچتی کہ وہ کیا کرے۔ بارہا اُس کے دِل میں آتا کہ وہ بغاوت کر کے اپنے خاوند کو چھوڑ دے۔ مگر دوسرے لمحے وہ سوچتی کہ یہ بے عزّتی کا راستہ ہے۔ لوگ کیا کہیں گے۔ دُنیا کیا کہے گی۔ وہ کسی کو مُنہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گی۔
ایک دِن خاوند سے معمولی بات پر جھگڑا ہو گیا۔ وہ سیر کے لئے باغ میں گھومنے جانا چاہتی تھی مگر خاوند کو ایک ضروری کام پر کہیں جانا تھا۔ کانتا کا دِل پہلے ہی جلا بھنا تھا۔ وہ اُس سے اور بھی بھڑک اُٹھی اور دونوں میں تُو تُو میَں میَں ہونے لگی دوسرے روز اُس نے کھانا بھی نہیں پکایا۔ خاوند خاموش ہو کر دفتر چلا گیا۔ اُس کی غیر حاضری میں 'تائی' آگئی۔ کانتا کو اُداس دیکھ کر اُس نے وجہ پُوچھی تو کانتا پھُوٹ پھُوٹ رونے لگی۔ 'تائی' نے اُسے چھاتی سے لگا لیا۔ اور چومنے لگی۔
کانتا نے رو کر کہا ــ "تائی اب میں یہاں کسی حالت میں رہنا نہیں چاہتی یہاں رہ کر تو میں گھُل گھُل کر مر جاؤں گی۔ بڑھیا نے اُس کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا ــ "یہی تو میَں بھی کہتی ہُوں۔ تمہارا کندن سا چہرہ اِس گھر کی سُوکھی زرد روٹیاں کھا کھا کر اور گالیاں طعنے سُن سُن کر پیلا پڑ گیا ہے۔ میری تو یہی رائے ہے کہ

تم اب بھی سنبھل جاؤ۔"

کانتا نے اُس سے چمٹ کر کہا۔" تو کیا کروں تائی۔ مجھے تو کچھ بھی نہیں سُوجھتا۔"

"اِسی کا سہارا لو۔ جو تمہارے ساتھ بلنے کے لئے تیار رہے۔"

تائی نے کہا۔" تمہارا منگیتر اب بھی تمہارے لئے اپنی آنکھوں کو فرشِ راہ بنائے بیٹھا ہے۔"

کانتا نے کہا۔" مگر یہ تو بے عزتی کا راستہ ہے۔ دُنیا کیا کہے گی۔"

"دُنیا کہتی رہتی ہے۔" بڑھیا نے کہا۔" جو لوگ دنیا کی پرواہ کرتے ہیں۔ اُن کی حالت تمہاری طرح ہی ہوتی ہے۔"

کانتا خاوند کا گھر چھوڑ کر بڑھیا کے ساتھ بھاگ گئی۔

کانتا رو رہی تھی۔ نگیندر بابو نے بڑی مشکل سے اُسے چُپ کرایا۔ اسکے بعد اُس نے جو کچھ بتایا وُہ کچھ اس طرح تھا۔ کہ وہ بڑھیا اس موٹی سی عورت کی ایجنٹ تھی جس کے قبضہ میں کانتا "سونا گاچھی" میں عصمت فروشی کی زندگی بسر کر رہی تھی۔ بڑھیا نے اُس کے منگیتر سے ملانے کا فرضی قصہ بیان کیا تھا۔ وہ درحقیقت اُسے "سونا گاچھی" میں بیچنے کے لئے دھوکہ دیکر لائی تھی۔

نگیندر بابو نے کہا۔" تمہارا خاوند کہاں ہے تم اُس کے پاس واپس کیوں نہیں چلی گئیں؟"

کانتا نے کہا۔" وُہ مر چکا ہے۔ تائی نے ہی اُسے بتایا تھا۔"

"کہاں رہتا ہے وہ؟"
"ڈھاکہ کے نارائن گنج بازار میں!"
"اُس کا نام؟"
"شنکر ناتھ بینر جی"
نگیندر کو یہ نام مانوس سا لگا۔ اُس نے پوچھا— "اُس کے باپ کا نام کانتی ناتھ تو نہیں۔"
"جی" کانتا نے حیرانی سے کہا۔
"وہ زندہ ہے" نگیندر بابو نے کہا "پاکستان بننے کے بعد یہاں آگیا تھا اور یہاں سے نزدیک ہی اپنا کاروبار کرتا ہے۔ اِن لوگوں نے اس کی موت کا افسانہ بھی گھڑ لیا ہوگا تمہیں دھوکا دینے کے لئے۔"
نگیندر بابو اب گہری سوچ میں پڑ گئے تھے۔
کانتا حیرانی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔
کچھ لمحوں کے بعد انہوں نے اُٹھ کر کہا— "یہ تو ایک ڈرامہ سا ہی ہو گیا، ناولوں میں اکثر پڑھا تھا۔ مگر آج اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں اور کانوں سے سُن رہا ہوں۔"
کانتا نے حیرانی سے پُوچھا— "آپ کیا سُن رہے ہیں۔ کیا دیکھ رہے ہیں۔"
"تم نہیں سمجھ سکو گی کانتا!"
"کیا" کانتا نے اور بھی حیران ہو کر کہا "میں کیا نہیں سمجھ سکوں گی۔"

نگیندر بابو بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگے۔
کانتا اپنی جگہ پر بیٹھی ہوئی ان کی طرف دیکھتی رہی۔
کچھ دیر بعد اُنھوں نے نزدیک آکر کہا ـــ "کانتا! تمہارا اصلی نام چیندر لیکھا ہے نا؟"

کانتا نے کچھ لمحے خاموش رہ کر ہچکچاتے ہوئے کہا ـــ "جی! تب تو واقعی یہ ایک پیچیدہ ڈرامہ ہے۔"
کانتا حیران ہو رہی تھی۔ نگیندر بابو کی باتیں معمہ سی محسوس ہو رہی تھیں اُسے
نگیندر بابو کرسی پر بیٹھ گئے۔ آنکھیں بند کر کے اُنہوں نے کہا۔ "وُہ بدقسمت اور ظالم انسان میں ہی ہوں۔ جس سے تمہاری منگنی ہوئی تھی۔"
کانتا نے فوراً کرسی سے اُٹھ کر نگیندر بابو کے پاؤں پر اپنا سر رکھدیا اور پھُوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ نگیندر بابو کی آنکھوں سے بھی آنسو بہہ رہے تھے اُنھوں نے کانتا کو بازوؤں سے پکڑ کر اُٹھا لیا۔ اور کرسی پر بٹھاتے ہُوئے کہا ـــ "اپنی بدقسمتی پر آنسو بہانے سے کوئی فائدہ نہیں کانتا! اور پھر بدقسمتی کا دور بھی ختم ہو چکا ہے۔"
کانتا اب بھی رو رہی تھی ـــ
نگیندر بابو کہنے لگے "میں آج ہی شنکر ناتھ کو بلاتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ تمہیں قبول کرنے سے انکار نہیں کریں گے اور وُہ بڑھیا اُسے تو میں سزا دلا کر رہوں گا۔"
کانتا کانپ اُٹھی۔ اُس نے کہا "یہ نہ کرنا نگیندر بابو! اگر بڑھیا پکڑی

گئی اور مقدمہ چلا تو میں بدنام ہو جاؤں گی۔ کسی کو مُنہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گی۔"

نگیندر بابو نے کہا ۔" کیوں مُنہ دکھانے کے قابل نہیں رہو گی۔ اگر ایسی بدمعاش اور دھوکہ باز عورتوں کو نظرانداز کر دیا جائے تو یہ سماج سے بے انصافی ہو گی۔ نہ معلوم اِس عورت نے تمہاری طرح کتنی ہی دُوسری لڑکیوں کی زندگیاں برباد کی ہونگی۔"

"لیکن اگر اُنہوں نے اِسی بنا پر مجھے پناہ دینے سے انکار کر دیا تو۔"

"وُہ کبھی انکار نہیں کر سکتے" نگیندر بابو نے کہا۔" تُم انسان ہو دیوتا نہیں، اور دیوتاؤں سے بھی غلطیاں ہو جاتی ہیں اگر ایک بار غلطی ہو گئی تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ تمہارے لئے کوئی جگہ ہی نہ رہے۔"

تاہم کانتا کو یقین نہیں آتا تھا، وُہ اِس اندیشہ سے پریشان تھی، کہ جب اُس کے پتی کو معلوم ہوگا کہ کانتا "سونا گاچھی" میں رہ چکی ہے تو اُن کے دِل میں نفرت کی آگ بھڑک اُٹھے گی اور وُہ اُسے اپنانے سے انکار کر دینگے۔"

نگیندر بابو کہنے لگے ۔" اچھا کانتا تمہاری طرح کوئی اور بھی ایسی لڑکی ہے۔ جو "سونا گاچھی" سے نِکلنا چاہتی ہے"؟"

کانتا کے آنسو بہہ نکلے اور کہنے لگی ۔" نگیندر بابو! ان جگہوں پر کوئی لڑکی اپنی خوشی سے نہیں جاتی۔ لیکن جب وُہ ایک بار چلی جائے تو اس کے لئے باہر نکل آنا مشکل ہو جاتا ہے اِس لئے کوئی ایسی لڑکیوں کو پناہ نہیں دیتا۔ جو لوگ اُن سے ہمدردی کرتے ہیں وُہ بھی اُن کی مدد نہیں کر سکتے اور مدد کر لے

کا دعویٰ کرنے والے ہی اکثر سبز باغ دکھا کر انہیں کسی دوسری اُلجھن میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ اس لئے عام طور پر کوئی لڑکی باہر نکلنے کا نام نہیں لیتی اگر باہر نکل کر ایک نئے دھوکے کا شکار ہونا ہو تو کیا فائدہ۔ ایک نیا تجربہ کرنے سے؟"

نگیندر بابو نے کہا۔" اُن لوگوں کے متعلق تو یہ بات کہی جا سکتی ہے جو سونا گاچھی جیسی جگہوں پر نفسانی خواہشات پوری کرنے کے لئے جاتے ہیں۔ اگر وہ لوگ کسی لڑکی سے وعدہ کریں تو غلط ہو سکتا ہے۔ لیکن ایک شریف آدمی کبھی کسی لڑکی کو دھوکہ نہیں دیتا۔"

" مگر شریف آدمیوں کے وہاں جانے کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے"۔ کانتا نے کہا" بدکاری کے اڈوں پر وہی لوگ جاتے ہیں جو خود بدمعاش ہوتے ہیں۔ شریف آدمی تو اُس راستے پر قدم رکھنے کا نام بھی نہیں لیتے۔"

" ٹھیک کہہ رہی ہو" نگیندر بابو نے کہا" لیکن اگر کچھ شریف آدمی تہیہ کر لیں کہ وہ اِن اڈوں کو ختم کر کے ہی دم لیں گے تو ــــ"

" مجھے یقین نہیں آتا" کانتا نے کہا۔" میں نے تو دیکھا ہے کہ سماج میں جن لوگوں کی عزت کی جاتی ہے اور پاکیزگی کے مجسمے سمجھے جاتے ہیں، وہ بھی رات کی تاریکی میں دوسروں کی نگاہوں سے بچ کر طوائفوں کے اڈوں پر پہنچتے ہیں۔"

نگیندر بابو خاموش رہے۔ کچھ دیر بعد اُنہوں نے مُسکرا کر کہا

" میرے متعلق کیا رائے قائم کی ہے تم نے ــــ؟"

کانتا کے چہرے پر نسوانی حیا سے سُرخی چھا گئی۔ اُس نے کہا ــــ

" آپ تو دیوتا ہیں نگیندر بابو۔ اگر آپ جیسے دو چار اور شریف آدمی میدان

۔۔۔ میں نکل آئیں تو سینکڑوں بدقسمت عورتوں کی زندگی سنور جائے۔"

نگیندر بابو نے کہا ۔ "کانتا میں چاہتا ہوں کہ اب میں اِس کام پر توجہ دُوں۔ ایک مُدّت سے خواہش تھی کہ ان بدنصیب عورتوں کو تباہی سے بچانے کے لئے جدوجہد کروں مگر اتنے دنوں تک پیٹ کے دھندے میں مصروف رہنے کی وجہ سے توجہ نہ دے سکا۔ تمہاری داستان مجھے ترغیب دے رہی ہے کہ اب میں ان بدقسمت بہنوں کے لئے سرگرمی سے جدوجہد کروں جنہیں تقدیر تباہی کے راستے پر لے آئی ہے"۔

کانتا حیرانی سے نگیندر بابو کی طرف دیکھنے لگی۔

اور نگیندر بابو کہنے لگے ۔"بہت دِن ہوئے فسادات کے دِنوں میں تمہارے جیسی ایک عورت سے ملاقات ہوئی تھی میں چاہتا تھا کہ وہ "سونا گاچھی" کے ماحول سے نکل آئے۔ وہ میرا بے حد احترام کرتی تھی۔ اگر میں دباؤ ڈالتا تو شاید وہ اِس ذلیل ماحول کو خیرباد کہہ دیتی مگر مجھ میں اِتنی جرأت نہیں تھی، شاید اِسی لئے وہ نکل نہ سکی۔ آج"۔

اُس نے فقرا پورا نہیں کیا تھا کہ کانتا نے پُوچھا۔" وہ کون عورت تھی؟"

"رادھا" نگیندر بابو نے کہا ۔" میں جب ایک حادثہ میں زخمی ہُوا تو وہ اپنا دھندا چھوڑ کر مجھے دیکھنے کے لئے آیا کرتی تھی۔ اس کے بعد وہ اچانک لاپتہ ہو گئی۔ معلوم نہیں وہ اب کہاں ہے"۔

"کتنی عُمر تھی اُس کی؟"

"یہی کوئی پچیس چھبیس سال کی ہو گی"۔

کانتا سنجیدگی سے کہنے لگی "اگر میں غلطی نہیں کرتی تو وہ پارسی عورت ہے"۔

"جی ہاں!"

کانتا نے کہا "میرا خیال ہے کہ میں اُسے جانتی ہوں۔ اُسے سزا ہو گئی تھی، اپنے کمرے میں ایک قاتل کو پناہ دینے کے جرم میں رہا ہونے کے بعد وہ واپس آ گئی تھی۔ لیکن اس دوران میں اُس کا "بابو" اُس کا تمام سامان لے کر غائب ہو گیا تھا۔ کچھ دن وہ اسی بازار میں رہی، اس کے بعد سنتے ہیں کہ کسی سیٹھ کے ساتھ چلی گئی شاید سیٹھ سے شادی کر لی تھی"۔

"اور پھر ___؟"

"اس کے بعد کا کچھ پتہ نہیں"۔ کانتا کہنے لگی ___ "مگر مجھے یقین ہے کہ ایک نہ ایک دن وہ اس بازار میں پھر واپس آئے گی۔ جو سیٹھ اُسے اپنے ساتھ لے گیا ہے وہ اُس سے دھوکہ کرے گا اور مایوس ہو کر اُسے "سونا گاچھی" کے سوا اور کہیں پناہ نہیں ملے گی"۔

نگیندر بابو خاموش رہے۔

کچھ دیر بعد کرسی سے اُٹھتے ہوئے اُنہوں نے کہا "اگر اُسے کہیں پناہ نہ ملی تو ضروری نہیں کہ وہ "سونا گاچھی" کا رُخ اختیار کرے۔ ایسا کرنے سے پہلے اُسے ہزار بار سوچنا ہو گا اور اگر کہیں بھی جگہ نہ ملے۔ تو نگیندر کے دروازے اُس کے لئے کھلے ہوں گے"۔

نگیندر بابو کمرے میں ٹہل رہے تھے۔ ٹہلتے ٹہلتے کانتا کے نزدیک آ کر اُنہوں نے کہا "میں ایک سوسائٹی قائم کروں گا۔ اور پھر اُس کی مدد سے تمام

"سوناگاچھی" کو خالی کرا دُونگا۔ ایک بھی لڑکی کو عصمت فروشی کرنے نہیں دونگا۔ میں ایسا آشرم بناؤنگا، جہاں اِن لڑکیوں کو رکھا جائے گا۔ میں اُنہیں تعلیم کی دولت سے مالا مال کر دُونگا۔ انہیں تباہ ہوتے ہوئے میری آنکھیں دیکھ نہیں سکتیں" وُہ جذبات کے بہاؤ میں بہے جا رہا تھا۔ کانتا سب باتیں سُنتے ہُوئے خاموش تھی گویا وُہ کہنا چاہتی ہو۔ "نگیندر بابو! اگر تُم جیسے ہزار آدمی بھی یہ قدم اُٹھانے کا فیصلہ کریں تو بھی "سوناگاچھی" بند نہیں ہوگا"

مگر اُس نے یہ بات کہی نہیں۔ اپنی کُرسی پر خاموشی سے بیٹھی رہی۔

ڈسٹرکٹ کورٹ کے بار روم میں سنسنی پھیل گئی۔ ایک دن یکایک بار کے سرکردہ ممبر شری انل ناتھ ٹھاکر جی نے اخبار ایک طرف رکھتے ہُوئے کہا "تعجب ہے نگیندر بابو جیسا شریف آدمی بھی کسی لڑکی کا اغوا کر سکتا ہے؟"

ایک دُوسرے وکیل نے کہا "آج کل ہر بات ممکن ہے۔ اگر نام نہاد شریف اِنسان ان ذلیل حرکتوں سے باز آجائیں تو غنڈوں کو کون پُوچھے۔ اِنہیں لوگوں کی وجہ سے تو غنڈوں کے حوصلے بڑھ جاتے ہیں" اخباروں میں خبر شائع ہُوئی تھی:-

"پولیس نے سینڈ ہرسٹ روڈ پر ایک مکان کا تالا توڑ کر دو نوجوان لڑکیوں کو برآمد کیا ہے۔ اُنھوں نے بتایا کہ ایک روز پہلے وُہ ہوڑہ میں رات کے وقت

رکشا پر آ رہی تھیں کہ نگیندر بابو نے اپنے ایک ساتھی کی مدد سے اُنہیں پستول دِکھا کر موٹر میں بٹھا لیا۔ اور اِن کے چیخ پکار کرنے کے باوجود اس مکان میں لے گئے جہاں اُن کی عصمت دری کی گئی اور مُنہ میں کپڑا ٹھونس کر ہاتھ پاؤں رسیوں سے باندھ کر باہر سے کمرے کو تالا لگا کر صبح سویرے غائب ہو گئے۔ اِس کے بعد اُن لڑکیوں نے شور مچایا تو لوگ جمع ہو گئے اور اُنہوں نے پولیس کو اطلاع دی۔ پولیس نے لڑکیوں کو چھڑایا۔ اس سے پہلے سینڈہرسٹ روڈ کی پولیس چوکی میں ایک رکشا والے نے رپورٹ درج کرائی تھی کہ دو اشخاص موٹر سے اُتر کر دونوں لڑکیوں کو کار میں زبردستی بٹھا کر غائب ہو گئے تھے کار کا ۲۵۰۰۰ تھا۔ پولیس نے کار کے نمبر کے ذریعہ تفتیش کی۔ معلوم ہُوا کہ وہ کلکتہ کے ایک نوجوان وکیل نگیندر ناتھ کی ہے۔ پولیس نے وکیل کو گرفتار کر لیا مگر اُس کے ساتھی کا کچھ پتہ نہیں چلا۔ آج مُلزم کو عدالت میں پیش کیا جائے گا۔"

عدالت کے باہر اور اندر بھیڑ لگی ہُوئی تھی۔ سب لوگ نہایت بیتابی سے مقدمہ کی سماعت کا انتظار کر رہے تھے۔

مقدمہ کی سماعت شروع ہُوئی تو نگیندر بابو نے خود ہی لڑکیوں پر جرح کی۔ ایک لڑکی کا نام تھا، بندو کماری اور دوسری کا بیلا۔ نگیندر بابو نے پہلے بندو پر جرح شروع کی۔ اُنہوں نے پُوچھا "تمہارے باپ کا نام کیا ہے؟"

لڑکی ہچکچائی۔ اُس نے کہا "میرے باپ کے نام سے آپ کا مطلب!"

مجسٹریٹ نے لڑکی کو فہمائش کی تو اُس نے ہچکچاتے ہُوئے کہا۔ "اسمعیل خاں"

نگیندر بابو نے کہا "تم ہندو ہو مسلمان؟"

"عیسائی!"

"کیا کام کرتی ہو؟"

لڑکی پھر ہچکچائی - اُس نے کہا۔ "کچھ بھی نہیں"

"تم "سونا گاچھی" میں کملا کے پاس رہتی ہو نا!"

"جی ہاں!"

"تو عصمت فروشی تمہارا دھندا ہے"

"جی ہاں"

"مجھے جانتی ہو؟"

"جی ہاں - آپ کاننا کو "سونا گاچھی" سے لیگئے تھے!"

"کملا نے تمہیں کیا سکھایا تھا؟"

لڑکی ہچکچائی - اُس نے کہا ۔۔۔ "کملا نے مجھے کہا تھا کہ میں آپ کے خلاف بیان دوں کیونکہ آپ اُس کی دو لڑکیوں کو چھڑا کر لے گئے ہیں"

عدالت میں سنسنی پھیل گئی!!!

اِس کے بعد دُوسری لڑکی کا بیان ہُوا - اُس نے صاف صاف کہدیا کہ کملا نے ہی اُسے اِس مکان میں بند کیا تھا اور اُس نے نگیندر بابو کو پھانسنے کے لیئے یہ تمام ڈرامہ رچایا تھا - نیلا اِس کے لیئے آمادہ ہوگئی تھی - اُس نے پولیس میں بیان بھی دے دیا - لیکن اس کے بعد اس کے ضمیر نے اسے ملامت کی - اُس نے سوچا کہ ایک بیگناہ انسان کو جھوٹے مقدمہ میں پھنسانا سب سے بڑا گناہ ہے - اس لیئے اُس نے عدالت میں جھوٹ بولنے سے انکار کر دیا ۔۔۔ نگیندر

بابو باعزت بری کر دیئے گئے۔ عدالت نے بندو کمادی اور کملا کو گرفتار کرنے کا حکم دے دیا۔

اُسی شام نیلا نگیندر بابو کے آشرم میں بیان لکھوا رہی تھی۔ اُس نے جو کچھ بتایا وُہ کچھ اِس طرح تھا۔

"نیلا کو اپنے ماں باپ کا کچھ علم نہیں۔ وُہ بچپن ہی میں مر گئے تھے، وُہ کونٹھ میں اپنے بھائیوں کے پاس رہتی تھی۔ اُس کے بھائی ڈاکو تھے۔ نواحی دیہات میں ڈاکے ڈالنا اُن کا دھندا تھا۔ وُہ گرفتار ہو گئے۔ تو نیلا کی زندگی کا کوئی سہارا نہ رہا۔ گاؤں کا نمبردار اُسے بھرت پور لے گیا، جہاں اُسے ایک شخص کلوا کے پاس فروخت کر دیا گیا۔ کلوا اُسے دہلی لے گیا۔ دہلی سے آگرہ اور آگرہ سے کلکتہ میں ــــ وہ دو سال سے "سوناگاچھی" میں رہ رہی تھی۔"

نگیندر بابو نے کہا ــــ" اب کیا کرنا چاہتی ہو؟"

"کہیں شادی کرا دو۔ تاکہ آرام سے زندگی بسر کر سکوں۔ اب مَیں "سوناگاچھی" میں واپس جانا نہیں چاہتی"۔

نیلا کو آشرم کی انچارج کے حوالے کرنے کے بعد جونہی نگیندر بابو اپنی کُرسی سے اُٹھنے لگے۔ کانتا گھبرائے ہوئے لہجے میں کمرے میں داخل ہو گئی۔ وُہ ہانپ رہی تھی اور اُس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی بارش ہو رہی تھی!

"بھیا جلدی کرو۔ اُن کو غنڈوں نے زخمی کر دیا ہے" اُس نے چلّا کر کہا۔

"کیا کہہ رہی ہو؟"

"ٹھیک ہی کہہ رہی ہوں" کانتا نے روتے ہوئے کہا۔ "تم کچہری گئے تھے

کہ "سوناگاچھی" کے تین غنڈے ہمارے مکان میں داخل ہو گئے۔ مجھے زبردستی پکڑ کر گھسیٹنے لگے۔ شنکر بابو نے اُنہیں روکنے کی کوشش کی تو اُنہوں نے چھرے سے حملہ کر دیا۔ اور اُنہیں لہو لہان کر کے بھاگ گئے۔"

نگیندر بابو کانپ اُٹھے۔ اُنہوں نے کہا۔ "چلو کانتا میں چلتا ہوں۔"

کچھ دیر بعد جب نگیندر بابو شنکر ناتھ کے مکان پر پہنچے۔ تو ڈاکٹر مرہم پٹی کر کے ... لوٹ رہا تھا۔ اُس نے بتایا کہ زخم گہرا نہیں پر ماتما کی کرپا سے بچاؤ ہو گیا ہے۔"

شنکر ناتھ نے کانتا اور نگیندر بابو کو دیکھ کر کہا "نگیندر بابو! آپ کانتا کو یہاں سے لے جائیں۔"

"کیوں؟"

"میں اسے اپنے پاس رکھ کر اپنی زندگی خطرے میں ڈالنا نہیں چاہتا۔"

نگیندر بابو نے اُسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "آپ خواہ مخواہ خوف زدہ ہو رہے ہیں۔ کوئی خاوند اِس طرح کسی کے ڈر سے اپنی بیوی کو چھوڑ دیتا ہے کیا؟"

"مگر یہ میری بیوی نہیں" شنکر نے پھنا کر کہا۔ "جو عورت اِتنے دِن تک طوائف کی زندگی بسر کرتی رہی ہو۔ اُسے دوبارہ گھر میں پناہ دینا شریف آدمی کا کام نہیں"

"تو شریف آدمی کا مطلب بزدل ہوتا ہے کیا؟" نگیندر بابو نے کہا۔ "کانتا تمہاری بیوی ہے اور تمہارے پاس ہی رہے گی۔"

"یہ کبھی نہیں ہوگا" شنکر کی بوڑھی ماں نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ "اس چڑیل نے پہلے تو ہمارے خاندان کو کلنک لگایا اور اب اس گھر

میں آئی تو میرے بیٹے کی زندگی خطرے میں پڑ گئی۔ مجھے بیٹے کی زندگی چاہیئے۔ اُس کی زندگی پر ایسی سینکڑوں لڑکیوں کو قربان کیا جا سکتا ہے"

نگیندر بابو نے بڑی مشکل سے اِن لوگوں کو رضامند کیا اور وہ بھی اس شرط پر کہ شنکر اور اُس کی ماں نگیندر کے مکان پر ہی رہیں گے اور نگیندر اِن لوگوں کی حفاظت کرے گا۔

دو تین دن اسی طرح گزر گئے اور پھر ایک دن صبح سویرے نگیندر نے اُٹھ کر دیکھا تو شنکر اور اُس کی بوڑھی ماں دونوں غائب تھے۔ انہوں نے اپنا مکان بھی خالی کر دیا تھا۔ نگیندر بابو کے لئے وہ اِس کے نوکر کو رقعہ دے گئے تھے۔ اِس میں لکھا تھا۔

"نگیندر بابو! آپ کانٹوں کے راستے پر گزرنا چاہیں تو آپ کو کوئی روک نہیں سکتا۔ لیکن میں اِس راستے پر جان بوجھ کر کیوں چلوں۔ کانتا کو آپ کے دباؤ ڈالنے پر میں نے رکھ لیا تھا۔ لیکن مجھے اِس سے نفرت ہے۔ ایک عورت ایک بار طوائف بننے کے بعد دوبارہ شریف عورت کبھی نہیں بن سکتی۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ وہ طوائف نہ بنے اور آپ کو اس سے ہمدردی ہے تو اپنے گھر رکھ لیجئے۔ مگر میں اس کی شکل دیکھنا نہیں چاہتا۔"

نگیندر بابو ہکے بکے رہ گئے مگر اُنہوں نے کانتا کو چٹھی نہیں دکھائی۔ جب اُسے معلوم ہوا تو اُس نے سنجیدگی سے کہا۔

"میں نہ کہتی تھی نگیندر بابو کہ آپ کے سماج میں ایک مظلوم عورت کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ جب خاوند اُسے پناہ دینے سے انکار کر دے اور اُسے کوئی

دُوسرا پناہ دینا چاہے تو بھی نہیں دے سکتا۔ عورت کی زندگی اپنے خاوند سے ہے، اگر وہ اُسے مُنہ نہ لگائے تو اُس کے لئے موت کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں"
نگیندر بابو کو آج اپنی زندگی میں سب سے بڑا صدمہ پہنچا تھا۔ کانتا نے ایک تلخ سچائی کا اظہار کیا تھا — "آپ کے سماج میں ایک مظلوم عورت کے لئے کوئی جگہ نہیں"۔ کانتا کے یہ الفاظ اُس کے کانوں میں گونج رہے تھے۔

"مجھ پر بھروسہ رکھو کانتا" نگیندر بابو نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا" زندگی جدوجہد کا دوسرا نام ہے جو اِنسان مشکلات سے گھبرا کر حوصلہ چھوڑ دے، وُہ انسان کہلانے کا مستحق نہیں۔ شنکر کی دھوکا دہی نے ہمارے سامنے ایک اور پیچیدہ مسئلہ رکھ دیا ہے، ہمیں ہر حالت میں اس کو حل کرنا ہوگا"

"یہ مسئلہ کسی طرح حل نہیں ہو سکتا نگیندر بابو" کانتا نے افسردہ لہجے میں کہا" آپ کے حکم کی تعمیل کر کے مَیں نے اُس دُنیا کو چھوڑ دیا تھا جس میں نفرت کے باوجود مَیں رہ رہی تھی۔ لیکن جس اِنسان کو مَیں نے اپنی زندگی کا سہارا سمجھا تھا، وہ ہی مجھ سے نفرت کرتا ہے تو میرے لئے اِس سنسار میں کوئی جگہ نہیں ہو سکتی۔"

نگیندر بابو نے چونک کر کہا — "تو کیا سوچ رہی ہو تُم؟"

"کچھ بھی نہیں"

ایک لمحہ خاموش رہنے کے بعد اُس نے کہا — "نگیندر بابو سوچتی ہوں کہ بھگوان نے عورت ذات کو بنایا ہی کیوں تھا۔ وہ جس گھر میں پیدا ہوتی اُس کی دیواریں پہلے روز ہی کانپنے لگ جاتی ہیں شادی ہونے تک وُہ ماں باپ

اور بھائیوں کی غلام ہو کر رہتی ہے۔ شادی ہو جائے تو خاوند اُسے اپنی غلامی میں رکھتا ہے۔ بچّے پیدا ہو کر بڑے ہوں، تو وہ بھی اسے غلام بنا لیتے ہیں۔ وہ حسین سہی، اُس کے الفاظ کے ترنم کی تعریف بے شک ہو لیکن اُس کی حیثیت پنجرے میں بند ایک ایسے خوبصورت پرندے کی سی ہوتی ہے، جس کی خوبصورتی دوسروں کے لئے ہے، جس کے گیت دوسروں کے لئے ہیں، مگر اُس کی اپنی قسمت میں قید کے سوا کچھ بھی نہیں لکھا۔"

نگیندر بابو نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ کانتا خاموش ہو گئی۔ چند لمحوں تک خاموشی چھائی رہی، اس کے بعد نگیندر نے کہا "کانتا مجھ سے وعدہ کرو کہ تم انتہائی مایوس ہو کر بھی "سوناگاچھی" کی فضا میں کبھی جانے کا نام نہیں لوگی۔"

کانتا کچھ سوچ رہی تھی، اُس کے تصوّرات کی دُنیا میں ماضی کے کتنے ہی منظر گھوم رہے تھے۔ اُن دنوں کے منظر بھی، جب وہ پہلی بار "سوناگاچھی" میں پہنچی تھی۔ جب وہ بچوّں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی، جب اُس نے غیر مرد سے بات چیت کرنے سے انکار کر دیا تھا اور وہ بھی جب اُس نے اپنے آپ کو دُنیا مافیہا سے الگ تھلگ کر کے مخصوص انداز میں رقص کرنا شروع کر دیا تھا۔ جب وہ ہر ایک چاہنے والے کو بے وقوف سمجھ کر اُسے دھوکا دیتی اور خوش ہوتی اور پھر جب اُسے بسوؔاس کی نوجوانی پر رحم آیا تھا، اور نگیندر بابو کے اشارے پر "سوناگاچھی" کی فضا کو چھوڑ کر نکل آئی تھی۔

نگیندر کی آواز سُن کر وُہ چونک اُٹھی تھی، اُس نے کہا "آپ سے وعدہ کر چکی ہوں، دوبارہ "سوناگاچھی" کا رخ اختیار کرنے کا سوال ہی پیدا

نہیں ہوتا۔ لیکن اور کہاں جاؤں گی۔ میرے ذہن میں اِس سوال کا جواب ہی نہیں آتا۔ میں تو تاریکی میں بھٹک رہی ہوں۔"

"اِنسان کو تاریکی میں روشنی کی کرنوں کی تلاش جاری رکھنی چاہیئے"

"مگر وہ کرنیں ہیں کہاں؟"

نگیندر بابُو نے اِسی طرح سنجیدگی سے کہا ـــ "کانتا! تاریک رات کے بعد ہمیشہ روشن صُبح آتی ہے۔ جب سے دُنیا بنی ہے۔ نہ جانے کب سے ـــ لاکھوں کروڑوں برسوں سے قُدرت کا یہ چکر چلتا ہی آیا ہے۔ اِس لئے یہ ناممکن ہے کہ اَب تاریکی کے بعد روشنی نہ آئے۔"

کانتا طنزاً مُسکرا دی۔

نگیندر یہ بات بھانپ گیا تھا۔ اُس نے کہا ـــ "انسان جِس چیز کے لئے سچے دِل سے فیصلہ کرتا ہے وُہ اُسے ایک نہ ایک دِن تو ضرور مِل جاتی ہے۔"

کانتا نے کہا ـــ "آپ کو میں انسان کے لباس میں بھگوان سمجھتی ہُوں، اپنا دِل چیر کر دِکھا سکتی تو ضرور دکھاتی۔ لیکن سوچتی ہُوں کہ کیا بھگوان اپنے بھگتوں کی پرارتھنا کبھی قبول بھی کرتا ہے"

"ضرور قبول کرتا ہے۔" نگیندر نے اُس کی طرف دیکھ کر قدرے بلند آواز میں کہا۔ "ضرور قبول کرتا ہے کانتا! جب سچّا پریم ہو، سچی شردھا ہو، اور صدق دِل سے تپسیا کی جائے۔ تو بھگوان ضرور پرسنّ ہوتے ہیں۔"

وُہ پھر مُسکرا دی۔ کہنے لگی ـــ "ایک بات پُوچھوں نگیندر بابُو، بتاؤ گے؟"

"پُوچھو ـــ" اُس نے حیرانی سے کہا۔

"آپ بھگوان کو مانتے ہیں؟"
نگیندر بابو بھی مُسکرا دیا۔ اُس نے کہا — "کیوں! تمہیں مجھ پہ شک کیوں ہوا؟"
"شک کی کوئی خاص بات تو نہیں" کانتا کہنے لگی "سوچتی تھی کہ آج کل پڑھے لکھے لوگ، خاص طور پہ ڈاکٹر، پروفیسر، لیڈر اور وکیل بھگوان کو نہیں مانتے، اِس لئے سوچا تھا کہ شاید —"
نگیندر بابو ہنس پڑے کہنے لگے — "پگلی کہیں کی! کیسی کیسی باتیں سوچتی ہے۔ پڑھے لکھے لوگوں کو بہت سے لوگ ناستک سمجھتے ہیں۔ وہ ظاہرا طور پہ بیشک ناستک ہی ہوں مگر انسان سے اُن کی محبت پرماتما کی محبت سے بھی بلند اور صدقدلی پہ مبنی ہوتی ہے۔ پرماتما کے نام نہاد بھگت پرماتما کے نام پہ جو اندھیر گردی کرتے ہیں اُن کا اِن لوگوں سے دُور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔ وُہ بے شک مُورتیوں کے سامنے ہاتھ نہ جوڑیں مگر زندہ مُورتیوں کے سامنے ضرور جھکتے ہیں۔"
کانتا نے ایک گہرا ٹھنڈا سانس لیا۔ اِس کے بعد وہ کہنے لگی —
"نگیندر بابو! کیا عورت کے لئے یہ لازمی ہے کہ اگر اُس کا خاوند اُس سے نفرت کرے، اُس سے کتّوں سے بھی بدتر سلوک کرے تو عورت کے لئے بھگوان کا حکم ہے کہ وُہ اُس کے لئے اپنی زندگی برباد کر دے"
"نہیں" نگیندر بابو نے کہا "میں ایسے دھرم کو نہیں مانتا۔"
کانتا سنجیدگی سے بیٹھی رہی۔ اِس کے بعد اُس نے کہا — "اگر وہ عورت نئے سرے سے زندگی بسر کرنا چاہے تو —"
"بسر کرے" نگیندر بابو نے کہا "دیکھو کانتا! میں فضول باتوں پہ وشواس

نہیں رکھتا۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ ایسی حالت میں اگر ممکن ہو تو عورت کو دوسری شادی کر لینی چاہئے۔"

"کہاں ——؟"

"جہاں اُسے محبت ہو۔ یا جہاں اُسے پناہ مل سکے۔"

"اگر وُہ بھی دھرم اور ایشور کا نام لے کر اُس سے نفرت کرے تو"

"میں ایسے انسان کو ذلیل سمجھتا ہوں۔"

کانتا کو یوں لگا، گویا اس کے سامنے نگیندر بابو کی صورت میں ساکھشات بھگوان کھڑے ہوں۔ اُس کا سر عقیدت سے جُھک گیا۔ دِل ہی دِل میں خاموشی سے اُنہیں پرنام کرنیکے بعد اُس نے کہا ——"نگیندر بابو! کیا انسان بھی اپنے پرماتما کو پا سکتا ہے۔"

"کیوں نہیں" نگیندر بابو نے کہا ——"اِنسان سچے دِل سے دُنیا کی جو چیز بھی حاصل کرنے کی کوشش کرے مِل سکتی ہے"۔

"اچھی بات ہے"۔ کانتا نے اپنے رُخساروں پر سے آنسو پونچھتے ہوئے کہا "اب مجھے روشنی کی ایک کِرن نظر آ رہی ہے۔ مَیں اُسی پرماتما کی بھگتی کرونگی، اُسے حاصل کرنے کے لئے ہی جدوجہد کروں گی، نگیندر بابو مجھے آشیرواد دوگے؟"

نگیندر بابو نے ہنس کر کہا ——"اگر میرا آشیرواد کوئی معنی رکھتا ہے، تو وُہ تمہیں ہر وقت حاصل ہے۔"

کانتا نے جُھک کر اُس کے پاؤں کو ہاتھ لگا لیا، اور پھر وہی ہاتھ اپنی آنکھوں کو لگا کر کہنے لگی ——"مَیں یہی چاہتی تھی۔ میری ایک منو کامنا تو پوری ہو گئی۔"

کئی دِن بعد ڈھاکہ کے بازارِ حُسن میں ایک مکان کی دوسری چھت پر مے نوشی کی ایک محفل منعقد تھی۔ ایک تکیئے کے سہارے ایک نوجوان پولیس افسر کی وردی پہنے آرام سے بیٹھا تھا۔ اُس کے ایک ہاتھ میں وِسکی کا گلاس تھا اور دُوسرے ہاتھ سے اپنی مُونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے اُس نے اپنے سامنے بیٹھی ہوئی طوائف سے کہا ــــ "کون ہے وُہ بدمعاش جو تمہیں پریشان کر رہا ہے؟"

طوائف نے جس کا نام غالباً چندرا تھا، ناک سیکڑ کر کہا ــــ "حضور کلکتہ سے آیا ہے، وکالت کرتے کرتے نہ جانے کیا سُوجھی کہ ہم غریبوں کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گیا ہے!"

چندرا کے ساتھ ہی بیٹھے ہوئے بوڑھے نے سارنگی اُٹھا کر پھر فرش پر رکھتے ہوئے کہا ــــ "حضور! مصیبت تو یہ ہے کہ ڈھاکہ کے کچھ مسلمان بھی اس کافر کا ساتھ دے رہے ہیں۔ اپنی لڑکی ہے نا حمیدہ! اس کے لئے وارنٹ لئے ہوئے ہیں۔ مجسٹریٹ بھی اُن کی مدد کر رہا ہے۔"

"سالا کہیں کا۔" پولیس افسر نے وِسکی کا پیگ مُنہ میں انڈیل کر مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے کہا۔ "وارنٹ لے لیا تو کیا ہُوا۔ تعمیل تو ہمارے بغیر نہیں ہو سکتی۔ مطمئن رہو میاں صاحب! خدا کی بھی مجال نہیں کہ حمیدہ کو تم سے چھین لے۔"

بس آپ کی دعا سے ہی تو ہم لوگ جی رہے ہیں" چندرا نے کہا "ورنہ بدمعاش لوگوں نے تو ہمیں کب کا ختم کر دیا ہوتا۔"

بوڑھے نے انسپکٹر صاحب کے گلاس میں وسکی کا ایک اور پیگ ڈالا۔ اُس نے جھومتے ہوئے کہا "کہاں ہے حمیدہ ذرا بلاؤ تو اُسے۔"

بوڑھے نے آواز دی "حمیدہ، او حمیدہ، بیٹی ذرا اِدھر تو آؤ۔"

اتنے میں بغل کے کمرے سے پندرہ سولہ سال کی گورے سے رنگ کی پتلی سی لڑکی چوڑی دار پاجامہ، پھولدار ریشمی قمیض اور باریک سادہ پٹہ اوڑھے ہوئے شرماتی ہوئی باہر نکلی۔ چندرا کے نزدیک آکر اُس نے کہا "کیا ہے موسی۔"

"انسپکٹر صاحب نے یاد فرمایا ہے۔" کہتے ہوئے اُس کے سر کو چوم کر چندرا نے کہا "یہی اپنی بیٹی ہے حضور! بڑے لاڈ پیار سے پالا ہے اور اب یہ بدمعاش لوگ اِسے بھگا لے جانا چاہتے ہیں، حضور! اگر آپ نے توجہ نہ دی اور یہ لوگ کامیاب ہو گئے تو میں زہر کھا کر مر جاؤں گی۔"

شرابی انسپکٹر نے اُس کی باتوں پر توجہ نہ دیتے ہوئے کہا "چھوکری ہے تو خوبصورت! کتنے میں خریدی تھی۔"

چندرا کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ اُس نے ہچکچاتے ہوئے کہا "حضور یہ تو میرے پیٹ سے پیدا ہوئی ہے۔"

حمیدہ چندرا سے لپٹ کر سکڑی ہوئی بیٹھی تھی۔ انسپکٹر نے شراب کا ایک گھونٹ حلق سے اُتارا اور کھکھلا کر کہنے لگا "مکّار کہیں کی۔ پانی میں

رہ کر مگر مجھ سے بیر۔ کہاں یہ چھوکری اور کہاں تم! دونوں کا رنگ ایک دوسرے سے مختلف، عمر میں تمہاری پوتی معلوم ہوتی ہے اور تم کہہ رہی ہو کہ میرے پیٹ سے پیدا ہوئی ہے۔"

قسم کھا کر کہتی ہوں حضور!"

"بکواس کر رہی ہو" انسپکٹر نے نشے میں جھومتے ہوئے کہا اور پھر حمیدہ سے مخاطب ہو کر اُس نے کہا ـــ "ذرا اِدھر تو آؤ چھوکری۔"

حمیدہ خوف زدہ ہو رہی تھی، چندرا کانپ رہی تھی ڈر سے، اور انسپکٹر صاحب نے کڑک کر کہا ـــ "اِدھر آؤ۔"

چندرا کا اشارہ پا کر حمیدہ جھجکتی اور ڈرتی ہوئی آگے بڑھی۔ انسپکٹر نے کہا ـــ "یہاں بیٹھ جاؤ۔"

وُہ بیٹھ گئی ـــ

انسپکٹر نے کہا ـــ "خوبصورت تو بہت ہو مگر کچھ گانا بھی جانتی ہو کیا؟"

چندرا نے آگے بڑھ کر مسکراتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "حضور یہ تو محض گاتی ہے۔ اسی مقصد کے لئے اسے دو سال سے اُستاد جی تربیت دے رہے ہیں۔"

اور پھر حمیدہ کی طرف دیکھتے ہوئے اُس نے کہا ـــ "بیٹی ذرا انسپکٹر صاحب کو گا کر تو سناؤ۔ کوئی اچھی سی چیز"

حمیدہ کے چہرے پر نسوانی حیا چھا گئی۔ اُس نے ایک بار چندرا کی طرف دیکھا اور پھر بڈھے اُستاد کی طرف اور پھر سر جھکا کر گانے لگی۔

انسپکٹر نے کہا ـــ "اسے کوئی بھڑوا نہیں لے جا سکتا چندرا ـــ خدا پاک کی قسم! یہ تمہارے پاس ہی رہے گی۔"

"حضور کا شکریہ" چندرا نے جھک کر سلام کرتے ہوئے کہا "آپ جیسے ایماندار اور شریف افسروں کی بدولت ہی تو لوگ زندگی کے سانس لے رہے ہیں، ورنہ کوئی"

"بدمعاش افسر ہوتا تو اسے برآمد کر کے اُس وکیل کے حوالے کر دیتا"

انسپکٹر نے فقرہ پورا کرتے ہوئے ...... زور سے قہقہہ بلند کیا اور کہا "یہی کہنا چاہتی ہونا۔ جو افسر تم لوگوں کو فائدہ پہنچائے۔ وہ شریف اور جو ایمانداری سے کام لے وہ بددیانت اور بدمعاش!"

چندرا خاموش رہی۔ بوڑھا سارنگی والا کھسیانی ہنسی ہنسنے لگا۔

انسپکٹر نے رومال سے منہ پونچھا اور کہنے لگا "دیکھو! ہماری شرافت کی قیمت ادا کرنا پڑے گی"

چندرا نے کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے خوشامد کے لہجے میں کہا —

"حضور! ہم تو آپ کے غلام ہیں"

"فقط غلام کہنے سے کام نہیں بنے گا" انسپکٹر نے کہا "عام طور پہ حمیدہ جیسی لڑکی کس قیمت پہ مل جاتی ہے"

چندرا شاید اس سوال کا مطلب بھانپ گئی تھی۔ اُس نے کہا "حضور ہم لڑکیوں کی خرید و فروخت کا کام نہیں کرتے، اپنے پاس تو تین ہی لڑکیاں ہیں ایک حمیدہ اور دو اس کی موسی کی لڑکیاں"

انسپکٹر کو غصہ آ گیا۔ اُس نے کہا — "اچھا تو حمیدہ کا اصلی نام سیتا دیوی نہیں کیا؟"

"حضور کیا فرما رہے ہیں آپ" چندرا نے چونک کر کہا۔

"ٹھیک کہہ رہا ہوں" انسپکٹر نے کہا — "اس کے باپ کا نام ہے سومناتھ اور ماں کا نام ہے کرن — ایک سال ہُوا تم اسے لاہری بابو کے ذریعہ بھگا کر لائی تھیں۔ کیوں ان میں سے ایک بات بھی غلط ثابت کر سکتی ہو؟"

چندرا کے سر پہ گویا گھڑوں پانی پڑ گیا تھا — وہ خاموش رہی۔ اُس کی خاموشی کا مطلب یہ تھا کہ انسپکٹر نے جو کچھ کہا تھا۔ وہ سو فی صدی درست تھا۔

انسپکٹر نے کڑک کر کہا — "اب بتلاؤ کتنے میں خریدا تھا اِسے"

چندرا نے سر جھکاتے ہوئے کہا "ڈیڑھ سو روپیہ میں!"

"جھوٹ ہے" انسپکٹر نے کہا "تم نے اسے تین سو روپیہ میں خریدا تھا۔ حمیدہ تمہارے پاس رہ سکتی ہے بشرطیکہ اِسی وقت چھ سو روپیہ ادا کر دو۔ ورنہ حمیدہ کو ابھی گرفتار کر کے لئے جاتا ہوں" اور اُس کے ساتھ ہی تمہیں بھی جیل جانا ہوگا۔"

چندرا نے ہاتھ جوڑ کر کہا "حضور!"

انسپکٹر نے گرج کر کہا "حضور کی بچّی! تم سمجھتی ہو کہ ہمیں کچھ بھی پتہ نہیں ہوتا۔ جب تم اس چھوکری کو یہاں لائی تھیں۔ ہمیں اُسی وقت معلوم ہو گیا تھا۔ اور پھر ہم لوگوں سے اِس بازار کا کونسا راز چھپا ہُوا ہے۔ ابھی تو تم حمیدہ کے متعلق دھوکا دے رہی تھیں، مگر ہمیں تو تمہاری دُوسری دونوں لڑکیوں کا راز بھی معلوم ہے۔ اچھا جلدی کرو، چھ سو روپیہ لاؤ ورنہ تینوں لڑکیاں منٹوں کے اندر یہاں سے نکال لی جائینگی"

چندرا کی حالت تو ایسی تھی کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں، اُس کا تمام نشہ ہرن ہو گیا تھا۔ اُس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

حمیدہ کو چلے جانے کا اشارہ کرتے ہوئے اُس نے اپنے آپ کو انپکٹر کے قدموں پر گرا دیا۔

انسپکٹر نے اُسے ٹھوکر لگاتے ہوئے کہا "اِن باتوں سے کچھ نہیں بنے گا، روپیہ لاتی ہو یا نہیں؟"

"لاتی ہوں حضور" اُس نے رونے کے سے انداز میں کہا "حمیدہ اس کے بعد تو میرے پاس ہی رہے گی نا"

"ضرور" انسپکٹر نے کہا "ہمارے دم سے ہی تو یہ سارا بازار چل رہا ہے۔ اگر تم لوگ ہم سے دھوکا بازی نہ کیا کرو، تو خدا کی قسم کسی کی کیا مجال کہ ایک لڑکی کو بھی نکال سکے۔"

چندرا اپنی جگہ سے اُٹھی۔ کمرے کے اندر جا کر سیف سے نوٹوں کا ایک پلندہ نکالا اور واپس آکر انسپکٹر کے حوالے کرتے ہوئے اُسکے پاؤں کو ہاتھ لگا کر بولی۔ "حضور، اب تو خطرے کی کوئی بات نہیں نا؟ حکم ہو تو لڑکی کو کسی محفوظ مقام پر پہنچا دوں۔"

انسپکٹر خاموش ہو گیا۔ نوٹوں کو احتیاط سے کوٹ کے اندر کی جیب میں ڈال کر اُس نے وِسکی کا ایک اور پیگ لیا اور کہنے لگا "چندرا! تم لوگ ہماری مشکلات کا احساس نہیں کرتے۔ ڈپٹی صاحب کا حکم تھا، ورنہ تم سے ایک پھوٹی کوڑی بھی طلب نہ کرتا۔ ہم لوگ تو بڑے افسروں کے بندے ہیں۔ ڈپٹی صاحب نے حکم دیا تھا۔ اِس لئے آج یہاں آیا۔"

اور پھر وِسکی کے ایک دو گھونٹ حلق سے اُتارنے کے بعد اُس نے کہا

"اور ہاں دیکھو لڑکی کو ہمارے کوارٹر پر بھیج دو۔ رات کو چھاپہ مارنے کے لئے آؤں گا تو یہاں کچھ بھی نہیں ملے گا۔ تمہارا کام بھی پورا ہو جائے گا اور ہم لوگ بھی اپنے فرض سے سبکدوش ہو جائیں گے"۔

چندرا نے اطمینان کا سانس لے کر کہا۔ "ٹھیک ہے حضور"۔

انسپکٹر نے اپنی مختصر سی مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے کہا۔ "کہو تو اس بدمعاش وکیل کو پٹوا دوں یا کسی مقدمہ میں پھنسا دوں"۔

چندرا کا خوشی سے چہرہ کھل اٹھا۔ اس نے کہا۔ "وہ تو اگر حضور چشم پوشی کریں تو ہمارے آدمی ہی اس بدمعاش کو چھٹی کا دودھ یاد دلانے کے لئے کافی ہیں"

"تو پیٹ دو نا اسے"۔ انسپکٹر نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "مگر اس بازار میں نہیں کسی دوسری جگہ"۔

یہ کہہ پتلی سی چھڑی گھماتے ہوئے اس نے احتیاط کے طور پر نوٹوں والے جیب کو ٹٹولا اور یہ کہہ کر سیڑھیوں سے اتر گیا کہ "کچھ دیر بعد میں اردلی کو بھیجوں گا، لڑکی کو برقعہ پہنا کر اس کے ساتھ بھیج دینا اور ہاں وسکی کی دو بوتلوں کا انتظام ضرور ہو جائے۔ شاید رات کو ڈپٹی صاحب تشریف لائیں"۔

اسی شام تھانہ میں انسپکٹر صاحب اپنی مختصر سی مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے کہہ رہے تھے۔ "تو صاحب آپ کو کسی نے غلط اطلاع دی۔ اگر سیتا دیوی یہاں ہوتی تو میں اسے زمین سے کھود کر بھی نکال لاتا"۔

سامنے کی کرسی پر نگیندر بابو بیٹھے تھے۔ انہوں نے کہا۔ "تعجب ہے! دوپہر کو تو ہمارے آدمی بھیس بدل کر اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ آئے تھے"۔

"اُن کی اطلاع غلط معلوم ہوتی ہے۔" انسپکٹر نے کہا۔ "خُدا کی قسم!
"یہ ناممکن ہے کہ دوپہر کو لڑکی موجود ہو اور شام کو غائب ہو جائے۔ مَیں نے اطلاع ملتے ہی مکان کے اِردگرد سی۔ آئی۔ ڈی کا پہرہ لگا دیا تھا۔"

"مگر میری اطلاع ہے کہ کچھ دیر پہلے ایک آدمی اس لڑکی کو مکان سے باہر لے گیا تھا۔" نگیندر نے کہا۔

"نہیں صاحب یہ ناممکن ہے۔" انسپکٹر نے سنجیدگی سے کہا۔ "پولیس کی آنکھیں آپ لوگوں سے زیادہ دُور نہیں ہیں۔ اگر سیتا دیوی کو کوئی غائب کرنے کی کوشش کرتا تو اُسے گولی سے اُڑا دیا جاتا۔"

نگیندر بابو خاموش ہو گئے۔ اِن باتوں کا جواب ہی نہیں تھا اُن کے پاس۔ اُنہوں نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "تو ہماری دَوڑ دھوپ اکارت گئی!"

"نہیں صاحب اکارت کہاں گئی" انسپکٹر نے کہا۔ "مَیں نے اپنے آدمیوں کو سختی سے ہدایت کر دی ہے۔ جونہی لڑکی کا پتہ لگا۔ فوراً برآمد کر کے آپ کے حوالے کر دی جائے گی۔"

نگیندر بابو شکریہ ادا کر کے باہر نکلے لیکن جونہی تھانہ سے باہر نکل کر اپنے ہوٹل میں پہنچے۔ ہوٹل کے مینجر نے اُنہیں اپنے کمرے میں بُلا کر ایک اجنبی نوجوان کے سامنے لے جا کر کہا۔ "یہی ہیں نگیندر بابو"

نوجوان نے تحکمانہ انداز سے اُن کی طرف گھور کر دیکھتے ہُوئے کہا۔

"آپ کلکتہ سے آئے ہیں؟"

"جی ہاں"

"آپ وہاں وکالت کرتے ہیں"۔

"جی ہاں"

"خوب" نوجوان نے گھورتے ہوئے کہا ــــ "یہ دھندا کب سے اختیار کر رکھا ہے"۔

نگیندر بابو نے حیران ہو کر کہا "کیا کہہ رہے ہیں آپ! آپ کون ہوتے ہیں"۔

نوجوان ہنس دیا۔ ہوٹل کے مینجر نے کہا ــــ "نگیندر بابو! پولیس سی آئی ڈی کے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ"

نوجوان نے ایک ٹک نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا ــــ "ہمارے پاس وارنٹ ہے تمہارے کمرے کی تلاشی لینے کے لئے ہم لوگ آئے ہیں"۔

نگیندر نے چونک کر کہا ــــ "آیئے"

نوجوان نے سگار کا کش لگایا۔ اور یہ حکم دیتے ہوئے کہ "چلو" کمرے سے باہر نکل گیا۔ نگیندر اس کے پیچھے چل رہا تھا۔ ہوٹل کا مینجر اس کے ساتھ تھا۔ چند قدموں کے فاصلے پر برآمدے سے مڑ کر نگیندر بابو کا کمرہ تھا۔ اُس کے باہر پولیس کے تین چار باوردی سپاہی کھڑے تھے۔ افسر کے حکم سے نگیندر نے تالا کھولا۔ پولیس کے آدمیوں نے تلاشی لینی شروع کی۔ اچانک نگیندر کے میز کی دراز سے ایک بنڈل اٹھاتے ہوئے ایک سپاہی نے کہا ــــ "حضور یہ ہے کوکین"

نگیندر کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی، اُس نے کہا "یہ شرارت ہے۔ سازش کی گئی ہے"۔

افسر نے اُسے زور سے تھپڑ رسید کرتے ہوئے کہا ــــ "ٹھیک ہے!

شرارت اور سازش ہی تو ہے۔ جیل میں جاؤ گے تو سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔"
یہ کہہ کر اُس نے نگیندر کی طرف گھور کر دیکھا اور سپاہیوں کو حکم دیا "بدمعاش کو ہتھکڑی لگا لو۔"

دوسرے سپاہی نے نگیندر کا سرہانہ اُٹھا کر دیکھا۔ ایک ریوالور پڑا تھا۔ اُسے اُٹھا کر افسر کے سامنے پیش کرتے ہوئے اُس نے کہا
"حضور! ریوالور بھی ہے۔"
افسر نے کڑک کر کہا "اِس کا لائسنس"
"یہ ریوالور میرا نہیں۔" نگیندر نے سٹپٹا کر کہا۔
"تو تمہارے باپ کا ہو گا۔" افسر نے کڑک کر کہا اور پھر ہوٹل کے منیجر کی طرف دیکھتے ہوئے اُس نے کہا "نہایت خطرناک آدمی معلوم ہوتا ہے۔ خدائے پاک کا شکر ہے کہ وقت پر اطلاع مل گئی ورنہ نہ جانے کونسی مصیبت کھڑی ہو جاتی۔"
"ظاہرا طور پر تو شریف معلوم ہوتا ہے۔" منیجر نے کہا۔
"ایسے شریف آدمی ہی تو خطرناک ثابت ہوتے ہیں۔" افسر نے کہا "یہ تو میرے آدمیوں کی پھرتی ہے کہ وہ عرصہ سے اُس کا پیچھا کر رہے تھے، اور ہاں ریوالور کی برآمدگی کا مطلب تو یہ ہے کہ شہر میں اس بدمعاش کا کوئی نہ کوئی ساتھی بھی موجود ہے۔ اس وقت تو یہ شخص کچھ نہ بتائے گا۔ لیکن جب تھانے میں پل کر جوتے پڑیں گے۔ تو تمام راز اُگل دے گا۔"

آنے والے خوفناک لمحوں کا تصور کر کے نگیندر بابو کی روح تک کانپ اُٹھی۔ اُنہیں بخوبی علم تھا۔ کہ اس علاقہ میں پولیس والے جس شخص پر ایک

دفعہ ہاتھ ڈال لیں، اُس سے کیا سلوک کرتے ہیں۔

حوالات اور بھری گرمیوں کے دنوں میں ڈھاکہ کی حوالات — جگیندر بابو کو زندگی میں پہلی مرتبہ معلوم ہُوا کہ پولیس کی قید میں آئے ہُوئے ایک انسان کی کیا حالت ہوتی ہے۔

بارہ فٹ لمبے اور دس فٹ چوڑے اس گندے کمرے میں جن کی دیواریں رات کی تاریکی میں بھی گرمی اُگل رہی تھیں، دو اور قیدی بھی تھے۔ ان میں سے ایک کا نام تھا عبدالشکور اور دوسرے کا عبدالمجید۔ اوّل الذکر جیب تراشی کے الزام میں گرفتار کیا گیا تھا۔ عبدالمجید کے خلاف خون کا الزام تھا۔ حوالات یا جیل میں اکٹھے ہونے والے ملزم بے شک ایک دوسرے سے الگ رہنے کی خواہش کریں مگر مشترکہ مصیبت اُنہیں خود بخود ایک دوسرے کے نزدیک لا دیتی ہے۔ اسی جذبہ نے عبدالشکور اور عبدالمجید کو اپنی رام کہانی ظاہر کرنے کی ترغیب دیدی۔ عبدالشکور ایک خوش پوش نوجوان تھا، سلہٹ کا رہنے والا، اُس نے کہا —
"میں بے گناہ ہُوں"

"بے گناہ ہو تو پکڑے کیوں گئے؟" عبدالمجید نے پُوچھا

"اِس لئے کہ میں بے گناہ ہُوں۔" اُس نے سنجیدگی سے کہا۔

یہ جواب سنسنی خیز تھا۔ عبدالشکور نے ایک قہقہہ بلند کیا۔ اس کے بعد

اُس نے کہا ۔" صاحب! یہ پولیس والے بھی عجیب اِنسان ہیں ۔جب تک مَیں جیب تراشی کرتا رہا گرفتار نہیں ہُوا ۔اگر کسی نے موقعہ پر پکڑ کر پولیس کے حوالے کر دیا تو بھی دوسرے تیسرے دن رہا ہو جاتا تھا ۔لیکن اب جبکہ میں نے جیب تراشی سے توبہ کر لی، پولیس نے مجھے گرفتار کر لیا ۔سوچتا ہُوں کہ کیا کروں رہائی حاصل کرنے کی ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ پھر سے جیب تراشی شروع کر دُوں؟"

عبدالشکور کی باتوں میں ایک راز تھا ۔یہ راز اُس نے خود ہی بیان کر دیا۔

اُس نے کہا" صاحب! یہاں تو پولیس کے پاس جیب تراشوں، قمار بازوں، کوکین بیچنے والوں اور بردہ فروشوں کی مکمل فہرستیں موجود ہیں ۔ہر حلقہ کی پولیس کا انچارج ہر مجرم سے باقاعدگی سے خراج وصول کرتا ہے، عام طور پر یہ خراج ہر مہینے وصول کیا جاتا ہے اگر کوئی شخص انکار کر دے ۔یا اُس بدعت سے توبہ کر کے پُرامن زندگی بسر کرنے کا فیصلہ کرے، تو پولیس اُسے فوراً مجرم قرار دے کر گرفتار کر لیتی ہے، اِس لئے سوچتا ہُوں کہ پھر سے جیب تراشی شروع کر دُوں ۔ورنہ مجھے دھمکی دی گئی ہے، کہ اس بار تین سال کے لئے جیل میں جانا پڑے گا ۔"

عبدالشکور کی بات دُرست تھی یا نہیں ۔مگر عبدالحمید کو فوراً یقین آ گیا۔ اُس نے نگیندر بابو کی طرف دیکھتے ہُوئے کہا ۔" بابو بات تو سچی ہے ۔دو سال پہلے مَیں بھی پولیس میں کام کرتا تھا اور دُوسرے کاموں کے علاوہ میرا ایک فرض یہ بھی تھا کہ مَیں اپنے حلقہ کے جواریوں اور کوکین فروشوں سے اپنے انچارج کے لئے ہر ہفتہ روپیہ وصول کروں ۔"

" تو پھر تم نے یہ ملازمت چھوڑ کیوں دی"! نگیندر بابو نے کہا۔

عبدالحمید نے گہری ٹھنڈی سانس لے کر کہا — "یہ تقدیر کا معاملہ ہے ۔میری بدقسمتی تھی ۔سپیشل پولیس کے ایک افسر نے چھاپہ مارا ۔رشوت انچارج نے لی تھی مگر گرفتار مجھے کر لیا گیا ۔انچارج نے مدد کا وعدہ کیا تھا ۔اس لئے مَیں نے اُسے پھنسانے کی کوشش نہ کی ۔مقدمہ میں رہا تو ہو گیا مگر شبہ کی وجہ سے ملازمت سے جواب مل گیا۔"

اس کے بعد اس نے جو کچھ بتایا وہ اور بھی سنسنی خیز تھا، اخلاقی گراوٹ کی انتہا ۔عبدالحمید نے ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی بہتیری کوشش کی مگر ناکام رہا، البتہ پُرانی واقفیت موجود تھی ۔پولیس میں آنا جانا تھا ۔نئے انچارج سے دوستانہ تعلقات قائم ہو گئے ۔تھانہ میں آنا جانا شروع ہُوا تو آمدنی کا راستہ نکل آیا ۔اس وجہ سے اپنے محلہ کے مجرم قسم کے طبقے میں عبدالحمید کا اثر و رسُوخ قائم ہو گیا ۔گرفتار ہونے والوں کو رشوت کے ذریعہ چھڑالانا ۔غریب بیگناہوں کو تنگ کر کے روپیہ بٹورنا ۔بردہ فروشوں کی امداد دینا، اور روپیہ اور لڑکیاں پیش کر کے لوگوں کو مالی اور تجارتی فائدے پہنچانا اس کا دھندا بن گیا تھا ۔علاقہ کے لوگ اُس سے ڈرتے تھے ۔کیونکہ پولیس میں اثر و رسوخ ہونے کی وجہ سے کسی شخص کو اس کے خلاف شکایت کرنے کی جُراُت نہ ہوتی تھی ۔چھ ماہ ہوئے اُس نے جنسی امراض کی دوائیاں فروخت کرنے کا کاروبار شروع کیا تھا ۔یہ کاروبار خوب چل نکلا تھا ۔اُس نے اس دوران میں سینکڑوں لوگوں کو دھوکا دیا اور ہزاروں روپے کما لئے ۔تین چار روز ہوئے، ایک معزز گھرانے کا ایک نوجوان ایک لڑکی کو لے کر اس کے پاس آیا ۔اُسے ناجائز حمل ہو گیا تھا عبدالحمید کی دوائی سے اس کی موت واقع ہو گئی ۔اُس نے معاملہ کو دبانے

کی بہت کوشش کی، مگر محلہ کے لوگ ایک ایم - ایل اے ، کے پاس پہنچے - اُس نے ڈپٹی کمشنر سے ملاقات کی - نتیجہ یہ ہوُا کہ عبدالحمید کو گرفتار کر لیا گیا - عبدالحمید کے چہرے پر خوف کے آثار نمایاں تھے - اُس نے کہا ــــ "مجھے اندیشہ ہے کہ ابکے بچ نہیں سکوں گا، اِس بار ضرور سزا ہو جائے گی "

"اس دھندے میں پڑ کر تمہارے ضمیر نے تمہیں ملامت نہیں کی" عبدالشکور نے پُوچھا -

عبدالحمید خاموش رہا - اُس نے کوئی جواب نہیں دیا - تھوڑی دیر بعد اُس نے کہا ــــ " میں ایک انتہائی گناہ گار - انسان ہوں - میں نے کئی گناہ کئے ہیں - مجھے سزا ملنی ہی چاہیئے "

باتیں ہو رہی تھیں کہ پولیس کے ایک بندوقچی نے آکر دروازہ کھولا اور عبدالحمید کو آواز دے کر کہا ــــ "باہر آجاؤ "

عبدالحمید حیرانی سے باہر نکلا - دُوسرے دونوں حوالاتی بھی حیران رہ گئے

"معلوم ہوتا ہے اُسے مار پیٹ کی جائے گی" عبدالشکور نے کہا -

نگیندر بابو کو اس ماحول سے نفرت ہو رہی تھی - عبدالحمید کی باتیں سُن کر اُس نے آج پہلی بار محسوس کیا تھا کہ اگر کسی مُلک کی پولیس میں اخلاقی طور پر گرا ہُوا عنصر داخل ہو جائے تو اس کا کیا نتیجہ نکلتا ہے - امن و امان اور اخلاق کے محافظ ہی قمار بازوں، بردہ فروشوں و جیب تراشوں کے سرپرست بن جائیں تو عوام کا خُدا ہی حافظ - نگیندر بابو پر جو بیت رہی تھی، اُس سے بھی یہ بات ظاہر ہو رہی تھی کہ پولیس اصلی مجرم کو چھوڑ کر ایک بے گناہ

انسان کو کس طرح پھانس لیتی ہے۔

عبدالحمید تھوڑی دیر کے بعد واپس آ گیا۔ اُس کے ساتھ ہی پولیس کا آدمی عبدالشکور کو بلا لے گیا۔ نگیندر بابو کو اور بھی حیرانی ہوئی۔

کالی سیاہ سائیں سائیں کرتی ہوئی رات کے علاوہ فضا پر سناٹا سا چھایا ہوا تھا۔ عبدالحمید نے دیکھا کہ سنتری تالا لگا کر ایک طرف چلا ہے۔ اُس نے نگیندر بابو کے نزدیک آ کر کہا ”صاحب! تین ہزار روپے کا معاملہ ہے، ادا کر دوں تو کل شام تک رہائی ہو سکتی ہے۔“

اس کے بعد اُس نے بتایا کہ اُسے تھانہ کے انچارج نے بُلایا تھا۔ اُس نے کہا ہے کہ چونکہ یہ دو خاندانوں کی عزّت کا معاملہ ہے۔ اِس لئے معاملہ رفع دفع ہو سکتا ہے۔ لڑکی کی ماں کو یہ بیان دینے کے لئے رضامند کر لیا گیا ہے کہ موت ہیضے کی وجہ سے ہوئی۔ ایک ڈاکٹر تصدیق کرنے کے لئے تیار ہو گیا ہے مگر عبدالحمید کی رہائی اِس صورت میں عمل میں آئے گی کہ وہ کل شام ہونے سے پہلے پہل تین ہزار روپیہ پیش کر دے۔

عبدالحمید خوش تھا۔ اُس نے کہا ”تھانیدار صاحب کی حالت آپ دیکھتے تو دنگ رہ جاتے۔ اپنے کوارٹر میں ایک خوبصورت لڑکی کو لئے بیٹھے ہیں اور شراب کے دَور چل رہے ہیں۔“

”لڑکی اور کوارٹر میں“ نگیندر بابو نے چونک کر پوچھا۔

عبدالحمید کو ہنسی آ گئی۔ اُس نے کہا ”یہ کوئی انوکھی بات نہیں صاحب! تھانیدار کے دَم سے ہی تو شہر کا یہ اڈہ چل رہا ہے۔ جس لڑکی کو چاہیں، طلب

کریں۔ اِس چھوکری حمیدہ کو اڈے میں آئے ہوئے چند دن ہی ہوئے ہیں، بلا کی خوبصورت ہے صاحب!"

حمیدہ کا نام سُن کر نگیندر بابو پھر چونک پڑے۔ اُنہوں نے کہا "کون حمیدہ کہاں سے آئی ہے یہ"

"معلوم نہیں، کہاں سے آئی ہے" عبدالحمید نے کہا "کہیں سے اغوا کی گئی ہوگی۔ آخر کار ایسی لڑکیاں اغوا کر کے ہی تو لائی جاتی ہیں، یا غریب ماں باپ سے خریدلی جاتی ہیں"

باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ عبدالشکور بھی واپس آگیا۔ خلافِ توقع اُس نے کچھ نہیں بتایا۔ وہ اندھیرے میں اپنے کپڑے ٹٹول رہا تھا۔ کہ باہر سے سنتری نے آواز دی "کیا ہو رہا ہے باہر کیوں نہیں نکلتے"

عبدالشکور نے چپکے سے نگیندر بابو کے کان میں کہا "تھانیدار صاحب نے مجھے چھوڑ دیا ہے۔ اُن کے پاس ایک خوبصورت چھوکری ہے حکم دیا ہے کہ اُسے اپنے گھر لے جاؤں اور چھپا کر رکھوں۔ کیونکہ وہ اُسے اپنے کام کی حسینہ سمجھتے ہیں"

نگیندر بابو سب کچھ سمجھ گئے تھے۔ وکیل کی حیثیت سے اُنہیں مختصر سے عرصہ میں جو تجربہ ہوا تھا، اُس کی بنا پر اُنہیں یہ سمجھنے میں مشکل پیش نہیں آئی کہ یہ لڑکی در حقیقت سیتا دیوی ہی ہے۔ تھانیدار نے اُسے رشوت کے طور پر حاصل کیا ہے اور اِسی وجہ سے اُس کے خلاف جھوٹا مقدمہ چلایا گیا ہے!

نگیندر بابو کچھ اور بھی پوچھنا چاہتے تھے۔ مگر سنتری نے باہر کھڑے کھڑے

چلّانا شروع کر دیا۔ وہ اپنی گز بھر لمبی زبان سے تول تول کر گالیاں بک رہا تھا۔ عبدالشکور کے رشتہ کی کوئی عورت اُس کی گالیوں کی بارش سے محفوظ نہ رہی۔ دُوسرے لمحے عبدالشکور نے اپنے کپڑے سمیٹے اور باہر نکل گیا اور حوالات کا دروازہ پھر بند ہو گیا۔

نگیندر بابو کو رات بھر بند نہیں آئی۔ عبدالشکور اور عبدالحمید کی داستانیں تو سُنی نہیں ہی، خود اُنہیں جس جھُوٹے مقدمہ میں پھنسایا گیا، اُس کی وجہ سے بھی وہ پریشان تھے۔ مگر اُس کے ساتھ ہی حمیدہ کا خیال بھی اُنہیں بیحد پریشان کر رہا تھا۔ اُس کی حالت ایک ایسے انسان کی طرح تھی، جس کے سامنے اُس کی مطلوبہ چیز پڑی ہو مگر اُسے اُٹھانے کی اجازت نہ ہو۔ اُس کے دونوں بازو کاٹ دیئے گئے ہُوں۔

دوپہر کے بعد عبدالحمید رہا ہو گیا۔ اُس نے سنتری کی معرفت اپنے گھر رقعہ بھیجا تھا، تعمیل ہو گئی تھی، تین ہزار روپیہ صاحب بہادر کی جیب میں داخل ہو گیا تھا، اِس لئے اب مُجرم کو گرفت میں لینے والے قانون کے ہاتھ خودبخود ڈھیلے ہو گئے تھے۔

۳۶ گھنٹے اسی طرح گذر گئے۔ نگیندر بابُو اسی طرح حوالات میں پڑے رہے ایک مجسٹریٹ آیا تھا۔ اُس نے نگیندر بابو کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا اور ایک کاغذ پر دستخط کر کے چلا گیا تھا۔

نگیندر بابو سمجھ گئے کہ پولیس نے اُن کا ریمانڈ لے لیا ہے اور اب مقدمہ کی تیاری کی جائے گی۔

تیسرے دن کلکتہ سے دھریندر کا تار آیا۔ اُس نے لکھا تھا "اطلاع مل گئی ہے میں آرہا ہوں"

"دھریندر کو کیونکر اطلاع ملی میری گرفتاری کی؟" نگیندر بابو نے حیران ہوکر اپنے آپ سے پوچھا۔ پولیس والوں نے خود ہی اطلاع دی ہو یہ تو ممکن ہی نہیں ہو سکتا۔ پھر کون ہمدرد ہو سکتا ہے یہ!

اُس رات ڈھائی بجے کے قریب سنتری نے نگیندر بابو کو اڈے کی سلاخوں کے نزدیک بُلایا۔ نگیندر بابو نزدیک آکر کھڑے ہو گئے۔ سنتری نے اِدھر اُدھر دیکھا اور اُس کے بعد اُس نے نگیندر بابو کے کان میں کہنا شروع کر دیا۔

"آپ کے بھائی صاحب کو اطلاع مل گئی ہے۔ وہ صبح تک یہاں پہنچ جائینگے پولیس نے عبدالشکور کو عینی گواہ بنایا تھا مگر اُس نے پیغام بھیجا ہے کہ وہ عدالت میں مُنکر ہو جائے گا، اور جس لڑکی کو برآمد کرنے کے لئے آپ یہاں آئے تھے وہ بھی اچانک پیش ہو جائے گی۔ آپ کی بریّت میں کوئی شک نہیں"

ایک اور حیرانی کی بات تھی یہ عبدالشکور تو ایک عادی مجرم ہے، اُس نے نگیندر بابو کی امداد کرنے کا فیصلہ کیوں کیا۔ یہ امداد تو اُس کے اپنے لئے خطرناک ثابت ہوگی۔ پولیس والے مقدمہ ہارنے کے بعد اُسے کبھی چین نہیں لینے دیں گے اور پھر سنتری اس کام میں نگیندر اور عبدالشکور کی امداد کیوں کر رہا ہے۔

سنتری یہ بات کر کے مارچ کرتا ہُوا ایک طرف نکل گیا۔ واپس آکر اُس نے پھر حوالات کی کوٹھڑی کے سامنے رُک کر کہا "نگیندر بابو! آپ کو جس چیز کی ضرورت ہو، مہیا کر دی جائے گی۔ آپ بیگناہ ہیں، اس لئے بس اپنے آپ کو خطرے میں

ڈال کر بھی آپ کی امداد کروں گا۔"

کچھ دیر بعد وُہ پھر آگے نکل گیا۔ لوٹ کر اُس نے کہا "نگیندر بابو میں ایک مسلمان ہو کر بھی آپ کی امداد کرنا چاہتا ہُوں۔ آپ شاید مجھے نہیں جانتے مگر میں آپ کو جانتا ہوں۔ کلکتہ کے فسادات میں آپ نے میری بہن کو اغوا ہونے سے بچایا تھا اُس وقت میں اپنی جان بچا کر بڑی مشکل سے ڈھاکہ میں آیا تھا۔ میری بہن نے مجھے آپ کا نام بتلایا۔ اُس وقت میں نے اللہ تعالےٰ کا شکر بجا لاتے ہُوئے دُعا کی تھی کہ خدا نے موقعہ دیا تو میں اس احسان کا بدلہ چُکاؤں گا۔ اب میری آزمائش ہے تو آپ یقین کریں کہ میں ملازمت تو درکنار اپنی زندگی کو بھی خطرے میں ڈال کر آپ کی خدمت کروں گا۔ عبد الشکور ایک نیک انسان بن کر رہنا چاہتا ہے' اس لئے وُہ صدقِ دل سے آپ کی مدد کرے گا۔"

خوشی سے نگیندر بابو کی آنکھوں سے آنسو چھلک اُٹھے۔ اُنہوں نے دِل ہی دل میں کہا "گُناہ کے ماحول میں بھی شریف اور نیک سیرت انسانوں کی کمی نہیں۔ اِن انسانوں کی وجہ سے ہی یہ دُنیا تباہی سے بچی ہُوئی ہے"۔

دُنیا میں عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جو خوبصورت ہو (مرد یا عورت) اُسکی عقل بہتر نہیں ہوتی۔ عقل اور حسن ایک ساتھ نہیں ملتا۔

نگیندر بابو بری ہو گئے تھے۔ عبد الشکور نے حمیدہ کو عدالت میں پیش کر دیا تھا۔ وُہ برقعہ پہن کر کمرے میں داخل ہُوئی تھی۔ مجسٹریٹ کے سامنے پیش

ہو کر اُس نے کہا "حضور! یہ مقدمہ جھوٹا ہے۔ نگیندر بابو بے گناہ ہیں۔ میں اپنا بیان دینا چاہتی ہُوں"۔

کمرۂ عدالت میں سناٹا چھا گیا۔ حمیدہ نے بیان دینا شروع کیا۔ اُس نے کچھ اس طرح سے کہا۔

"میرا اصلی نام حمیدہ نہیں، سیتا دیوی ہے۔ نواکھلی میں میرا باپ مارا گیا تھا ہم لوگ بھاگ کر کلکتہ پہنچے۔ نواکھلی میں امن و امان ہونے کے بعد واپس جاتے ہوئے ڈھاکہ سے گذرے تو فسادیوں نے میری ماں کو چھرا گھونپ دیا اور مجھے اُٹھا کر لے گئے۔ مجھے موت کی دھمکی دے کر کئی جگہ فروخت کیا گیا۔ اس کے بعد چندرا نے مجھے خریدا جس روز نگیندر بابو وارنٹ لے کر مجھے چھڑانے کے لئے آئے، تھانیدار صاحب چندرا کے کمرے میں موجود تھے، اُنہوں نے شراب پی، رشوت لی اور رات کو مجھے اپنے کوارٹر میں لے گئے۔ اور چندرا سے رشوت لیتے ہی انہوں نے وعدہ کر دیا تھا کہ نگیندر بابو کے خلاف کوئی جھوٹا مقدمہ کر دیں گے۔ اتنے دنوں سے مجھے انہوں نے عبدالشکور کے مکان پہ رکھا ہُوا تھا۔ میں خود ایک مظلوم عورت ہُوں، اس لئے درخواست کرتی ہُوں کہ کسی بیگناہ کو سزا نہ دی جائے بلکہ اصلی مجرموں کو گرفتار کیا جائے"۔

عبدالشکور نے سیتا دیوی کے بیان کی تائید کی اور سب سے زیادہ سنسنی خیز واقعہ یہ ہُوا کہ پولیس نے تو ہوٹل کے منیجر کو عینی گواہ کے طور پہ پیش کیا تھا مگر اس نے صاف صاف کہدیا کہ یہ جھوٹا مقدمہ ہے اور اس امر کے باوجود کہ اُسے طرح طرح کی دھمکیاں دی جا رہی ہیں، وہ جھوٹ بولنے کے لئے تیار نہیں۔

پانسہ پلٹ گیا۔ نگیندر بابو باعزت بری قرار دیئے گئے۔ چندرا کی گرفتاری کے وارنٹ جاری ہو گئے اور تھانیدار صاحب معطل کر دیئے گئے۔ دوسری صبح جب نگیندر بابو اور دھریندر سیتا دیوی کو اپنے ساتھ لے کر کلکتہ کو جانے والی گاڑی پر سوار ہوئے تو اخبار میں ایک خبر پڑھ کر چونک اُٹھے۔ خبر کلکتہ سے اخبار کے نامہ نگار نے ہی دی تھی، اُس نے لکھا تھا۔

"گزشتہ رات ایک نوجوان عورت نے جس کا نام کانتا دیوی بیان کیا جاتا ہے، سرحد پار کرنے کی کوشش کی۔ پاکستان پولیس کے سپاہی نے اُس پر گولی چلا دی۔ عورت زخمی ہو گئی مگر ہندوستانی علاقہ میں واپس آنے میں کامیاب ہو گئی۔ یہ عورت کلکتہ کی رہنے والی ہے۔ اُسے سرحدی پولیس کلکتہ لے آئی ہے۔ جہاں اُسے ایڈورڈ ہسپتال میں داخل کیا گیا ہے۔"

نگیندر نے چونک کر کہا — "دھریندر کہیں یہ ہماری اپنی کانتا ہی تو نہیں۔ کلکتہ سے روانہ ہونے کے وقت تم اُسے کہاں چھوڑ آئے تھے؟"

دھریندر نے خبر پڑھی، اُس نے کہا۔ "مجھے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی گرفتاری کی خبر نے اُسے بے حد پریشان کر دیا تھا۔ وہ میرے ساتھ ڈھاکہ آنے کیلئے اصرار کر رہی تھی، کہہ رہی تھی کہ ہوٹل کا مینیجر اُس کا نام سنتے ہی نگیندر بابو کے خلاف کبھی شہادت نہیں دے گا۔ لیکن میں نے اُسے اپنے ساتھ لانا منظور نہیں کیا۔ پولیس کا معاملہ ہے ایک عورت کو اپنے ساتھ لانا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ مگر اُس نے مجھے دھمکی دی تھی کہ وہ موقعہ ملتے ہی ڈھاکہ پہنچ جائے گی۔"

نگیندر بابو کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔ اُنہوں نے کہا — "مجھے پہلے ہی

اس کا اندیشہ تھا۔ کہ اگر اُسے معلوم ہو گیا تو وُہ ایک لمحہ کے لئے بھی کلکتہ میں نہیں ٹھہریگی۔"

تاہم ہوٹل کے منیجر کا ذکر آتے ہی نگیندر بابو سوچنے لگے۔ کہ یہ کیا معاملہ ہے گرفتاری کے روز ہوٹل کے منیجر نے پولیس کا ساتھ دیا تھا۔ اور اب اچانک اُس نے اپنا رویہ کیوں بدل لیا۔ کہیں کانتا کا ہی ہاتھ تو نہیں؟

"کانتا کا من داغدار ہے۔" انہوں نے اپنے آپ سے کہا۔ "ممکن ہے وُہ کبھی اس ہوٹل میں ہی رہی ہو اور مجھے بچانے کے لئے اُس نے اپنی عزت کو خطرے میں ڈالنے کا فیصلہ کیا ہو۔"

"ایک عورت چاہے تو اپنے محسن کے لئے اپنی جان بھی قربان کر سکتی ہے۔" نگیندر بابو نے کہا۔ "کانتا نے اپنی صدقدلی اور قربانی سے ہمارے دل جیت لئے ہیں۔"

اور پھر نگیندر بابو سوچنے لگے۔ ممکن ہے اُس روز ہوٹل کے منیجر نے جو پارٹ ادا کیا تھا اُس سے شرمندہ ہو کر وُہ سٹیشن پر نہ آیا ہو۔

اور اُس کے نزدیک بیٹھی ہُوئی سیتا جو زندگی کے ایک نئے راستے پر سفر کر رہی تھی، سوچ رہی تھی کہ اس سفر کا اختتام کہاں ہو گا، اُس کی آخری منزل کہاں ہو گی۔ اُس کی زندگی میں بہار کا ایک جھونکا بھی نہیں آیا تھا۔ جس نوجوان نے اپنی زندگی کو خطرے میں ڈال کر اُسے بچایا تھا کیا وُہ ہمیشہ کیلئے اُسے اپنا لیگا، کیا وہ اُسے زندگی کا ساتھی بنا کر رکھے گا۔ سیتا کے دِل میں اُس کے لئے والہانہ محبّت کا جذبہ موجزن ہو رہا تھا۔ اُس کے دماغ میں ایک حسین تصوّر چھایا ہُوا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی،

جس نوجوان نے اُسے نجات دلائی ہے وُہ کتنا خوبصورت ہے کتنا دلیر اور شریف
کانتا کو اپنے گھر لاکر نگیندر بابو نے کہا۔ "تُم نے میرے لئے اپنی جان کو خطرے میں کیوں ڈالا، پگلی! مجھے وہ لوگ قتل تو نہیں کر سکتے تھے۔ ایک دن نہ سہی دوسرے دن رہا ہو جاتا۔"

کانتا بولی نہیں، اُس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، ان آنسوؤں کو کو پونچھے بغیر وہ لیٹی رہی۔

اور نگیندر بابو کہنے لگے۔ "ہوٹل کے مینجر نے غیر متوقع طور پر ہماری امداد کی۔ کیا تم اُسے پہلے سے جانتی تھیں؟"

"جی"۔ کانتا نے آہستہ سے کہا۔

"تم نے اُسے خط لکھا ہو گا؟"

کانتا نے سر ہلایا اور اس کے بعد آہستہ آہستہ کہنے لگی۔

"وُہ ایک نہایت شریف انسان ہے۔ ایک سال پہلے کلکتہ میں اُس کا ہوٹل تھا۔ جب میں پہلی بار کلکتہ میں آئی تو پڑوس کی بڑھیا مجھے اسی ہوٹل میں لے کر آئی تھی، انہیں دنوں اچانک فساد ہو گیا۔ بلوائیوں کو کسی طرح پتہ چل گیا کہ اس ہوٹل میں ہم دو ہندو عورتیں ٹھہری ہوئی ہیں۔ اُنھوں نے ہوٹل میں داخل ہو کر مجھے اغوا کرنے کی کوشش کی مگر مینجر اُن کے سامنے چھاتی تان کر کھڑا ہو گیا تھا، اُس نے کہا تھا۔ میرے ہوتے ہوئے اس عورت کا کوئی شخص بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔ اُس نے بلوائیوں کو بھگا دیا اور جب دُوسرے دن بڑھیا مجھے "سونا گاچھی" میں لیجا کر بیچ آئی تو اُس نے مجھے چھڑانے کی بہت کوشش کی مگر افسوس کہ بلوائیوں

کے دُوسرے گروپ نے اُس کا ہوٹل لُوٹ لیا، آگ لگا دی - یہ نوجوان بھاگ کر ڈھاکہ پہنچا۔ ڈھاکہ سے اُس نے مجھے کئی چِٹھیاں لکھیں - ہر چِٹھی میں یہی تقاضا کرتا۔ کہ مَیں اس بازار کو چھوڑ دُوں لیکن میں تو بے بس تھی، کیسے چھوڑ تی، کہاں جاتی عبدالشکور نے بھائی صاحب کو آپ کی گرفتاری کی اطلاع دی اور ٹیلی فون پر ہوٹل کے منیجر کا نام بتایا تو مجھے اُمید کی کرن نظر آئی - مَیں نے سوچا - وہ بے شک مُسلمان ہے - کلکتہ کے فساد میں لُٹ پُٹ گیا ہے مگر میری امداد کئے بغیر نہیں رہیگا مَیں نے اُسے تار بھیجا - اس کے بعد مَیں نے بھائی صاحب کے جانے کے بعد سرحد پار کرنے کی کوشش کی اور پھر جو کچھ ہُوا آپ کو معلوم ہی ہَے "

کانتا کی باتیں سُنتے سُنتے نگیندر بابو دل ہی دل میں شرمندہ ہو رہے تھے کچھ دیر پہلے وہ ہوٹل کے منیجر کے رویہ میں اچانک تبدیلی کی وجہ کچھ اور ہی سمجھ رہے تھے مگر اب ان کی آنکھیں کُھل گئی تھیں - ایک طرف اُنہوں نے قانون اور امن کے محافظوں کا گندہ کردار دیکھا تھا اور دوسری طرف عبدالشکور جیسے عادی مجرم کی شرافت، تھانہ کے پہریدار کی نیکی اور ہوٹل کے منیجر کی انسانی ہمدردی جس نے اپنے مستقبل کو خطرے میں ڈال کر اُس کی امداد کی تھی، نگیندر بابو کے مُنہ سے نِکل گیا، آج کے زمانے میں ایسے شریف انسان چراغ لے کر بھی ڈھونڈنے سے نہیں ملتے میں پہلے ہی سوچا کرتا تھا لیکن اب سوچتا ہُوں کہ دُنیا میں نیک انسانوں کی کمی نہیں - ایسے ہی انسانوں کی وجہ سے تو دُنیا قائم ہے "

کانتا نے آنسو پونچھتے ہُوئے کہا "آپ کے بغیر مجھے چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آتا تھا - اگر آپ مجھے پناہ نہ دیتے - تو مَیں اِس بازار سے

نکلنے کے بعد خود کشی کر چکی ہوتی ۔"

"پگلی کہیں کی۔" نگیندر بابو نے کہا ۔"میں نے تمہارے لئے کچھ بھی نہیں کیا ایک انسانی فرض تھا، وہ ادا کیا۔ یہ بھی کوئی بڑی بات ہے۔"

"ایک انسانی فرض" کانتا نے زیرِ لب ان الفاظ... کو دہراتے ہوئے کہا "محض ایک انسانی فرض" یہ کہکر اُس نے ایک لمبی گہری سانس چھوڑ دی اور کہنے لگی "ٹھیک ہے میرے لئے یہی سب کچھ ہے۔"

اُس کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔ یکایک تصوّر اُس کے ذہن کو ماضی کی طرف لے گیا۔ اُسے یاد آئے۔ نگیندر بابو کے الفاظ۔

"کانتا انسان جس سے پیار کرتا ہے، جسے حاصل کرنے کے لئے تپسیا کرتا ہے وُہ ایک نہ ایک دِن ضرور حاصل ہوتا ہے۔ تپسیا سے تو بھگوان بھی مِل جاتے ہیں، اِنسان کا کیا کہنا"

اُسے خاموش اور تخیلات میں ڈوبے ہوئے دیکھ کر نگیندر بابو نے مُسکرا کر کہا ۔"تم ہر وقت کیا سوچتی رہتی ہو۔ ہر وقت کیوں مغموم رہتی ہو۔ کیا تمہیں کوئی خیال پریشان کرتا رہتا ہے ۔"

"نہیں تو۔" کانتا نے چونک کر کہا۔" میں تو پریشان نہیں ہوئی کبھی۔ آپ کے ہوتے ہوئے میں کبھی مغموم ہو سکتی ہوں ۔"

سیتا بھی اب اسی گھر میں رہنے لگ گئی تھی ۔ وُہ کانتا کی طرح ہی ایک مظلوم لڑکی تھی۔ اس لئے ابھی اُنھوں نے سیتا کو آشرم میں داخل نہیں کیا تھا وہ کوشش کر رہے تھے کہ اگر سیتا کے کسی رشتہ دار کا پتہ لگ جائے تو وُہ اُسے بلائیں اور سیتا اُس کے حوالے کر دیں ۔

سیتا اِسکا کیا مطلب سمجھ رہی تھی ، یہ وہی جانے مگر نگیندر بابو اُس کی دیکھ ریکھ پر غیر معمولی توجہ دے رہے تھے ، کیونکہ وہ چاہتے تھے ۔ کہ اُس کا شکستہ دِل کسی طرح جُڑ جائے وہ ماضی کی تلخ زندگی کو بھُول کر ایک نئی زندگی میں قدم رکھنے کی کوشش کرے ۔

سیتا دِل و جان سے ان کی خدمت کر رہی تھی ، اب وہی گھر کا کام کاج کرتی ، نگیندر بابو کے لئے کھانا تیار کرتی ۔ گھر کی دیکھ بھال کا سارا انتظام اُس نے اپنے ذمے لے لیا تھا ۔ باہر سے آنے والا کوئی شخص یہ خیال نہیں کر سکتا تھا ۔ کہ سیتا ایک اجنبی لڑکی ہے ۔

اِسی سیتا کو ایک دِن اپنے کمرے میں نگیندر بابو کی تصویر پر پھُولوں کا ہار چڑھاتے ہوئے دیکھ کر کانتا چونک اُٹھی " سیتا کو نگیندر بابو سے اس قدر محبّت ہے کہ وہ اُنہیں من کا دیوتا سمجھ کر اُن کی تصویر کی پُوجا کرتی ہے " کانتا نے دِل ہی دل میں کہا اور اِتنے دنوں کے بعد اچانک اس کے دِل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں ۔

سیتا کئی دِن سے اِس طرح سے حرکتیں کر رہی تھی ۔ گویا وُہ اِس گھر کی مالکن ہو ۔ نگیندر بابو سے اس طرح باتیں کرتی تھی گویا نگیندر بابو پر اسی کا حق ہو نگیندر بابو بھی اُس پر غیر معمولی طور پر مہربان تھے نہ صرف خود اس کی دِلجوئی کرتے بلکہ کانتا سے بھی اِس طرح باتیں کرتے گویا سیتا کے بغیر اس گھر میں اور کوئی بھی نہیں ہے ۔ اِسی شام نگیندر بابو گھر میں آئے کانتا اُن کے کمرے گئی ۔ وہ الماری میں سے کچھ کاغذ نکال کر دوبارہ باہر جانے کی تیاریاں کر رہے تھے ۔ کانتا نے

کہا۔ یہ بہت تھکے ہُوئے معلوم ہوتے ہیں آپ۔ جل پان نہیں کرینگے کیا"

"نہیں" مجھے ایک بہت ضروری کام ہے"، کہہ کر نگیندر بابو فائل اُٹھا کر باہر نکل گئے۔

کاتیائنی آج بہت دنوں کے بعد نگیندر بابو کو جل پان کے لئے کہا تھا۔ جب سے سیتا اس گھر میں آئی تھی، وہ ایک طرح سے الگ تھلگ کر دی گئی تھی۔ کتنے ہی دن تک اُسے یہ بات محسوس نہیں ہُوئی۔ لیکن جس روز سے سیتا کو نگیندر بابو کی تصویر پر پھول چڑھاتے ہُوئے دیکھا تھا، اُس روز سے وہ محسوس کر رہی تھی، گویا اُسے نفرت سے دیکھا جا رہا ہے اور وہ نگیندر بابو کی نگاہوں سے گر چکی ہے۔

وُہ دوسری منزل پر چلی گئی اور کھڑکی سے لگ کر باہر بازار کی طرف دیکھنے لگی معلوم نہیں، چند لمحوں کے بعد کیوں نیچے اُتری مگر اُس نے جو کچھ دیکھا، اس سے وہ جل بھُن گئی۔

نگیندر بابو چھوٹی سی میز کے سامنے کرسی پر بیٹھے تھے۔ سیتا اُن کے لئے پیالی میں چائے انڈیل رہی تھی اور کہہ رہی تھی ۔۔ "آپ اس طرح جل پان کئے بغیر چلے جاتے تو مجھے بہت دُکھ ہوتا"

"کیوں"

"آپ شاید اسے محسوس نہیں کرتے مگر ایک عورت کا دل بخوبی محسوس کرتا ہے"

نگیندر بابو نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ چائے کا ایک گھونٹ پینے کے بعد اُنہوں نے چونک کر کہا ۔۔ "ارے! تم نے تو چائے لی ہی نہیں"

" مجھے اِس کی ضرورت نہیں "

" کیوں ضرورت نہیں "

آپ تو سارا دن کام کر کے تھکے ہُوئے ہیں ۔ مجھے گھر میں کوئی کام نہیں ہوتا "

نگیندر بابو نے چائے کی پیالی رکھ دی اور کہنے لگے ۔" اچھا اگر تم نہیں پیو گی تو میں بھی نہیں پیونگا ۔"

سیتا مسکرا دی، اُس نے کہا ۔" آپ تو بچوں کی طرح ضد کر رہے ہیں، اچھا پہلے آپ چائے پی لیں، پھر میں بھی پی لونگی ۔"

" نہیں ابھی اور اِسی وقت میرے سامنے پینا ہو گی ۔" اُنہوں نے اصرار کرتے ہُوئے کہا ۔

کانتا سیڑھیوں میں کھڑی ہُوئی یہ باتیں سُن رہی تھی ۔ جب سیتا چائے کی پیالی لائی اور نگیندر بابو اپنے ہاتھ سے اس میں چائے ڈالنے لگے ۔ تو کانتا یہ منظر دیکھنا برداشت نہ کر سکی ۔ جل بھُن کر وہ اُلٹے پاؤں لَوٹ گئی ۔

اُس کا سر چکرانے لگا ۔ اپنے آپ کو پلنگ پر گرا کر جب سوچنے لگی تو اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے ۔

جب لیٹنے سے بھی سکون نہ مِلا تو وُہ کھڑکی سے لگ کر کھڑی ہو گئی وُہ سوچ رہی تھی ۔ نگیندر بابو کو یہ کیا ہو گیا ہے ۔ ایک نئی لڑکی کو دیکھتے ہی مجھے بھُول گئے میں نے ان کے لئے اپنے مستقبل کو تباہ کیا ۔ مَیں نے اِن کے لئے اپنی زندگی کو خطرہ میں ڈال دیا ۔ اُسے فراموش کر کے نگیندر بابو ایک اجنبی لڑکی کی طرف رجوع ہو رہے ہیں، جیسے کانتا اس گھر میں کوئی ہے ہی نہیں ۔ جب اُس نے

نگیندر بابو کو جل پان کے لئے کہا تھا تو انہیں فرصت ہی نہیں تھی۔ اور سیتا نے اصرار کیا تو انہیں اپنی تمام مصروفیات بھی بھول گئیں۔ ابھی نگیندر بابو نے ایک دن کہا تھا۔ کانتا! پیسیا سے دُنیا کی ہر چیز حاصل ہو سکتی ہے۔ ان دِنوں زندگی کی کلفتوں نے اسے پرماتما کے وجُود سے بھی منکر کر دیا تھا۔ اور وُہ مایوس ہو کر یُوں محسوس کر رہی تھی گویا سکون حاصل کرنے کا اس کے سوا کوئی ذریعہ نہیں کہ وُہ اپنے آپ کو موت کے دیوتا کے حوالے کر دے۔ لیکن نگیندر بابو کے ایک فقرے نے اُسے "تاریک ماحول میں روشنی کی ایک کرن دکھائی تھی۔ آج وہی نگیندر اُس کی اُمیدوں کا محل چکنا چُور کر رہے ہیں۔ اُس کی اُمنگوں کو خاک میں مِلا دینا چاہتے ہیں۔ اور یہ کیا؟ وُہ چونک اُٹھی نگیندر بابو کو ایک ٹیکسی کے پاس کھڑے دیکھ کر۔ اُن کے ساتھ ہی سیتا بھی کھڑی تھی۔ نگیندر بابو نے خود ہی کار کا دروازہ کھولا۔ اشارہ کیا اور سیتا مُسکرا کر اپنی ساڑھی کے آنچل کو سنبھالتی ہُوئی کار میں داخل ہو گئی۔ اس کے بعد نگیندر بابو نے فائل اس کے حوالے کی، خود بھی کار میں داخل ہوئے۔ دروازہ بند کیا اور کار چل پڑی۔

"تو معاملہ یہاں تک پہنچ گیا ہے" کانتا نے کُڑھتے ہُوئے اپنے آپ سے کہا "اگر انہوں نے میرے جذبات کو اِسی طرح کُچلنا ہے، تو صاف صاف کیوں نہیں کہہ دیتے کہ اس گھر میں میرا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ مُجھے یہاں سے چلے جانا چاہیئے۔"

اور پھر اچانک ایک ساتھ کتنے ہی منظر اُس کی نگاہوں میں گھُوم گئے۔ "سونا گاچھی" میں آنے والے نوجوان مرد، طبلے کی تھاپ، اور گھنگروؤں کی جھنکار، اُسے یوں لگا گویا وہ ایک بار پھر اُسی ماحول میں پہنچ رہی ہو۔ ناچ ناچ

کر لوگوں کو محظوظ کر رہی ہو۔ اُسے شعکر کی یاد آئی جو اُسے اچانک چھوڑ کر غائب ہو گیا تھا۔ تمام مرد بے وفا ہوتے ہیں" اُس نے اپنے آپ سے کہا۔

رات کو اُس نے کھانا نہیں کھایا تھا۔ وہ لوگ گیارہ بجے کے قریب آئے تھے۔ اُس نے اُٹھ کر دروازہ کھولا۔ گاڑی باہر کھڑی ہوئی تھی۔ سیتا کو چھوڑ کر نگیندر بابو یہ کہتے چلے گئے "میں اب شاید واپس نہیں آؤنگا۔ کل دوپہر سے پہلے آنا ممکن نظر نہیں آتا۔"

سیتا نے پیشانی سے پسینہ پونچھا اور یہ کہتی ہوئی کہ "مجھے نیند آ رہی ہے" کمرے میں چلی گئی۔

تاہم کانتا کو نیند نہیں آ رہی تھی، اُس نے بنگالی کا ایک ناول اُٹھایا اور ٹیبل لیمپ کی روشنی میں پڑھنے لگی۔ چند سطریں پڑھنے کے بعد ہی وہ اُکتا گئی۔ ایک بےچینی سی اُس کے دماغ پر چھا رہی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ سیتا اُس سے کوئی بات کرے تاکہ وہ اُس کا دِل ٹٹول سکے۔ مگر سیتا کچھ بول نہیں رہی تھی۔

ایک دو بار سیتا کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے وہ زور زور سے کھانسی۔ اُٹھ کر الماری میں رکھی ہوئی کتابیں ٹٹولتے ہوئے کچھ کتابیں فرش پر گرا دیں۔ ایک بار دیدہ دانستہ ٹھوکر کھا کر گِر پڑی۔ مگر سیتا نے کوئی توجہ نہیں دی۔

لاچار ہو کر اُس نے سیتا کو جھنجھوڑ کر جگا دیا۔ سیتا نے سٹپٹا کر کہا "کیا کر رہی ہو دیدی! مجھے نیند آ رہی ہے۔"

کانتا نے بظاہر سنجیدگی سے کہا "کھانا نہیں کھاؤ گی!"
"نہیں۔ میں کھا چکی ہوں۔"
"کھا چکی ہو؟ کہاں سے کھا چکی ہو" کانتا نے اُسے دوبارہ جھنجھوڑ کر پُوچھا "تمہاری وجہ سے تو میں نے بھی کھانا نہیں کھایا۔"
کانتا کے جھنجھوڑنے کی وجہ سے سیتا جھنجھلا کر اُٹھ بیٹھی تھی۔ اپنی آنکھیں ملتے ہوئے اُس نے کہا "دیر ہو گئی تھی۔ اِس لئے ہوٹل سے ہی کھانا کھایا تھا۔"
اس فقرے کو دہراتے ہوئے کانتا نے کہا "اور نگیندر بابو کہاں گئے؟"
"مجھے معلوم نہیں" سیتا نے کہا "کہہ رہے تھے کہ ایک ضروری کام ہے صبح آؤنگا۔"
"ضروری کام ہے" کانتا نے یہ فقرہ دہراتے ہوئے کہا "اُنہیں ہر وقت ضروری کام ہی رہتا ہے۔ میں پُوچھتی ہوں کہ تم لوگ شام کو کہاں گئے۔ کہاں گھومتے رہے؟"
سیتا چونک پڑی۔ کانتا سے اُسے کبھی ایسی باتوں کی توقع نہیں ہوئی تھی۔ اُس نے جھنجھلا کر کہا "جہاں میری مرضی! تم پُوچھنے والی کون ہوتی ہو۔"
"کیوں؟" کانتا نے بگڑ کر کہا "اس گھر میں میں پہلے آئی تھی یا تم۔ تم تو اپنے آپ کو نوراں سمجھنے لگ گئی ہو۔"
سیتا نے اب کے سنجیدگی سے کہا "تمہارا مطلب کیا ہے۔ ایسے سوال پُوچھ کر تم کیا ثابت کرنا چاہتی ہو۔"
یہی کہ میں نگیندر بابو سے تمہارا اس طرح گھُل مِل کر باتیں کرنا اور اکیلے باہر

چلے جانا پسند نہیں کرتی۔"

"کیوں"

"اِس لئے کہ میں اِسے اچھا نہیں سمجھتی" کانتا نے کہا۔

سیتا نے کہا ——"دیکھو کانتا! میں اپنے نفع و نقصان کو بخوبی سمجھتی ہُوں۔ جن حالات میں تُم یہاں آئی ہو، میں بھی اُنہی حالات میں آئی ہُوں، اِس لئے تمہیں مجھ پر یا اُن پر الزام لگانے کا کوئی حق نہیں۔"

کانتا سٹپٹا اُٹھی۔ اُس نے کہا۔" اس کا مطلب یہ ہے کہ تُم مجھے بیوقوف بنانا چاہتی ہو۔ مگر میں صاف صاف بتا دینا چاہتی ہوں کہ میں ایسی حرکتیں برداشت نہیں کر سکتی۔ اگر تم چاہتی ہو کہ کوئی تُم پہ اُنگلی نہ اُٹھائے تو اس گھر میں تمہیں شریف عورتوں کی طرح رہنا پڑے گا۔"

سیتا کو دھکا لگا۔ اُس نے بھڑک کر کہا —— دیکھو کانتا! بہت کچھ ہو چکا۔ اب تک تو میں برداشت کرتی رہی ہُوں۔ اگر اِس کے بعد اپنی زبان سے ایک لفظ بھی کہا تو یہی زبان کھینچ لُونگی۔ دُوسروں کو شرافت کا درس دینے سے پہلے اپنے گریبان میں تو مُنہ ڈال کر دیکھو۔" سونا گاچھی" میں کسی آدمی نے چھوڑا نہیں، اور اب بڑی دیوی بنی پھرتی ہو۔"

کانتا رو پڑی۔ اُس نے کہا" تو تُم سے یہ طعنہ بھی سُننا تھا میں نے۔ میری قسمت اُسی روز پھُوٹ گئی تھی۔ جب میں اِس گھر میں آئی تھی۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ میرا یہی انجام ہوگا تو کبھی اس گھر میں قدم نہ رکھتی۔"

"میں نے کیا مِنّت کی تھی تمہاری" کہتے ہُوئے سیتا چارپائی پر لیٹ گئی اور کانتا

کی طرف پیٹھ کرتے ہوئے اُس نے کہا ـــ "اب معاف بھی کرو۔ مجھے نیند آ رہی ہے۔"

کانتا کچھ لمحے بُت کی طرح کھڑی رہی۔ اِس کے بعد میز سے کتابیں اُٹھا کر دیوار پر پٹخ کر زور زور سے پاؤں مارتی ہوئی اور غصہ سے ناگن کی طرح پھنکارتی ہوئی دوسرے کمرے میں داخل ہو گئی۔

صُبح سویرے ایک خوبصورت مگر لاغر اور مریض سی عورت کو اپنے بازو کے سہارے لاتے ہوئے کمرے میں داخل ہو کر نگیندر بابو نے کہا ـــ "سیتا! اُٹھ رادھا آ گئی۔"

سیتا کو ابھی نیند آ رہی تھی۔ اُس نے کہا ـــ "اُوں ہُوں! مجھے نیند آ رہی ہے۔"

رادھا کی طرف دیکھ کر مُسکراتے ہوئے نگیندر بابو نے کہا "رات کو بہت دیر سے سوئی ہے اِسی لئے تو ـــ خیر! تم یہاں بیٹھو، یا لیٹ جاؤ! میں تھوڑی دیر میں آتا ہُوں۔"

نگیندر بابو اپنے کمرے میں گئے مُنہ ہاتھ دھو کر کپڑے بدلتے ہوئے انہوں قدرے بلند آواز میں کہا ـــ "کانتا!"

کانتا عام طور پر دُوسری منزل میں نگیندر بابو کے ڈرائنگ رُوم سے ملحقہ کمرے میں ہی سوتی تھی، عام طور پر وُہ صُبح سویرے ہی بیدار ہو جاتی تھی۔ لیکن جب سے سیتا اس گھر میں آئی تھی، کوئی کام کاج نہ ہونے کی وجہ سے وُہ قدرے دیر سے بیدار ہوتی۔

کوئی جواب نہ پا کر نگیندر بابو نے کمرے سے باہر نکل کر کانتا کو آواز دی اس کے بعد جونہی وُہ سیڑھیوں پر چڑھنے لگے، کانتا ململ کی سفید دھوتی پہنے ہاتھ

پر تلک لگائے، ایک ہاتھ میں پیتل کی چھوٹی سی پانی سے بھری لُٹیا اُٹھائے رام رام کرتی لکڑی کی کھڑاؤں سے کھٹ کھٹاتی باہر سے مکان میں داخل ہوئی۔

کانتا کو اس لباس میں دیکھ کر نگیندر بابو حیران رہ گئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ مندر میں پُوجا پاٹھ کر کے یا ندی سے اشنان کر کے آئی ہے۔ اس سے پہلے کانتا نے کبھی ایسی بات نہیں کی تھی۔ اس لئے نگیندر بابو کو قدرتی طور پر حیرانی ہوئی اُنہوں نے کہا۔ "یہ کیا ڈرامہ ہو رہا ہے، معلوم ہوتا ہے تیرتھ یاترا کر کے آئی ہو۔"

کانتا نے کوئی جواب نہیں دیا۔

نگیندر بابو مسکرائے۔ اُنہوں نے کہا۔ "تو آج مون برت بھی دھارن کر رکھا ہے"۔

کانتا پھر بھی نہ بولی۔ نگیندر بابو تیسری یا چوتھی سیڑھی پر کھڑے تھے۔ ادر... فرش کی طرف دیکھتے ہوئے اُس نے سنجیدگی سے کہا "اُوپر جانا چاہتی ہوں۔"

"خوب! تو آج ہم اچھوت بھی ہو گئے" کہہ کر نگیندر بابو نیچے اُتر آئے اور ایک طرف ہو کر کھڑے ہو گئے۔ کانتا نے اُن کی طرف دیکھا نہیں بلکہ اسی طرح "رام رام" کرتی لکڑی کی کھڑاؤں سے کھٹ کھٹ کرتی اُوپر چڑھ گئی۔

نگیندر بابو خاموشی سے اُسے دیکھتے رہے اور جب وُہ نگاہوں سے اوجھل ہو گئی تو وُہ بھی مُڑے۔ سیتا کے کمرے کی طرف گئے تو دونوں لڑکیاں آپس میں بات چیت کر رہی تھیں۔ اُنہیں اُسی حالت میں چھوڑ کر وہ اپنے کمرے میں چلے گئے۔

"دانوں رات ہو کیا گیا ہے" اُنہوں نے آرام کرسی پر بیٹھتے ہوئے دِل ہی دل

میں کہا" اچانک کانتا کو بھگتی کا خیال کیونکر آ گیا" دوسرے لمحے اُنہوں نے سوچا۔ "اچھی بات ہی تو ہے، ایک مظلوم عورت کے لئے اِس سے بڑھ کر اور کیا اچھی بات ہو سکتی ہے"

تاہم اُنہیں چین نہیں آیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ سیتا کو چائے بنانے کے لئے کہہ کر جب اُوپر جانے والے تھے تو کسی نے باہر سے آواز دی۔ "نگیندر بابو!" اور جب وہ باہر نکلے تو لوٹ کر نہیں آئے۔ کوئی دو گھنٹے بعد لوٹے۔ تو سیتا اور رادھا دونوں اپنے کمرے میں بیٹھی ہوئی بات چیت کر رہی تھیں۔ اُن کے سامنے...... میز پر رکھی ہوئی چائے کی خالی پیالیاں دیکھ کر انہیں معلوم ہو گیا کہ دونوں لڑکیاں چائے پی چکی ہیں۔

نگیندر بابو نے کہا "کانتا نے ناشتہ کر لیا کہ نہیں کھائے گی آج"

"تعجب ہے" کہہ کر نگیندر بابو کرسی پر بیٹھ گئے۔

"آپ کے لئے چائے لاؤں" سیتا نے پوچھا۔

"نہیں" نگیندر بابو نے کہا۔ "میں تو جہاں گیا تھا وہاں کے لوگوں نے چائے کے بغیر اُٹھنے ہی نہیں دیا"

اور پھر رادھا کی طرف دیکھتے ہوئے اُنہوں نے کہا" میں نہ کہتا تھا کہ شمبھو تمہیں دھوکا دیگا۔ کتنے ہی مہینوں سے تمہیں ڈھونڈھ رہا تھا۔ ایک بار جی کانتا نے بتلایا کہ تم ہوڑہ کے ایک ہوٹل میں منتقل ہو گئی ہو۔ ہوڑہ کے تمام ہوٹل چھان مارے مگر تمہارا کچھ پتہ نہ چلا۔ یہ تو اتفاق کی بات تھی کہ کل دوپہر کے بعد تمہیں پولیس کے ساتھ گاؤں جاتے ہوئے دیکھ لیا ورنہ وہ لوگ تمہیں

جیل پہنچا کر ہی دم لیتے اور مجھے خبر ہی نہ ہوتی۔"
رادھا نگاہیں نیچے کئے خاموشی سے بیٹھی رہی۔ نگیندر بابو کہنے لگے۔
"سمجھ نہیں آتی کہ شمبھو نے تمہیں شلیندر کے حوالے کیوں کر دیا، اور تم اس بدمعاش کے چکمہ میں کیونکر پھنس گئیں۔ ایک بار پہلے بھی تو شلیندر نے تمہیں دھوکا دیا تھا۔"
رادھا کے ہونٹ کانپنے لگے۔ اس کے بعد رک رک کر جو کچھ سنایا وہ کچھ اس طرح تھا:۔
شلیندر نے رادھا کو بے ہوش کر کے اس کے زیورات اتار لئے تھے۔ اس کے بعد جب شمبھو واپس آیا تو اس نے رادھا کے بیان پر یقین نہیں کیا بلکہ اسے محض رادھا کا بہانہ سمجھ کر اسے بری طرح زدوکوب کیا اور گھر سے نکال دیا۔ رادھا بھٹکتی رہی اس کے بعد وہ راج شاہی ہوٹل کے مالکان کے ہتھے چڑھ گئی۔ اس نے رادھا کی عصمت فروشی کو اپنی آمدنی کا ذریعہ بنایا۔ شمبھو کو معلوم ہوا تو اس نے پولیس سے مل کر رادھا کو گرفتار کرا دیا۔ پندرہ دن جیل میں رہنے کے بعد جب رادھا رہا ہوئی تو وہ پھر "سونا گاچھی" میں آ گئی۔ اس بار وہ شمبھو کے ساتھ نہیں رہی، نہ ہی وہ اپنے اڈے کی مالکن تھی بلکہ ایک گھٹیا سے قسم کے اڈے میں بیٹھ گئی جس کا مالک ماسٹر ممتاز ایک اور طوائف لیلا بائی کے ساتھ شہر کے ایک کوارٹر میں رہتا تھا اس کے پاس شیلا بھوٹانی نام کی ایک ڈانسر بھی تھی۔ شیلا بھوٹانی اس اڈے کی حصہ دار تھی اور اکثر دارجیلنگ سے لڑکیاں لا کر مارواڑی سیٹھوں کو سپلائی کرتی تھی۔
رادھا جو کچھ دن پہلے بردہ فروشی کا کاروبار چلا رہی تھی، اب کے خود بکنے لگی۔ اسے بیچا ماسٹر ممتاز نے اور بیچا بھی شلیندر کے ہاتھ۔ جو جیب تراشی

اور نوسر بازی کے علاوہ آپ اپنا نام بدل کر "سوناگاچھی" میں عصمت فروشی کا اڈا چلانے لگ گیا تھا۔ شلیندر ہر روز رادھا کو پیٹتا تھا۔ ایک دِن رادھا نے تنگ آکر بھاگنے کی کوشش کی تو شلیندر نے اُسے بُری طرح زد و کوب کیا اور بیہوش کر کے دھرم تلہ سٹریٹ کے ایک مکان میں لے گیا۔ رادھا دو دِن چلاتی بلبلاتی رہی۔ اس کے بعد وُہ بھاگ رہی تھی کہ دوپہر کے وقت چوری کے الزام میں پکڑی گئی۔ پولیس اُسے تھانہ میں لے جا رہی تھی کہ نگیندر بابو نے اُسے دیکھ لیا۔ رپورٹ جھوٹی تھی، پھر بھی نگیندر بابو کو ضمانت پر اُسے چھڑانے میں دیر لگ گئی"۔

نگیندر بابو نے اُس کی داستان سُن کر کہا "دیکھو رادھا! ذرا سی غلطی کی وجہ سے تمہیں کس قدر پریشانی کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ فسادات کے دِنوں میں جب تم سے ملاقات ہُوئی تھی اگر اُسی روز تُم سوناگاچھی" کی زندگی ترک کر دیتیں تو تمہاری یہ حالت نہ ہوتی۔ اِن دنوں تمہارے پاس دھن دولت کی کمی نہیں تھی اس لئے تم کسی کی پرواہ نہیں کرتی تھیں۔ خیر جو کچھ ہُوا وہ ہونا ہی تھا۔ اب سنبھلنے کا وقت ہے۔ اگر سنبھل جاؤ تو شاید تمہاری زندگی سُدھر جائے۔

رادھا گردن جُھکائے خاموشی سے بیٹھی تھی۔ اچانک اُس نے آہستہ آہستہ کہا "تو مجھے کیا کرنا چاہیئے"!

"یہ سب کُچھ آہستہ آہستہ معلوم ہو جائے گا"۔ کہہ کر نگیندر بابو کمرے سے باہر نکلے اور دُوسری منزل پر چڑھ گئے۔

کانتا نے اب بھی صُبح کا لباس پہن رکھا تھا، اور کھڑکی کے ساتھ لگ کر کھڑی ہُوئی تھی، نگیندر بابو کو دیکھ کر کُرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہُوئے وُہ خود

چٹائی پر بیٹھ گئی۔

نگیندر بابو نے مُسکرا کر کہا۔ "پُوجا پاٹھ ختم ہو گیا۔ خیر! سُنا ہے کہ آج تُم نے برت کے علاوہ مَون برت بھی رکھا ہُوا ہے۔"

"نہیں تو" کانتا نے کہا۔

"سیتا تو یہی کہہ رہی تھی"

کانتا کو غصہ آ گیا۔ مگر اپنے آپ کو سنبھال کر وہ خاموش بیٹھی رہی نگیندر بابو بھی خاموش بیٹھے رہے۔ اِس کے بعد کانتا نے کہا۔ "آپ کو کچھ معلوم ہے کہ شنکر بابو آج کل کہاں رہتے ہیں؟"

"سُنا ہے چندر نگر... چلے گئے ہیں"

"سُنا ہے یا ٹھیک ٹھیک معلوم ہے"

نگیندر بابو نے حیران ہو کر کہا "ٹھیک ہی سمجھو! دھریندر کو ایک خط لکھا تھا اُنہوں نے"

ایک لمحہ رُک کر اُنہوں نے کہا ــــ "مگر تُم اُن کا پتہ کیوں پُوچھ رہی ہو"

کانتا کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے اُنہیں پُونچھتے ہُوئے اُس نے رُک رُک کر کہا "میں نہ پُوچھوں گی تو اور کون پُوچھے گا۔ عورت کی اصلی جگہ تو اُس کے پتی کے گھر میں ہی ہوتی ہے"

نگیندر بابو آج -- اُس کے غیر معمُولی رویہ سے حیران ہو رہے تھے یہ بات سُن کر اور بھی تعجب ہُوا کیونکہ شنکر بابو تو کانتا کو رکھنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ نگیندر بابو کے گھر رہتے ہوئے اچانک ایک دن اُسے چھوڑ کر غائب ہو گئے تھے۔

تب سے کئی دن تک اُن کا پتہ ٹھکانہ نہیں تھا۔ دھریندر کو پتہ لگا تو اُس نے خط و کتابت شروع کی مگر آخری خط میں لاہی اُس نے لکھا تھا کہ وہ کانتا کو کسی حالت میں اپنے پاس رکھنے کے لئے تیار نہیں، اور اگر اُنہوں نے کانتا کو اُس کے پاس لانے کی کوشش کی، تو وہ چندرنگر سے بھی غائب ہو جائے گا۔

نگیندر بابو نے کہا "تم بات تو ٹھیک کہہ رہی ہو اور مجھے شنکر بابو کا پتہ بتانے میں کوئی اعتراض نہیں لیکن اگر اُنہوں نے تمہیں اپنے گھر میں داخل نہ ہونے دیا تو مجھے بہت پریشانی ہو گی۔ میں یہ بات برداشت نہیں کر سکوں گا۔"

کانتا رو پڑی۔ اُس نے کہا "آپ نے مجھ پر بہت احسان کئے ہیں، اُن احسانوں کا بوجھ اُتارنا میرے لئے ممکن نہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ میں چندرنگر جاؤں اور وہ میری بےعزتی کر دیں، مگر عورت کا اپنے پتی کے گھر کے سوا اور کوئی ٹھکانہ بھی تو نہیں، اور پھر عورت تو پیدا ہی ہوتی ہے، بےعزتی برداشت کرنے کے لئے۔ شاستروں میں لکھا ہے کہ عورت پیدا ہونے کے روز سے مرنے تک غلام رہتی ہے۔ جب یہ پرماتما کا حکم ہے، تو اُس پر بگڑنے سے کیا فائدہ! میں اکیلی ہی جاؤں گی تاکہ میری وجہ سے کسی دوسرے کو شرمندہ نہ ہونا پڑے۔ اور اگر اُنہوں نے میرے لئے اپنے گھر کے دروازے بند کر دیئے، تو میں بند دروازہ کے باہر پران تیاگ دینا زیادہ بہتر سمجھوں گی۔ مرنے سے پہلے کم از کم مجھے یہ تو اطمینان ہو گا کہ میں نے آخری بار اُن کے درشن کر لئے ہیں۔"

"مگر ——"

بات کاٹتے ہوئے وہ کہنے لگی۔ "آپ کہیں گے کہ میں نے پہلے اُنہیں کیوں

دل و جان سے نہیں اپنایا تو نگیندر بابو! اُس پاپ کی سزا ہی تو اتنے دنوں سے بھگت رہی ہوں اور سزا ملنی ہی چاہیئے۔ شاستروں میں لکھا ہے کہ انسان جو بھی کرم کرے اُس کا پھل اُسے بھوگنا ہی پڑے گا۔ میں نے اُن سے وفا نہیں کی تھی، جن کے ہاتھوں میں میری قسمت سونپی گئی تھی۔ اُنہیں چھوڑ کر میں اپنے من میں کسی اور کی پوجا کرتی رہی، یہ میری غلطی تھی۔ اس کی سزا ملنی ہی چاہیئے اور اگر مر کر بھی میں اس پاپ کے اثر سے بچ جاؤں تو یہ میرے لئے خوش قسمتی کی بات ہو گی۔"

نگیندر کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔

اور کانتا کہتی گئی — "جب سے یہاں آئی ہوں من ڈانوا ڈول رہا ہے بچپن میں کتابوں میں پڑھا تھا کہ خشک ریگستانوں میں ہرنی پیاس سے بیاکل ہو کر سراب کو پانی سمجھ کر اُس کے پیچھے دوڑتی ہے۔ میں بھی زندگی کے ویرانوں میں ایک "سراب" کے پیچھے دوڑتی رہی۔ کچھ دن سے مجھے اِس "سراب" کی اصلیت معلوم ہو رہی تھی مگر میرا دل اکثر بغاوت کر دیتا اور آتما کو اپنے شکنجے میں جکڑ لیتا۔ مگر کل رات سے میری آتما مجھے رہ رہ کر کوس رہی ہے۔"

نگیندر بابو نے کہا — "اچھی بات ہے لیکن اگر جذبات کا پہاڑ آتما کو پھر کبھی دُوسرے شکنجے میں جکڑنے لگے تو —"

"میں پر ماتما سے پرارتھنا کروں گی کہ وہ مجھے اپنے پاس بُلا لے۔ اِس کے بعد مجھے زندہ رہنے کی کوئی خواہش نہیں رہے گی۔"

نگیندر بابو کا جی بھر آیا۔ اُس نے کہا — "اچھا کانتا! مجھے کبھی یاد کرو گی!"
کانتا کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی جاری ہو گئی۔ اُس نے کہا "آپ

نے مجھے نئی زندگی دی۔ اس زندگی میں قدم رکھ کر بس ایک مصیبت سے تو بچ گئی تھی مگر جانے کیوں جذبات کی رو میں بہتی ہی گئی۔ جانے کیوں تخیلات کی دنیا میں ایک انوکھی زندگی کے تانے بانے بنتی رہی۔ خیر کچھ بھی ہوا ۔ آپ کے احسان کا بوجھ تو دوبارہ جنم لے کر بھی اُتار نہیں سکوں گی"

نگیندر بابو نے رومال نکال کر اپنے آنسو پونچھے اور کچھ کہنے لگے تھے کہ نیچے سے بیتنا کے چلانے کی آواز آئی ۔۔۔ " بابوجی! آپ کو کوئی بلا رہا ہے۔"

نگیندر بابو نے ایک بار کانتا کی طرف دیکھا اور پھر سیڑھیوں سے نیچے اُتر گئے ۔

گلاب کی پنکھڑی جیسا نازک عورت کا دل ہوتا ہے اگر وہ چاہے مرد کو تباہ و برباد کر سکتی ہے اور اگر چاہے تو اسے آسمان کی بلندی پر بٹھا دے سکتی ہے۔

کئی دن بعد نگیندر بابو رادھا سے پوچھ رہے تھے ۔۔۔ تو اُس نے کہہ دیا کہ "میں اس گھر میں کبھی نہیں آؤں گی"

رادھا نے کہا " جی ہاں! وہ کہہ رہی تھیں' اپنے گھر میں مجھے کوئی دُکھ نہیں' پھر میں اسے چھوڑ کر کسی دُوسری جگہ کیوں جاؤں"

" تو کیا وُہ واقعی سُکھی تھی ؟ "

رادھا نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا " بھائی صاحب! اگر سُکھی زندگی اس کو کہتے ہیں تو میں نہیں کہہ سکتی کہ دُکھ کا مطلب کیا ہوتا ہے۔ پرانی سی ایک

دھرتی جو بار بار دُھل کر جیتھڑا سی ہو رہی تھی پہن رکھی تھی، اُنھوں نے دیکھا جسم ہڈیوں کا پنجر بن چکا ہے اُن کا۔ معلوم ہوتا ہے نیم فاقہ کشی میں زندگی گزرتی ہے۔ "شنکر بابو کی تنخواہ بڑھ گئی ہے، اُنھوں نے دُوسری شادی کر لی ہے، اُس کے ساتھ مزے کی زندگی بسر کر رہے ہیں، اور کانتا دیدی کو تو اس گھر میں کوئی پُوچھتا ہی نہیں۔"

نگیندر بابو کی آنکھوں سے آنسو چھلک آئے۔ رُندھے ہوئے گلے سے اُنھوں نے کہا۔ "تو یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی وہ یہاں آنے کے لئے تیار نہیں؟"

"نہیں" ــــ رادھا نے سنجیدگی سے کہا۔ "اُن کی باتوں سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ انہیں یہاں آنے کا خیال کرتے ہوئے بھی پریشانی ہوتی ہے۔"

"کچھ سمجھ نہیں آتا" نگیندر بابو نے ایک گہری ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا "نہ جانے اُن پر کیا جنوں سوار ہو گیا ہے۔"

اور پھر اُنھوں نے پُوچھا ــــ "شنکر بابو سے تمہاری بات چیت ہوئی؟"

"نہیں، اُنھوں نے مجھے بات چیت کرنے کا موقعہ ہی نہیں دیا۔"

ایک روز اُن کی بوڑھی ماں چلا چلا کر کانتا سے کہہ رہی تھی "تمہیں جنھوں نے لکھا پڑھا کر یہاں بھیجا ہے ہم اُن کے ٹکڑوں پر نہیں پلتے۔ انہیں کہہ دینا کہ میرا شنکر کسی کی دھونس سُننے والا نہیں۔ اگر اُنھوں نے یہاں آنے کی کوشش کی تو ہم اُن سے اچھی طرح نپٹ سکتے ہیں۔"

"کانتا نے کیا جواب دیا؟"

"کچھ بھی نہیں" رادھا کہنے لگی ــــ اُنھوں نے اتنا ہی کہا

"اُن پر غصّہ کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہو گا ماں جی! اُنھوں نے مجھے یہاں

نہیں بھیجا۔ اپنا گھر ہے اِس لئے چلی آئی۔ ایک بے قصور انسان پر اُس کی عدم موجودگی میں غُصّہ جھاڑنے سے کیا فائدہ! اس کے لئے تو مَیں موجود ہوں۔"

"پھر کیا ہُوا؟" نگیندر بابو نے پُوچھا۔

"ہونا کیا تھا" رادھا نے کہا "ماں جی نے میرا لحاظ بھی نہیں کیا۔ اور کانتا کو پیٹنا شروع کر دیا۔ پیٹنے کے ساتھ ہی وہ کانتا، اُس کے والدین اور آپ کو گالیاں دئے جا رہی تھی۔ چلّا چلّا کر کہہ رہی تھی" دنیا میں ہزاروں انسان مر جاتے ہیں مگر تو بد بخت چڑیل، تو مرنے کا نام بھی نہیں لیتی۔"

نگیندر بابو کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ اُنہیں پُوچھے بغیر اُنھوں نے کہا "ایک بار کانتا نے مجھ سے پُوچھا تھا نگیندر بابو! انسان جس کو چاہتا ہے کیا وہ مل سکتا ہے تو مَیں نے کہا تھا کہ ہاں اُس کے لئے صدقِ دل سے تپسیّا کرنے کی ضرورت ہے۔ سچے دل سے کی ہُوئی تپسیا کبھی بیکار نہیں جاتی۔ مجھے یُوں لگتا ہے گویا کانتا بھی تپسیا کر رہی ہے مگر جس چشمے سے وُہ فیضیاب ہونے کیلئے جد و جہد کر رہی ہے وُہ ڈشنکر کے دُوسری شادی کر لیتے ہی خشک ہوگیا ہے رادھا دیوی! مجھے یوں لگتا ہے گویا میں ہی اُسکے دُکھوں کا کاسا ما ہُوں اگر مَیں اُس روز اُسے یہ اُپدیش نہ دیتا تو بھی وُہ شنکر بابو کے دروازے پر ہی جان دیتی۔" رادھا نے سنجیدگی سے کہا "مجھے یُوں لگتا ہے کانتا ایک دروازے سے ٹھکرائے جانے پر دُوسرے دروازے پر اپنی جان دے دینا چاہتی ہے۔"

نگیندر بابو کچھ سمجھ نہیں آیا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اُنہوں نے اشارہ پا کر بھی رادھا سے اس نکتے کی وضاحت کیلئے پُوچھنے کی ضرورت محسوس نہ کی ہو۔

اُسی شام رادھا کہہ رہی تھی "نگیندر بابو ایک بات پوچھوں، بتاؤ گے؟"

"پوچھو" نگیندر بابو نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیا آپ نے زندگی میں کسی سے محبت کی ہے؟"

ایک انوکھا سوال تھا یہ۔ نگیندر بابو چونک پڑے۔ سوچنے لگے رادھا کو یہ سوال پوچھنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی۔ رادھا کو تو وہ اپنی بہن اور بہن کی طرح ہی سمجھتا ہے پھر اُس نے اِس قدر بے تکلفی سے یہ بات کیوں کہی۔

دُوسرے لمحے اُنہوں نے کہا "وہ اِنسان انسان ہی نہیں جو کبھی سے محبت نہیں کرتا۔"

رادھا اب بھی سنجیدہ تھی۔ اُس نے کہا "یہ تو ٹھیک ہے، مگر آپ تو ایک عام بات کر رہے ہیں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ آپ نے کبھی کسی سے محبت کی؟"

نگیندر بابو نے مُسکرا کر کہا "ہاں تُم سے، کانتا سے، سیتا سے"

سیتا ایک طرف بیٹھی ہوئی سبزی کُتر رہی تھی، سُن کر چونک اُٹھی۔

رادھا کہنے لگی "سیتا اور مجھ میں کوئی فرق نہیں۔ ہم دونوں کو زندگی میں پہلی مرتبہ آپ کی شکل میں ایک بھائی ملا ہے مگر میرا مطلب تو کسی اور سے ہے"

نگیندر بابو چونک پڑے، اُنہوں نے کہا "تمہارا مطلب کس سے ہے کانتا سے؟ ——"

اُن کی آنکھوں میں غُصّہ تھا۔ یہ غُصّہ اُن کے چہرے کے اُتار چڑھاؤ سے ہی ظاہر ہو رہا تھا۔ رادھا بھانپ گئی، اِس لئے وہ جو کچھ کہنا چاہتی تھی نہ کہہ سکی۔ مُسکرا کر اُس نے کہا "مَیں تو محض مذاق کر رہی تھی، اور آپ ناراض ہو گئے"

نگیندر بابو نے کہا — "میں ایسے مذاق پسند نہیں کرتا رادھا دیوی، میں کسی عورت کے متعلق ایسی باتیں سوچ ہی نہیں سکتا، جو انسان کو سماج کی نگاہوں میں گرا دیتی ہیں اور پھر معلوم نہیں لوگوں نے محبّت کو اس قدر ارزاں اور اوچھا کیوں سمجھ رکھا ہے کہ وُہ یہ سوچ ہی نہیں سکتے کہ سچی محبّت وہی ہے جس میں کوئی غرض نہ ہو، کوئی لالچ نہ ہو، محبّت تو بھگتی کا دوسرا نام ہے۔ رادھا نے کرشن سے محبّت کی تو اُس میں خود غرضی کا نام و نشان نہیں تھا۔ اِس لئے ہزاروں سال گزر جانیکے باوجود سنسار اس محبّت کے گُن گاتا ہے۔ ویسے تو محبّت نام کی ایک حسینہ "سونا گاچھی" جیسے بازاروں میں بھی بکتی ہے، لیکن کیا یہ محبّت ہے!"

رادھا خاموشی سے بیٹھی رہی۔ اُس نے اب کوئی بات نہیں کہی۔

نگیندر بابو کُھلے آسمان پر چھائے ہوُئے بادلوں کی طرف دیکھتے رہے۔ چند لمحوں تک یہی حالت رہی۔ اس کے بعد وہ خاموشی سے نیچے اُتر گئے۔ دو تین دن بعد جب نگیندر بابو تھکے ماندے شام کو گھر لوٹے تو اُن کے ساتھ ایک نوجوان بھی تھا، یہی کوئی پچیس چھبیس سال کی عُمر۔ ریشمی قمیض اور سفید ململ کی دھوتی پہنے۔ جب سیتا چائے لے کر آئی، تو نگیندر بابو نے اُسے بازو سے پکڑ کر کہا— "بیٹھ جاؤ۔"

وہ حیرانی سے بیٹھ گئی۔

نگیندر بابو سیاسیات پر بات چیت کرنے لگے۔ سیتا نے کبھی ایسی بات چیت میں دلچسپی نہیں لی تھی، عام طور پر نگیندر بابو سیاسی مسئلوں کا ذکر کرتے تو اُسے نیند آجاتی تھی۔ آج بھی اُس کی یہی حالت ہو رہی تھی کہ اچانک وُہ چونک اُٹھی۔ نگیندر بابو اُس نوجوان سے کہہ رہے تھے "بات در اصل یہ ہے کہ اب تک میں نے

جتنی لڑکیاں چھڑائی ہیں، سیتا اِن سب سے معصوم، بھولی بھالی مگر سمجھدار ہے۔ ایسی لڑکی جس گھر میں رہے اُسے سورگ بنا سکتی ہے۔ میرے ہی گھر کو دیکھ لو، اُس نے اِس قدر خوبی سے اسے سنبھالا ہُوا ہے کہ مجھے کوئی فکر ہی نہیں رہی۔"

اور اُس نوجوان نے سیتا کی طرف دیکھا۔ سیتا شرما گئی۔ دوسرے لمحے وُہ کھانا تیار کرنے کا بہانہ کر کے اُٹھ گئی۔

رات کو نگیندر بابو سونے لگے۔ سیتا اُن کے سر کی مالش کرنے کے لئے گھی کی کٹوری لئے ہُوئے آ پہنچی۔ نگیندر بابو نے سیتا سے کبھی سر کی مالش نہیں کرائی تھی مگر آج سیتا نے بیحد اصرار کیا اور اُنہیں جُھکنا ہی پڑا۔

اچانک سیتا نے کہنا شروع کیا۔ "آج آپ نے مجھے بہت شرمندہ کیا"

نگیندر بابو نے چونک کر کہا۔ "کیوں؟ میں نے تو کوئی ایسی بات نہیں کہی۔"

"ایک اجنبی آدمی کے سامنے میری اس قدر تعریف کی کہ مَیں شرمندہ ہو گئی۔" سیتا نے جھجکتے ہوئے کہا۔

نگیندر بابو مُسکرا دیئے۔ اُنہوں نے کہا۔ "تو کونسی بُری بات ہو گئی۔ میرے کو میرا کہنا گناہ تو نہیں ہوتا۔ تم واقعی ایک نیک لڑکی ہو، اِس لئے کہہ دیا تو کیا برج ہو گیا۔"

سیتا خاموش رہی، دُوسرے لمحے اُس نے رُکتے رُکتے کہا۔ "مَیں تو ایک بے حد بدقسمت اور گناہ گار عورت ہُوں"

"پگلی کہیں کی۔" نگیندر بابو کہنے لگے۔ "ہزار بار کہا کہ پچھلی باتوں کو بھُول جاؤ۔ اِن کا ذکر بھی اپنی زبان پر نہ لایا کرو مگر ۔۔۔"

"غلط بات تو نہیں کہی" سیتا کہنے لگی "حال اور مستقبل کے پردوں میں ماضی کو کیونکر چھپایا جا سکتا ہے - یہ بات ایک عورت کی حالت میں عام طور پر سو فی صدی دُرست ثابت ہوتی ہے -"

"کیا کہہ رہی ہو" نگیندر بابو نے کہا "آج تمہیں کیا ہو گیا ہے ؟"

سیتا کی آنکھوں سے آنسوؤں کی دو بوندیں نگیندر بابو کی پیشانی پر گر پڑیں - وہ اُٹھ کر سیتا کے پاس کھڑے ہو گئے - سیتا کے چہرے پر کمرے میں لگی ہوئی سبز رنگ کی بجلی کی بتی کی روشنی پڑ رہی تھی - دھندلا سا ماحول ہونے کے باوجود نگیندر بابو نے دیکھ لیا کہ وُہ رو رہی تھی - اُس کے آنسو پونچھتے ہوئے نگیندر بابو نے کہا "پگلی کہیں کی تمہیں مَیں نے کیا کہہ دیا کہ رونے لگ گئی -"

"آپ مجھ سے نفرت کرتے ہیں" سیتا نے اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا

"کون کہتا ہے ؟" نگیندر بابو نے حیرانی سے کہا "میں نے تم سے کبھی نفرت نہیں کی - مَیں تو تم سے سب سے زیادہ محبت کرتا ہوں"

وُہ اُسے چھوڑ کر کرسی پر بیٹھ گئے - سیتا کھڑی رہی -

کچھ دیر دونوں خاموش رہے - اس کے بعد جب سیتا گھی کی کٹوری اُٹھا کر باہر جانے لگی تو نگیندر بابو نے کہا "عجیب لڑکی ہو - اپنے دماغ میں کوئی ایک خیال لا کر پھر اس پر خواہ مخواہ پریشان ہونے کی عادت ترک نہیں کرو گی تو اپنا گھر کیسے بساؤ گی"

سیتا رُک گئی - اُس نے کہا "اپنا گھر؟ اس کے لئے مجھے پریشان ہونے کی

ضرورت نہیں۔"

"تم پریشان نہیں ہو گی تو اور کون ہو گا۔" نگیندر بابو نے قہقہہ بلند کرتے ہوئے کہا "تم تو سمجھتی ہو کہ یہ کام بھی مجھے ہی کرنا ہو گا۔ ساری عمر مجھے ہی مارا مارا پھرنا پڑیگا۔"

سبیتا جھینپ گئی۔ ہچکچاتے ہوئے اُس نے کہا ۔۔۔ "مردوں کا کام مرد ہی کرتے ہیں عورتیں نہیں۔"

اور یہ کہہ کر وُہ تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔ نگیندر بابو کہتے ہی رہ گئے۔ "ذرا رُکو تو سہی"۔ مگر وُہ رُکی نہیں۔ کواڑ کو زور سے بند کر کے بھاگتی ہُوئی سیمنٹ کے چکنے فرش والے برآمدے کو پار کر کے اپنے کمرے میں داخل ہو گئی۔

دُوسرے روز رادھا کو بُلا کر نگیندر بابو نے کہا۔ "دیدی میرا خیال ہے کہ مَیں خود چندر نگر جاؤں اور کانتا کو یہاں لے آؤں۔"

"لیکن مجھے اُمید نہیں کہ وُہ یہاں آئے گی"۔ رادھا نے کہا ۔۔۔ "اور پھر ایک اور بات بھی ہے آپ اُس کی مدد تو کر نہیں سکیں گے۔ اس کے برعکس آپ کی موجودگی میں یا آپ کے لَوٹ آنے پر اُس پر جو کچھ بیت سکتی ہے اُس کا اندازہ کر کے تو مَیں کانپ اُٹھتی ہُوں۔"

نگیندر بابو کُرسی پر بیٹھ گئے۔ اُنہیں کچھ سُوجھ نہیں رہا تھا۔ سوچتے سوچتے اُن کا دماغ چکرانے لگا۔

کچھ لمحوں کے بعد اُنہوں نے کہا۔ "لیکن اِس حالت میں وہ کب تک زندہ رہیگی۔ یہ سوچتے سوچتے مجھے رات بھر نیند نہیں آئی۔"

رادھا خاموشی سے بیٹھی رہی۔

نگیندر بابو کہتے رہے۔ "میں آج تک سمجھ نہیں سکا کہ اُس نے اچانک جل جل کر مرنے کا راستہ کیوں اختیار کیا۔ میں تو اسے پاگل پن سمجھتا ہوں۔"

"اِس پاگل پن کا علاج آپ نے کیا تجویز کیا۔" راآدھا پوچھنے لگی۔

"مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا۔" نگیندر بابو نے کہا۔ "کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ اُسے سمجھانے کی کوشش کروں تو شاید سمجھ جائے۔ میری بات اُس نے کبھی ٹالی تو نہیں لیکن اگلے روز تم نے جو اندیشہ ظاہر کیا اگر وُہ درست ثابت ہوا تو اُس کا خُون میری گردن پر ہی ہوگا۔"

راآدھا کچھ کہنا چاہتی تھی مگر نہ جانے کیوں رُک گئی۔ اپنی آنکھوں میں اُمڈتے ہُوئے آنسوؤں کو پونچھ کر باہر نکل گئی۔

اور نگیندر بابو سوچنے لگے۔ عجیب عورت ہے یہ۔ کسی وقت اُسے مجھ سے محبّت تھی، اُسی محبّت کے لئے اُس نے اپنے خاوند سے پیار نہیں کیا۔ اور اپنی زندگی کا ایک قیمتی حصّہ برباد کر دیا۔ اس کے بعد نئی زندگی ملی۔ تو اُسے خاوند نے اپنانے سے انکار کر دیا۔ اُس وقت وُہ شنکر سے محبّت نہ ہونے کے باوجود محض نگیندر بابو کے کہنے پر شنکر کے پاس رہنے لگ گئی تھی۔ اور جب شنکر اُسے چھوڑ کر غائب ہو گیا۔ تو کاشا کو کوئی صدمہ نہیں ہُوا۔ نگیندر کے گھر رہ کر اُس نے کبھی شنکر کے پاس جانے کی خواہش ظاہر نہیں کی۔ لیکن اچانک ایک روز اُس نے اپنا نظریہ بدل لیا۔ اب جو شخص اُس سے نفرت کرتا ہے وہی اُس کے من مندر کا دیوتا ہے جو اُسے ٹھکرا رہا ہے، جو اُس کی شکل تک دیکھنا نہیں چاہتا اُسی کے لئے جی رہی ہے وُہ، اُسی کے لئے جان دینے کے لئے تیار ہے مگر نگیندر بابو۔ گھر لوٹنے کے لئے تیار نہیں۔

یہ سب کچھ ہُوا کیوں؟ مُسلسل سوچتے رہنے پر بھی اُنہیں کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔ رادھا مُنہ ہاتھ دھوکر کپڑے بدل کر چائے لئے ہُوئے کمرے میں آئی۔ تو نگیندر بابُو اونگھ رہے تھے، میز پر چائے کی پیالی رکھنے کی آواز سے وُہ چونک پڑے۔

چائے پیتے پیتے بھی اُن کا دھیان کانتا کی طرف لگا ہُوا تھا۔ اچانک رادھا نے کہا ــــ "جُرأت کرکے ایک بات پُوچھنا چاہتی ہُوں۔ اگر آپ ناراض نہ ہُوں تو۔"

"پوچھو ــــ" نگیندر بابو نے کہا۔

رادھا کہنے لگی ــــ "جب سے کانتا دیدی یہاں سے گئی ہیں، کئی بار یہ سوال زبان پر آتے آتے رہ گیا، لیکن جُرأت نہ کرسکی۔ ایک بار ذکر کرنے لگی تھی کہ آپ کی باتوں سے خوف زدہ ہوکر خاموش ہوگئی۔ سوچتی ہُوں کہ اگر میں اب بھی خاموش رہی تو یہ ایک گُناہِ عظیم ہوگا۔"

نگیندر بابو پہلے تو مُسکرا دیئے۔ اُنہیں رادھا کی باتیں شاعرانہ معلوم ہو رہی تھیں۔ اُس کے بعد اُنھوں نے سنجیدگی سے کہا ــــ "اپنے دل کی بات چھپائے رکھنا کوئی اچھی بات نہیں، کہہ ہی کیوں نہیں دیتیں۔"

رادھا کہنے لگی ــــ "کبھی آپ کو کانتا سے محبّت تھی۔"

"وُہ تو اب بھی ہے۔" نگیندر بابو نے کہا۔

رادھا نے کہا ــــ "وُہ تو میں جانتی ہُوں جنھوں نے اپنی زندگی کانتا اور مجھ جیسی مظلُوم لڑکیوں کی خدمت کے لئے وقف کردی ہے اُنہیں کسی سے نفرت نہیں ہوسکتی۔ جس طرح پرماتما کو ہر انسان سے محبّت ہے اُسی طرح انھیں بھی ہر ایک سے محبّت ہے۔ مگر میں تو کچھ اور ہی پُوچھ رہی ہُوں۔"

نگیندر بابو سنجیدہ ہو گئے۔ رادھا خاموش رہی۔ اِس کے بعد نگیندر بابو کہنے لگے "دیکھو رادھا جب کانتا سے میری سگائی ہوئی تھی، اُس وقت مَیں نے اُسے دیکھا نہیں تھا اور جب شنکر سے اُس کی شادی ہوئی تو مجھے اِس کا علم نہیں تھا۔ تاہم سگائی کی خبر پا کر جس طرح ہر نوجوان کو اپنی ہونے والی بیوی سے غائبانہ طور پر محبت ہو جاتی ہے اور وُہ اُسے نہ دیکھ کر بھی اسکے متعلق عجیب و غریب تصوّر باندھنے لگتا ہے کسی وقت میری بھی وہی حالت تھی، اس کے بعد بھی مَیں اُسے بھُولا نہیں جب وُہ "سوناگاچھی" سے یہاں آئی تو مَیں نے اُسے پہلی بار دیکھا تھا مگر وہ کچھ بھی کیوں نہ ہو، ایک بار وہ شنکر کی بیوی ہو چکی تھی، اِس لئے مَیں نے اُسے ایک پرائی عورت ہی سمجھا اور اس لحاظ سے اُس کا احترام کرتا رہا"

رادھا نے ایک ٹھنڈا گہرا سانس لیا اور کہنے لگی "لیکن یہ تو ممکن ہے کہ اس نے شادی سے پہلے تمہیں غائبانہ طور پر اپنا دیوتا سمجھ لیا ہو، اور سوناگاچھی سے نکل آنے پر بھی دِل ہی دِل میں پرستش کرتی رہی ہو"

نگیندر بابو نے کہا "رادھا دیدی! مَیں یہ سب کچھ نہیں سمجھ سکتا مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ مجھے معلوم نہیں کہ کانتا میرے متعلق کیا سمجھتی ہے مگر مَیں نے اپنے دل میں کبھی ایسا کوئی خیال آنے نہیں دیا جو سماج اور دھرم کے نزدیک گناہ ہو"

"اور اگر کانتا آپ کے فلسفے کی قائل نہ ہوتی تو ۔۔۔"

"تو مَیں اسے گناہ سمجھتا" نگیندر نے جواب دیا "رادھا دیوی! کانتا جیسی لڑکیاں کسی وقت بے شک گناہ کے ماحول میں رہی ہوں، مگر مَیں ایک لمحہ کے لئے بھی خیال نہیں کر سکتا کہ جو عورت اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے جذبات کا خون ہوتے دیکھ کر بھی پرتما

سے پرارتھنا کر رہی ہو، کہ اُس کی زندگی کے آخری لمحے اُس انسان کے سامنے گزریں جس کے ساتھ پرماتما نے اُس کی قسمت وابستہ کر دی تھی تو وُہ چند روز میرے گھر میں قیام کر کے اپنے آپ کو کسی دوسرے مرد سے کیونکر وابستہ کر سکتی ہے؟"

رادھا نے کہا ــــ "آپ فلسفیوں کی سی باتیں کر رہے ہیں مگر کانتا اور آپ جس دُنیا میں رہتے ہیں وُہ فلسفیوں اور دیوتاؤں کی دُنیا نہیں۔ جو لوگ فلسفیوں اور شاعروں کی دُنیا میں رہتے ہیں، وُہ سماج کا ڈھانچہ چلا نہیں سکتے۔ خیر میں اِس بحث میں پڑنا نہیں چاہتی، نہ تو میرے پاس اتنا وقت ہے نہ ہی دماغ۔ آپ بہت بڑے انسان ہیں اور میں ایک معمولی سی عورت۔ عورت ہونے کے ناطے میں کانتا کو بخوبی سمجھ سکتی ہوں، میں پوچھتی ہوں کہ کہیں کانتا کی آج کی کٹھن تپسیا کا سبب اُجلنے میں کی گئی آپ کی بے رُخی تو نہیں۔ کہیں آپ کی سنگدلی اور آدرش وادنے تو اُس بیچاری کو صدمہ نہیں پہنچایا؟"

نگینہ بابو کا دماغ چکرانے لگا۔ آج رادھا ایسی باتیں کر رہی تھی جن کی اُس سے کبھی توقع نہیں ہو سکتی تھی۔

اور رادھا کہتی گئی ــــ "ایک بات اور کیا کبھی آپ نے یہ سوچنے کی کوشش بھی کی کہ کانتا نے اچانک راتوں رات سیتا ستی کا سا بھیس کیوں اختیار کر لیا تھا؟"

"مجھے کچھ بھی سمجھ نہیں آتا دیدی!"

"شاید کسی دن سمجھ آجائے" رادھا نے سنجیدگی سے کہا "مگر اُس دن اِس دُنیا میں کانتا نہیں رہے گی"

اور پھر نگینہ بابو کو تبصرہ کرنے کا موقعہ دیئے بغیر وُہ کہنے لگی ــــ "ایک اور

بات بھی ہے، ممکن ہے آپ کو اِس سے پہلے ہی یہ بات محسوس ہو جائے لیکن سوچتی ہوں کہ کانتا نے ایک بھاری چوٹ سہہ کر اپنی زندگی کا جو نظریہ بدل دیا۔ اُسے اب کسی کے کہنے پر دوبارہ اختیار کرنے کے لئے آمادہ بھی ہوگی یا نہیں۔ نگیندر بابو! آپ مجھ سے بڑے ہیں۔ آپ نے مجھے گناہ کی زندگی سے بچایا تو اپنے آپ پر ایک بہت بڑی ذمہ داری لی ہے، اور پھر آپ نے ابھی مجلسی زندگی میں بہت کچھ کام کرنا ہے۔ آپ کانتا کی طرح سوچتے تو آپ کی آتما اسے گناہ ہی سمجھتی۔ سماج بھی آپ کو آسانی سے معاف نہ کرتا لیکن میں یہ سوچتی ہوں کہ کیا انسان کو اِس جھوٹی عزت کے لئے کسی کو صدمہ سے نڈھال کر دینا ایک اور بڑا گناہ نہیں"

نگیندر بابو کا دماغ بُری طرح سے چکرا رہا تھا۔ اُنہوں نے میز پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا "راتھا دیوی! میں پاگل ہو رہا ہوں۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آتا۔ مجھے چاروں طرف تاریکی ہی تاریکی نظر آتی ہے۔ میں نہیں جانتا کہ کس حالت میں کیا ہوگا اور دُنیا کس بات کو اچھا سمجھے اور کس بات کو بُرا۔ تاہم میں ذاتی مفاد اور سماج کے مفاد کے ٹکراؤ کی بحث میں پڑنا نہیں چاہتا۔ کانتا کے سوچنے کے متعلق تم جو کچھ کہہ رہی ہو وہ درست ہو سکتا ہے۔ اگرچہ میں ----- اب بھی چاہتا ہوں کہ یہ غلط ہی ہو۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر ہم ایک اُلجھن پیدا ہونے پر گھبرا کر سماج کے بندھنوں کو توڑ ڈالیں تو اور کچھ بندھنوں کی بات ہی کیا۔ توڑنے کو تو ساری سماج کی عمارت گرائی جا سکتی ہے۔ کتنے ہی لوگ ذاتی مفاد کے لئے ایسا کرتے بھی ہیں۔ وہ لوگ بدنامی سے نہیں ڈرتے بلکہ کھلے بندوں سماج کی چھاتی پر مونگ دلنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ بعض حالتوں میں انہیں ایک طبقہ ترقی پسند قرار دیتا ہے لیکن وہ بھی سماج کے کچھ اصولوں کا تو ضرور پاس کرینگے۔ یہی

نہیں ان لوگوں کے راستے پر چل کر ایک نئے سماج کی تعمیر بھی کی جا سکتی ہے لیکن کیا اس سماج میں کوئی اصول نہیں ہوگا، کوئی قاعدہ نہیں ہوگا۔ کیا اس سماج کا ڈھانچہ کھڑا کرنے والے اس کے اصولوں کو توڑنے والوں کو معاف کر دیں گے، تم اپنی جگہ پر درست ہی سوچتی ہو مگر میں پوچھتا ہُوں کہ کیا پاکیزگی کے ہر اصول اور آدرش کو اپنے مفاد کے لئے توڑ دینا ہی ترقی پسندی ہے؟"

رادھا نے ساڑھی کے آنچل سے آنسو پونچھے اور پھر کرسی سے اُٹھ کر نگیندر بابو کے چرنوں کی دھول اپنے ماتھے پر لگا کر بولی "آپ واقعی دیوتا ہیں۔ آپ سے معافی مانگتی ہُوں"۔

ہفتے یا دس دن بعد نگیندر بابو کرسی پر بیٹھے ہُوئے ایک خط پڑھ رہے تھے۔ خط کانتا نے لکھا تھا، رادھا کے نام:-

"رادھا دیدی! کئی دن کی تنہائی نے پریشان کر دیا ہے تُمہیں۔ تمہارے جیجا جی ڈھاکہ گئے ہُوئے ہیں۔ ساس جی بھی یہاں نہیں ہیں، اکیلی ہی ہُوں۔ سوچتی ہُوں اگر تم ان دنوں یہاں ہوتیں تو۔ مگر کیا معلوم کہ تم کلکتہ میں بھی ہو یا نہیں اور یہ خط تم تک پہنچ سکے گا یا نہیں"۔

سیتا بہن آج کل کہاں ہیں۔ اگر بھیا جی مان لیں تو سیتا سے اُنہیں شادی کر لینی چاہئے۔ سیتا بھی تو یہی چاہتی ہے۔ پھر اس معاملے کو زیادہ دیر تک لٹکائے رکھنے سے کیا حاصل! اگر موقعہ کبھی ملے تو بھیا جی سے یہ بات صاف کہہ دینا اور ہاں اگر وُہ مان جائیں تو میں اسی بہانے ایک بار ضرور کلکتہ آؤں گی۔ مرنے سے پہلے ایک بار اُن کے درشن کر لینا میرے لئے بڑے سوبھاگیہ کی بات ہوگی"۔

رادھا کرسی پر بیٹھی ہوئی سویٹر بُن رہی تھی اور سیتا بنگالی کا ایک ناول پڑھ

رہی تھی۔ نگیندر بابو نے خط پڑھا مگر اپنے تاثرات چھپاتے ہوئے اُنہوں نے خط جیب میں ڈال لیا۔ اور پھر رادھا کو مخاطب کرتے ہوئے اُنہوں نے کہا۔" تمہارا کیا خیال ہے سیتا کی شادی اُس لڑکے سے کر دی جائے؟ دیکھنے میں تو اچھا ہے اور پھر کماتا کھاتا ہے، سیتا اُس گھر میں جا کر سُکھی ہو گی!"

سیتا نے چونک کر ناول پڑھنا بند کر دیا اور اُن کی طرف گھور گھور کر دیکھنے لگی۔

رادھا نے مسکرا کر کہا۔" اسی سے پوچھئے"

نگیندر بابو نے کہا" مگر میں تو تمہاری رائے پوچھتا ہوں"

"آپ کو پسند ہے تو کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے" رادھا نے سنجیدگی سے کہا" اور پھر سیتا بھی تو اُسے دیکھ چکی ہیں"

سیتا نے کتاب فرش پر دے ماری اور کرسی سے اُٹھ کر یہ کہتے ہوئے کہ" تم سب میرے دشمن ہو" کمرے سے باہر نکل گئی۔

نگیندر بابو نے زور سے قہقہہ لگایا۔ اسی آواز میں اُنہوں نے بلا کر کہا" ذرا ٹھہرو تو سہی"

مگر اُس نے مُڑ کر بھی نہیں دیکھا تھا۔

نگیندر بابو نے مسکرا کر کہا" شرماتی ہے آخر لڑکی ہی تو ہے نا"

نگیندر بابو دو روز گھر سے باہر رہے۔ ایک ضروری کام سے پٹنہ گئے تھے نقشہ تیار کرنے والے کو سمجھا کر جب وہ نہا دھو کر کپڑے بدل کر کھانا کھانے لگے تو شام کا دھندلکا رات کی تاریکی میں بدل رہا تھا۔ رادھا آج کچھ تھکی ہوئی تھی۔ وہ اُٹھ کر سونے کے کمرے میں چلی گئی۔ سیتا ہی کھانا پروس رہی تھی۔ نگیندر بابو کھانا

کھا چکے تو وُہ اُن کے سامنے دُوسری کُرسی پر بیٹھی رہی - آج وہ خلافِ معمول اُداس اور خاموش سی نظر آتی تھی - نگیندر بابو ڈھاکہ سے آیا ہُوا بنگالی کا ایک اخبار پڑھنے لگے تو سیتا نے جھنجلا کر کہا ۔ "آپ اپنے کاموں میں ہی مصروف رہیں گے یا کسی سے بات بھی کریں گے ۔"

"ہُوں ۔" کہہ کر نگیندر بابو اخبار کے مطالعہ میں مصروف رہے ۔

سیتا اور بھی جھنجلا اُٹھی - ایک لمحہ خاموش رہنے کے بعد اُس نے کہا ،

"آپ کو مجھ سے اِس قدر نفرت کیوں ہو گئی ہے "

نگیندر بابو نے چونک کر کہا ۔ "اچھا تو تم ابھی تک یہاں بیٹھی ہُوئی ہو - پگلی کہیں کی - کھانا تو کھا لو ۔"

"آج میری طبیعت ٹھیک نہیں ۔"

"کیوں"

"یونہی صُبح کا کھانا دیر سے کھایا تھا ، اس لئے بُھوک نہیں ۔" سیتا نے بہانہ کرتے ہُوئے کہا ۔

اور نگیندر بابو پھر اخبار کا مطالعہ کرنے میں مصروف ہو گئے ۔

سیتا نے اب کے اُن کے ہاتھوں سے اخبار چھین لیا اور کہنے لگی ۔ —

"جب دیکھو کبھی نہ کبھی کسی کام میں مصروفیت - مَیں پُوچھتی ہُوں کہ ہم سے اتنی نفرت کیوں ہو گئی آپ کو "

نگیندر بابو نے مُسکرا کر کہا ۔ "پگلی کہیں کی ! تم سے نفرت کر سکتا ہُوں کیا ؟"

"مگر محبت بھی تو نہیں رہی ۔" سیتا نے یہ بات تیزی سے کہہ تو دی مگر دُوسرے لمحے

ہی نسوانی حیا غالب آجانے پر اُس نے سر جھکا لیا۔

نگیندر بابو نے دیکھا — آج پھر اُس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے! وہ چونک پڑے۔ رادھا کے نام کانتا نے جو خط لکھا تھا، اُسے پڑھ کر انہیں پہلے بھی کچھ شک ہُوا تھا۔ اب سیتا نے محبّت اور نفرت کی جو بحث کئی دن کے بعد ایک بار پھر چھیڑ دی اُس نے نگیندر بابو کا شک اور بھی بڑھا دیا۔ اُس وقت وہ کھانا کھا رہے تھے مگر اُن کا دھیان رادھا کے خط اور سیتا کی باتوں کی طرف تھا، اِس لئے خیال ہی نہ آیا کہ آج سبزی میں نمک ہی نہیں اور جب خیال آیا تو سیتا کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر انہوں نے کہا — "تم اپنے لئے کھانا لاؤ سیتا"

"کہہ چکی ہوں کہ مجھے بھوک نہیں۔"

"مگر میں کہتا ہوں کہ تمہیں میرے سامنے کھانا پڑے گا۔"

سیتا خاموش ہی بیٹھی رہی —

نگیندر بابو نے اُٹھ کر اُسے بازو سے پکڑ کر دھمکاتے ہُوئے کہا "جانتی ہو، کہ نہیں۔ اگر تم کھانا نہیں کھاؤ گی تو مَیں بھی نہیں کھاؤں گا۔"

سیتا نے سنجیدگی سے اُن کی طرف دیکھا اور پھر کہنے لگی "آپ تو خواہ مخواہ غصّہ ہو رہے ہیں۔ مَیں سچ کہتی ہُوں کہ مجھے بھوک نہیں۔"

"مَیں سب کچھ جانتا ہوں" نگیندر نے کہا "کھانا لاتی ہو کہ نہیں"

اور پھر سیتا کو رسوئی کی طرف دھکیلتے ہوئے اُنہوں نے کہا — "آج کل نہ جانے تمہیں کیا ہو گیا ہے — کھانا تیار کرتے وقت سبزی میں نمک ڈالنا بھی بھول جاتی ہو۔"

سیتا نے چونک کر دیکھا اور پھر مُسکراتے ہُوئے کہنے لگی — "بہت بڑی غلطی

ہو گئی بابوجی!" اور وہ رسوئی گھر میں داخل ہو گئی۔
چند لمحوں کے بعد جب وہ مسکراتی ہوئی اِس کمرے میں آئی تو اپنے لئے بھی کھانا
لے آئی۔
نگیندر بابو کھانا کھاتے ہوئے دیکھ رہے تھے کہ سیتا کی توجہ اُن کی طرف
ہی ہے اور اگر آج اُسے موقعہ ملا تو وہ بحث کئے بغیر نہ رہے گی مگر اتفاق کی بات ہی
تھی کہ رادھا نے تیزی سے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا "نگیندر بابو آپ کو کوئی
بُلا رہا ہے۔"
سیتا جھنجھلا اُٹھی۔ نگیندر بابو مسکرائے۔ رادھا پیغام دیتے ہی نیچے اُتر
گئی۔ جب نگیندر بابو سیڑھیوں سے نیچے اُترنے لگے تو سیتا نے کہا "کب آئیں گے آپ؟"
نگیندر نے پیچھے مُڑ کر دیکھا "کیوں کیا بات ہے؟"
"یونہی"
نگیندر نے دیکھا۔ سیتا کی آنکھوں میں پھر آنسو مچل رہے تھے۔ وہ سمجھ گئے
آنسوؤں کا مطلب۔ آج اُن کی اپنی خواہش بھی تھی کہ سیتا سے کھل کر بات چیت کریں
اور انہوں نے سوچا بھی یہی کہ لوٹتے ہی وہ سیتا سے بات چیت کریں گے۔
سیتا کو اس حالت میں دیکھ کر وہ اُلٹے قدم لوٹے۔ اُس کے نزدیک آکر
اُس کے آنسوؤں کو پونچھتے ہوئے انہوں نے کہا "پگلی کہیں کی۔ ذرا سی بات پر بھی کوئی
اِس طرح بگڑ جاتا ہے۔"
اور پھر اِس کے ردِ عمل کا انتظار کئے بغیر وہ نیچے اُتر گئے۔

عورت دنیا کی سب سے بد نصیب مخلوق ہے

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز

نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

عام لوگ پبلک خدمت کو مادی ترقّی کا ایک زینہ سمجھتے ہیں لیکن اِس زندگی میں قدم رکھنے والا کوئی انسان اگر صدقِ دلی سے کام کر رہا ہو تو پبلک خدمت ایک بیماری کی طرح اُسے چمٹ جاتی ہے۔ وُہ اِسے چھوڑنا چاہے تو بھی چھوڑ نہیں سکتا۔ یہی حالت نگینہ کی ہو رہی تھی۔ وُہ گھر سے نکلے تھے تو یہ وعدہ کر کے کہ جلد ہی لوٹ آئیں گے مگر جس لڑکی کو برآمد کرنے کے لئے دوڑ دھوپ شروع کی تھی، اس کے متعلق معلوم ہؤا کہ وہ دار جیلنگ پہنچا دی گئی ہے اور اگر اغوا کرنے والے کا پیچھا نہ کیا گیا تو لڑکی غائب کر دی جائے گی، یہ جنون اُنہیں سیتا اور رادھا کو کوئی اطلاع دئے بغیر دار جیلنگ لے آیا۔ اُنہوں نے اطلاع دی تو ایک ڈرائیور کی معرفت اور اب وہ دِن بھر دوڑ دھوپ کرنے اور لڑکی کا پتہ معلوم کرنے کے بعد آدھی رات کے وقت پولیس کے ہمراہ بستی سے باہر ایک مکان کے اِردگرد گھیرا ڈالے پڑے تھے۔

پولیس بستی کے مخبروں سے پُوچھ رہی تھی۔ اغوا کرنے والے کا نام تھا رحیم اور لڑکی کا نام زبیدہ۔ چٹگاؤں کے ایک امیر گھرانے کی لڑکی تھی۔ رحیم اُسے ایک موٹر بوٹ پر مشکیں کس کر لایا تھا۔ یہ بیان زبیدہ کے بھائی نے دیا تھا۔ وُہ دوپہر کو اپنی بہن سے اِسی مکان میں مِل کر آیا تھا۔ رحیم نے اُسے بتایا تھا کہ یہ اُس کی غیرت کا سوال ہے کہ جو لڑکی ایک بار اُس کے قبضے میں آجائے وہ ہر حالت میں اُس کے پاس رہے گی،

دُنیا کی کوئی طاقت اُسے اُس سے چھین نہیں سکتی - البتہ اُنہوں نے زبیدہ کے بھائی کو یہ اجازت دے دی تھی کہ وہ اُسے جب چاہے مل سکتا ہے -

تاہم جب پولیس نے مکان کو گھیر لیا اور گھر کی عورتوں سے دریافت کرنا شروع کیا تو اُنہوں نے کہا ـــ رحیم شام کے وقت ہی زبیدہ کو لے کر کہیں چلا گیا ہے -

نمبردار کہہ رہا تھا کہ رحیم دو دن سے گاؤں میں نہیں آیا -

نگیندر کو دونوں بیان غلط معلوم ہوتے تھے - گھر کی عورتوں کو تو رحیم کے متعلق یہی کہنا چاہیے تھا - مگر نمبردار رحیم کے خوف سے غلط بیانی کر رہا تھا، ممکن ہے اُس کا بھی اس بدمعاش سے کوئی تعلق ہو - رحیم ایک نامی غنڈہ تھا - اس بات پر یقین کرنے میں کوئی شک نہ تھا - کیونکہ پولیس اس سے ڈرتی تھی - ابتدا میں پولیس والوں نے یہ کہہ کر نگیندر بابو کی امداد کرنے سے انکار کر دیا تھا کہ ـــ رحیم سے جھگڑا مول لینا آسان نہیں، مگر جب نگیندر بابو نے زبیدہ کو چھڑانے کے لیے تن تنہا جانے کا ارادہ ظاہر کیا تو پولیس کا رویّہ بدل گیا - رحیم کے مکان کی تلاشی لی گئی مگر نہ تو رحیم کا کچھ پتہ چلا، نہ زبیدہ کا ـــ یہ لوگ مایوس ہو کر چلے جاتے مگر اُمید کی ایک کرن نظر آئی رحیم کے گھر کی عورت جھنجھلا کر کہہ رہی تھی ـــ "ہمیں کیا پتہ تھا کہ یہ چڑیل ہمیں اس قدر پریشان کرے گی - ہم تو اِسے فروخت کرنے کے لئے لائے تھے مگر اُلٹا مصیبت میں پھنس گئے - نگیندر بابو چونک پڑے - اُنہوں نے کہا "تو کیسی عورت کو فروخت کرنا تمہارے نزدیک جرم نہیں"

وہ عورت بگڑ کر بولی "اِس میں جرم کی بات ہی کیا ہے - باپ دادا کے وقت سے ہم لوگ یہی کام کرتے آئے ہیں یہی ہمارا دھندا ہے - اِسے چھوڑ دیں تو کھائیں

کہاں سے؟

کس قدر صداقت بیانی تھی! نگیندر بابو کیلئے یہ نئی بات نہیں تھی، کیونکہ "سوناگاچھی" میں کئی بار اُس نے کئی لڑکیوں کی زبان سے سُنا تھا — "جائیے صاحب اپنا راستہ لیجئے مگر ہم اپنی مرضی سے یہاں بیٹھی ہوئی ہیں!"

اور جب نگیندر بابو کہتے — "کیا عورت ہو کر تمہیں اس جگہ پر بیٹھے ہوئے شرم نہیں آتی؟"

تو وہ کھِلکھِلا کر کہتیں — "کیوں؟ اس میں بُرائی کی کونسی بات ہے - یہ ہمارا دھندا ہے باپ دادا کے وقت سے ہم لوگ یہی کام کر رہے ہیں - آپ کے کہنے سے کیوں چھوڑ دیں!"

"مگر جو بات بُری ہوتی ہے اُسے چھوڑ ہی دینا چاہیئے" نگیندر بابو کہتے۔

"ہمیں تو اس میں کوئی بُرائی نظر نہیں آتی - ہم یہاں سے کسی حالت میں نہیں جائیں گے" اُدھر سے جواب ملتا -

درحقیقت پشتوں سے ایک خاص ماحول میں رہنے کی وجہ سے یہ لوگ اچھائی اور بُرائی کے اس تصوّر کو آسانی سے اپنا نہیں سکتے - جسے مہذب سماج نے ایک عقیدے کے طور پر اختیار کر رکھا ہے - جن لڑکیوں کو بچپن سے ہی سکھایا گیا ہو کہ شادی غلامی کا دوسرا نام ہے - شادی کرنے والی عورتیں تمام عمر خاوند کی غلام بنی رہتی ہیں اور ذلیل ہوتی رہتی ہیں یا پسٹتی رہتی ہیں، انہیں عصمت فروشی اس قدر گھناؤنی نظر نہیں آتی - ایسی لڑکیاں عام طور پر عصمت فروشی کے اڈوں کو چھوڑنے کو تیار نہیں ہوتیں - غیر معمولی حالات میں ہی وہ زندگی کا نظریہ بدلتی ہیں،

یا تو انہیں مار پیٹ کی جاتی ہو، یا وُہ کسی کی محبّت میں مُبتلا ہو جائیں ورنہ عام طور پر ان کی تمام زندگی اِسی ماحول میں گُزر جاتی ہے جو عام لوگوں کی نگاہوں میں دوزخ سے بھی بدتر ہے اِسطرح جو مرد اور عورتیں بردہ فروشی کے دھندے میں پھنس جائیں، اس گھناؤنی زندگی سے اُنہیں ذرا بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں ہوتی ــــ

نگیندر بابو یہی باتیں سوچ رہے تھے انہیں ایک اور واقعہ کی یاد بھی آئی جب کچھ دن پہلے ایک ہٹے کٹے نوجوان سے اُنہوں نے کہا تھا "تمہیں شرم نہیں آتی کہ اپنی بہن کو "سوناگاچھی" میں بیٹھا کر اُس کا جسم فروخت کر رہے ہو"

تو اُس نے نرمی سے کہا ــــ "تو اور کیا کروں"؟

"تندرست اِنسان ہو" نگیندر بابو نے کہا تھا "کوئی دھندا کر لو۔ تمہاری طرح کے اَن گنت دُوسرے لوگ بھی تو کئی طرح کے کاروبار کرتے ہیں"

وُہ نہایت ڈھٹائی سے مُسکرا دیا، کہنے لگا ــــ "صاحب! ہمارے بال بچے شاید اس دھندے کو چھوڑ دیں کیونکہ اب آپ لوگوں کی وجہ سے عوام ہمارے دشمن ہو رہے ہیں مگر ہمارے لئے تو کوئی دُوسرا دھندا اختیار کرنا مُشکل ہے۔

نگیندر بابو سمجھ گئے کہ اس ہٹے کٹے شخص کے جسم کی رُوح مُردہ ہو چُکی ہے۔ اِنسانی جسم کی جو حِس انسان میں غیرت کا سچا یا جھوٹا جذبہ بیدار رکھتی ہے وُہ پُشتوں سے گندگی کے انبار لگنے سے دب گئی ہے۔ اِس لئے کوئی ٹھوکر ہی ایسے انسانوں کو صحیح راستے پر لا سکتی ہے۔ نگیندر بابو ایسے حالات میں سوچتے ــــ کاش میرے ذرائع وسیع ہوں تو مَیں ان لوگوں کے تمام بچّوں کو قانون کی امداد سے اُن سے چھین لوں۔ انہیں ایک نئے ماحول میں جس پر اُن کے والدین کا کوئی اثر نہ پڑے۔ یہی

بچے بڑے ہو کر قوم کے رہنما بن سکتے ہیں - مگر دل مسوس کر رہ جاتا، اُسے چاروں طرف مایوسی اور بے بسی نظر آتی ہے۔"

جو عورت لڑکی کو بیچنے کی بات بڑے فخر سے کہہ رہی تھی، اُس کی ذہنی حالت پر نگیندر بابو کو ترس آ رہا تھا -

اتنے میں نگیندر بابو کے ایک ساتھی نے چلا کر کہا " وہ دیکھو چھت پر کوئی آدمی جا رہا ہے!!

نگیندر بابو چونک پڑے - دُوسرے لمحے وُہ اور اُن کے ساتھی بجلی کی سی تیزی سے چھت پر چڑھ گئے - اُنہوں نے صاف صاف دیکھا کہ ایک آدمی ایک لڑکی کو اُٹھائے ہوئے دوسری طرف گلی میں کود گیا ہے -

سب لوگ اُسی طرف بھاگے مگر دُور دور تک اُس کا کوئی نشان نظر نہیں آیا - وہ شخص کہاں غائب ہو گیا تھا، یہ بات سمجھ میں نہیں آتی تھی -

ٹارچ کی روشنی میں اُنہوں نے بہت دُور دُور تک ڈھونڈنے کی کوشش کی مگر کچھ پتہ نہیں چلا -

لوٹتے ہوئے اچانک شک پڑا - ایک مکان کے باہر کے دروازے پر تالا لگا ہوا تھا - تالا توڑ دیا گیا - مکان کے اندر داخل ہوئے تو ایک کمرہ اندر سے بند تھا - اُسے کھٹکھٹایا گیا تو رحیم باہر نکل آیا - اُس نے گرج کر کہا " آپ کیا چاہتے ہیں"

" زبیدہ کو ہمارے حوالے کر دو" نگیندر بابو نے کہا -

رحیم نے آگے بڑھ کر کہا " زبیدہ یہاں نہیں ہے - میرے ساتھ چلو، ابھی بتاتا ہوں"

یہ کہہ کر رحیم نے نگیندر بابو کو زور سے ایک دھکّا دیا۔ وہ وہیں گر پڑے اور رحیم بھاگ کر یہ جا وہ جا۔ رات کی تاریکی نے اُسے غائب ہو جانے میں بڑی امداد دی۔

نگیندر بابو اکیلے رہ گئے تھے۔ سیمنٹ کے فرش پہ گرنے کی وجہ سے اُنہیں سخت چوٹ آئی تھی۔ پیشانی اور کہنیوں سے خون بہنے لگا۔ اس کے باوجود وہ کمرے میں داخل ہو گئے۔ دیا سلائی سے روشنی کی، اور اس روشنی میں بجلی کا بٹن دبا کر انہوں نے دیکھا تو بوری لڑھکتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔

اِس میں زبیدہ بند تھی۔ رحیم نے اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر منہ میں کپڑا ٹھونس کر بوری میں بند کر دیا تھا۔ اگر نگیندر بابو نہ آتے تو شاید وہ دم گھٹنے سے مر جاتی۔ نگیندر بابو کو دیکھ کر اُس کی نگاہیں شرم اور شکریہ کے احساس سے جھک گئیں۔ اِتنے میں اس کا بھائی کمرے میں داخل ہوا تو وہ اُس سے لپٹ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

رحیم غائب ہو گیا تھا، نجانے کہاں۔ نگیندر بابو نے یہی غنیمت سمجھا کہ زبیدہ رہا ہو گئی ہے۔

پولیس میں بیان قلم بند کرانے کے بعد جب نگیندر بابو زبیدہ اور اُس کے بھائی کے ہمراہ کلکتہ لوٹنے لگے تو اُن کی پیشانی اور کہنیوں پہ پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔

زبیدہ چٹگاؤں میں رہنے والے ایک سرکاری افسر کی لڑکی تھی۔ فرقہ وارانہ فساد ہوئے تو وہ کالج سے گھر لوٹ رہی تھی، جان بچانے کے لئے اس نے رحیم کے پاس پناہ لی تھی۔ یہی رحیم اب اُسے یہ جھکمہ دے کر ہندوستان لے آیا تھا کہ اُس کے والدین پاکستان سے بھاگ کر کلکتہ چلے گئے ہیں۔ رحیم درحقیقت دارجیلنگ کے

مزہ یک ایک گاؤں کا رہنے والا تھا اور کئی بار سزا یافتہ ہونے کی وجہ سے دس نمبر کے بدمعاشوں کی فہرست میں اُس کا نام درج تھا۔ پولیس اور گاؤں والے اُس سے خوف زدہ تھے، اس لئے ان میں اُس پر ہاتھ ڈالنے یا اس سے دشمنی مول لینے کی جرأت نہیں تھی۔

کوئی ایک ہفتے کے بعد زبیدہ چٹگاؤں روانہ ہو گئی۔ اس کے والد صاحب کو اطلاع دینے اور روانگی کا انتظام کرنے میں اتنے دن لگ جانا غیر معمولی بات نہیں تھی۔ اس دوران میں زبیدہ نگیندر بابو کے مکان پر ہی رہی معلوم نہیں، سیتا کو یہ بات کیوں پسند نہ آئی تھی۔ زبیدہ کے آنے کے دوسرے دن بعد سے اُس نے نگیندر بابو سے کوئی بات چیت نہیں کی تھی۔ کھانا تیار کرتی تو بھی رادھا کے ہاتھ بھجوا دیتی یا خاموشی سے پروس کر واپس چلی جاتی۔ زبیدہ چلی گئی۔ نگیندر بابو اُسے اسٹیشن پر چھوڑ کر واپس آئے تو تھکے ہوئے تھے۔ اپنے کمرے میں داخل ہو کر کپڑے تبدیل کئے بغیر چارپائی پر لیٹ گئے۔ سیتا آہستہ آہستہ کمرے میں داخل ہوئی۔ اُس کے ہاتھ میں ایک تصویر تھی۔ اُسے میز پر ایک پیپر ویٹ کے نیچے رکھ کر وہ جونہی لوٹنے لگی۔ تو نگیندر بابو نے چونک کر کہا۔ "کیا ہے"؟

سیتا نے تصویر اُٹھا کر اُن کی طرف پھینکتے ہوئے کہا۔ "غالباً آپ نے اپنی یہ تصویر

زبیدہ کو دی ہو گی، اُس کی غلطی سے گر گئی - آپ کو واپس دینے آئی ہوُں، ممکن ہے آپ اُسے زبیدہ کے پاس بھیجنا چاہتے ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ ایک طرف کھڑی رہی - نگیندر بابو نے تصویر دیکھی اور اُسے پھر پیپر ویٹ کے نیچے رکھ دیا۔

تھکان کی وجہ سے اُنہیں نیند آ رہی تھی - بیتا غالباً چاہتی تھی کہ نگیندر بابو کوئی تبصرہ کریں، اسی کا انتظار کرنے کے لئے وُہ خاموشی سے کھڑی رہی، لیکن جب دُوسری طرف سے کسی نے بات چیت نہ کی تو وُہ جھنجھلا اُٹھی - آہستہ آہستہ کہنے لگی۔" آپ کو شاید مجھ پر شک ہو، مگر میں کہتی ہوُں کہ میں نے یہ تصویر اُن کی کتاب سے اُڑائی نہیں بلکہ اُن سے خود ہی گِر گئی تھی -"

نگیندر بابو نے یہ بات سُنی تھی یا نہیں یہ اُنہیں کو معلوم ہو سکتا تھا مگر بحث شروع کرنے کے لئے جس کے سینے میں آگ سی سلگ رہی تھی وہ نگیندر بابو کی خاموشی سے اور بھی سٹپٹا اُٹھی - اُس نے دو قدم آگے بڑھ کر کہا -" اگر آپ حکم کریں تو آپ کی طرف سے میں ہی اِسے زبیدہ کے پاس بھیج دوں۔"

"نہ مجھے نیند آ رہی ہے اب جاؤ، دماغ خراب نہ کرو۔" نگیندر بابو نے کروٹ بدلتے ہوُئے کہا۔

"تو آپ اتنی سی بات پر ناراض ہو گئے۔" بیتا نے قدرے بلند آواز میں کہا "سچ کہتی ہوُں کہ میں نے اِسے چرایا نہیں - یہ سب کچھ اتفاق سے ہی ہو گیا۔"

معلوُم نہیں نگیندر بابو نے اِسکا مطلب سمجھا تھا، یا نہیں - البتہ اُنہوں نے جھنجھلا کر کہا-" ٹھیک ہے، سب کچھ اتفاق سے ہی ہوُتا ہے مگر اس وقت مجھے آرام کرنے

بھی دو گی یا نہیں"

"جاتی ہوں" سبیتا نے غصّہ میں آکر کہا — "مَیں جب بھی بات کروں، آپ کو غصّہ آجاتا ہے۔ اب جاتی ہوں اور کہے دیتی ہوں، کہ آپ بلائیں گے تو بھی نہیں آؤں گی"

اور وُہ ناگن کی طرح پھنکارتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔ نگیندر بابو نے اطمینان کا سانس لیا اور سو گئے۔

اس کے بعد تین روز نگیندر بابو بے حد مصروف رہے۔ سیتا سے کوئی بات چیت نہیں ہوئی اور نہ ہی سیتا نے کوئی بات چیت کرنے کی کوشش کی۔

چوتھے روز شام کو نگیندر بابو کھانا کھا کر اپنے کمرے میں جا کر آشرم کے نقشے کا معائینہ کر رہے تھے۔ کہ اُنہیں چھت پر کھٹ کھٹ کی آواز سنائی دی، یہ آواز مختصر سے وقفہ کے بعد پھر شروع ہو جاتی۔ جھنجھلا کر اُنہوں نے آواز دی "یہ کیا شور شرابہ ہو رہا ہے"

آواز بند ہو گئی مگر جونہی نگیندر بابو کام کرنے لگے پھر کھٹ کھٹ ہونے لگی۔ اب کے تنگ آ کر نگیندر بابو سیڑھیوں پر چڑھ گئے۔ رات کا وقت تھا، کمرے میں مدھم سی روشنی تھی۔ اندر کوئی بھی نہیں تھا مگر جونہی وُہ باہر نکلے، اُن کے سامنے سیڑھیوں میں سیتا کھڑی تھی، اور بجلی کی روشنی سے سیتا کے سر کے بال تک واضح طور پر دکھائی دیتے تھے۔ وُہ خاموشی سے بُت کی طرح کھڑی تھی، اس کی دونوں بڑی بڑی سیاہ آنکھیں گورے چٹے حسین چہرے پر چمک رہی تھیں، آج خلاف معمول اُس نے دو چوٹیاں کر رکھی تھیں۔ دھانی جمپر پہ دھانی رنگ کی ساڑھی پہنے ہوئے —

"کیا ہے؟" اُنہوں نے غصّہ سے کہا۔

سیتا سنجیدگی سے کھڑی رہی۔ انہیں یوں محسوس ہوا، گویا وہ اُن کی آنکھوں میں ڈوب کر دیکھنا چاہتی ہو۔

"جانتی نہیں میں ایک ضروری کام کر رہا ہوں۔" انہوں نے غصّہ میں کہا۔

"تو میں کیا کہتی ہوں" یہ کہہ کر وہ سٹپٹائی ہوئی اُوپر چڑھ گئی۔ اور تیزی سے کمرے میں داخل ہو گئی۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی اُس نے دروازہ بند کر لیا اور بجلی کا بٹن دبا کر روشنی گل کر دی۔

نگیندر بابو ہکے بکے رہ گئے۔ چند لمحے خاموشی سے کھڑے رہے اور پھر نیچے اُتر گئے ——

دُوسرے یا تیسرے دن نگیندر بابو اوپر کے کمرے میں کرسی پہ بیٹھے ہوئے کسی سے ٹیلی فون پر باتیں کر رہے تھے کہ سیتا آہستہ آہستہ سیڑھیاں چڑھتی ہوئی کمرے میں داخل ہو کر کھڑی ہو گئی۔

نگیندر بابو نے اُسے نگاہ بھر کر بھی دیکھنے کی کوشش نہیں کی۔ بات چیت کے بعد انہوں نے ریسیور رکھتے ہوئے کہا۔ "کیوں کیا بات ہے"

سیتا کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور مٹ گئی۔ اُس نے نگاہیں نیچے کئے ہوئے کہا۔ "آپ نے مجھے بلایا تھا؟"

"نہیں تو ——"

اُس کے چہرے کا رنگ زرد پڑ گیا۔ ہچکچاتے ہوئے اُس نے کہا۔ "میں سمجھی تھی کہ آپ نے مجھے بلایا ہے"

نگیندر بابو حیران رہ گئے۔ انہوں نے کہا۔ "نہیں، میں نے نہیں بلایا" اور

اور وُہ کمرے سے باہر نکل کر سیڑھیوں سے نیچے اُترنے لگے۔

نگیندر بابو نے کچھ سوچا اور اُس کے بعد آواز دی۔ "سبیتا اِدھر آؤ" وہ آہستہ آہستہ کمرے میں داخل ہو گئی۔

نگیندر بابو نے سنجیدگی سے کہا۔ "پہلے تو نہیں بلایا تھا مگر اب بُلا رہا ہوں کل رات تُم مجھ سے کوئی بات کہنا چاہتی تھیں۔ تمہارا اشارہ سمجھ کر بھی میں خاموش رہا۔ آج بھی بن بلائے کمرے میں آجانے کا مطلب یہی تھا۔ مَیں محسوس کر رہا ہوں کہ آج کل تمہارے دِل میں سینکڑوں ارمان مچل رہے ہیں۔ میں انہیں کے متعلق بات چیت کرنا چاہتا ہوں"

سبیتا کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔

نگیندر بابو کمرے سے باہر نکلے۔ ایک چھوٹے سے راستے سے گزر کر تیسری منزل کے برآمدے میں پہنچے۔ سبیتا کی طرف دیکھ کر انہوں نے کہا۔ "اِدھر آؤ"

اور وُہ برآمدے سے باہر نکل کر کھُلی چھت کے سیمنٹ کے فرش پر کھڑے ہو گئے ۔۔۔ رات بھیگ چکی تھی، آسمان پر پُورنیما کا چاند پورے جوبن پر تھا۔ اور اُس کی روشنی ساری چھت پر پڑ رہی تھی۔ سبیتا نگیندر بابو سے کچھ فاصلے پر کھڑی ہو گئی۔ اُس نے دھانی رنگ کی باریک سی ساڑھی پہن رکھی تھی۔ سر کے کالے سیاہ بال کھُلے ہوئے تھے اور اُسکے چاند سے چہرے پر نسوانی حیا چھائی ہوئی تھی۔

نگیندر بابو نے کہا۔ "اب بتاؤ کیا کہنا چاہتی ہو؟"

سبیتا خاموش رہی اُس نے ایک بار کنکھیوں سے نگیندر بابو کی دیکھا اور پھر نگاہیں جھکا لیں۔

نگیندر بابو نے آرام کرسی کھینچ لی۔ بیتا کی طرف دیکھ کر انہوں نے کہا
"بیٹھ جاؤ"
وہ بیٹھ گئی ——
نگیندر بابو سامنے چارپائی کھینچکر بیٹھ گئے۔ انہوں نے کہا "صاف صاف بتادو تم کیا چاہتی ہو"
سبیتا پہلے تو خاموش رہی۔ اس کے بعد ہچکچاتے ہوئے اور اپنے لبوں پر خفیف سی مسکراہٹ لاتے ہوئے اس نے کہا ——"آپ روزانہ مجھے بڑے غور سے کیوں دیکھتے ہیں۔"
"نہیں تو" —— نگیندر بابو نے سنجیدگی سے کہا
سیتا کہنے لگی —— "آپ خواہ مخواہ اس بات کو چھپاتے ہیں۔ مگر میں نے ہمیشہ اس بات کو نوٹ کیا ہے کہ مجھ میں آپ کو دلچسپی ہے"
"یہ درست ہے" نگیندر بابو نے کہا "دلچسپی تو قدرتی ہے"
سیتا نے ایک گہرا ٹھنڈا سانس لیا۔ اس نے کہا "اسی لئے میں بھی اپنے آپ کو آپ کے نزدیک سمجھنے لگی"
"کوئی بُری بات نہیں" نگیندر بابو نے کہا۔
"آپ کو دیکھ کر میں تمام دنیا کو بھول گئی ہوں" سبیتا نے قدرے جرأت سے کہا۔ اس دوران میں اس نے نگیندر بابو کی طرف دیکھا۔ مسکرائی اور پھر سنجیدگی سے کہنے لگی۔
"آپ کے سوا مجھے کسی سے محبت نہیں رہی۔ سب کو بھول چکی ہوں مگر۔۔۔"

وُہ رُک گئی ـــــ

نگیندر بابو نے سنجیدگی سے کہا۔ خاموش کیوں ہو گئی ہو ـ کہتی جاؤ "

سیتا کہنے لگی "مگر مجھے افسوس ہے کہ آپ مجھ سے ذرا بھی محبت نہیں کرتے محبت کرتے ہیں، تو بھی ظاہر نہیں ہونے دیتے "

نگیندر بابو کو ہنسی آ گئی ـ اُنہوں نے کہا ـ "پہلے تو یہی غلط ہے کہ مجھے تم سے محبت نہیں ـ مجھے تم سے محبت ہے اور اسے کبھی پوشیدہ رکھنے کی کوشش نہیں کی "

سیتا کہنے لگی ــ "یہی تو میں بھی سوچتی ہوں کہ آپ ہر روز مجھے غور سے دیکھتے ہیں ـ مجھ میں دلچسپی بھی لیتے ہیں اور اس کے باوجود نہ جانے کیوں سنجیدہ رہتے ہیں"

نگیندر بابو خاموش رہے ـــــ

اور سیتا کہتی گئی "جب سے اس گھر آئی ہوں، یوں محسوس ہو رہا ہے گویا یہ میرا اپنا گھر ہے ـ آپ کے البم میں رکھی ہوئی آپ کی تصویریں مجھے بہت اچھی لگتی ہیں ـ جب آپ نہیں ہوتے، تو میں انہیں دیکھتی رہتی ہوں ـ رات کو جب تک آپ گھر نہیں آتے مجھے نیند نہیں آتی ـ آپ جلدی اُٹھیں یا دیر میں، آپ کے پاؤں کی آواز سنتے ہی نیچے اُتر آتی ہوں اور جب تک آپ نہ کہیں اُوپر نہیں جاتی ـ معلوم نہیں آپ نے مجھ پر کیا جادو کر دیا ہے "

نگیندر بابو مسکرا دیئے ــ

وُہ جھنجھلا اُٹھی، کہنے لگی ــ "تو میری باتوں کو مذاق سمجھ رہے ہیں آپ ـ بات یہ ہے، تو میں جا رہی ہوں "

وُہ اُٹھی اور ساڑھی کا آنچل سنبھال کر جانے لگی، نگیندر بابو نے اُسے بازو

سے پکڑ کر کہا ۔۔۔ "بیٹھو ۔۔"

وُہ ضد کرنے لگی، مگر نگیندر بابو نے اُسے زبردستی کرسی پر بٹھا دیا۔ اب کے وُہ مُسکرا دی۔

ایک لمحہ بعد اُس نے کہا ۔۔ "مَیں پوچھتی ہُوں کہ آپ مجھ سے ناراض کیوں رہتے ہیں ۔۔"

"نہیں تو ۔۔۔" نگیندر بابو نے مُسکراتے ہُوئے جواب دیا۔

"اچھا سچ سچ بتائیے کہ کیا آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں؟" وُہ پھر پُوچھنے لگی۔

نگیندر بابو نے مُسکرا کر کہا ۔۔۔ "کیوں نہیں"

"مجھ سے زیادہ آپ کو کس سے محبت ہے؟"

"کسی سے نہیں"

"سچ کہہ رہے ہیں آپ ؟"

"تو کیا تم اسے جھُوٹ سمجھتی ہو"

وہ مُسکرا دی کہنے لگی ۔۔۔ "آپ کی باتوں پر مجھے پُورا بھروسہ ہے مگر کبھی کبھی سوچتی ہُوں کہ محبت کرنے والے سنگ دِل کیوں ہوتے ہیں"

نگیندر بابو نے مُسکرا کر کہا ۔۔۔ "یہ میرے متعلق ارشاد ہُوا ہے؟"

وُہ جھینپ گئی کہنے لگی ۔۔ "آپ جیسا انسان تو مَیں نے آج تک نہیں دیکھا ایسا دن رات دُوسروں کی سیوا کرتے کرتے تھک جاتے ہوں گے، مجھے ہمیشہ اس بات کا احساس رہتا ہے، کبھی آپ کے چہرے پر تھکان کے آثار دیکھتی ہُوں تو مجھے بیحد تشویش ہوتی ہے۔ بھگوان کے اتنے لمبے چوڑے سنسار میں آپ تنہا ہیں ۔ یہ دیکھ

کرنے مجھے آپ سے اور بھی ہمدردی ہوتی ہے - ایسا اِنسان اِنسان نہیں دیوتا ہے - تنہائی میں خاموشی سے آپ کی پُوجا کرتی رہتی ہُوں - بھگوان سے پرارتھنا کرتی ہُوں کہ مجھے آپ کی سیوا کرنے کے لئے آپ کے نزدیک رکھے - اچھا! آپ ہی بتائیں کہ مجھے یہ سیوا کرنے کا موقعہ مِل سکتا ہے؟"

نگیندر بابو اب بھی سنجیدہ ہی رہے - اُنہوں نے کہا —" سیتا! میں سنسار میں اکیلا نہیں۔ مجھے چاروں طرف اپنے ہمدرد اور مربّی انسان نظر آتے ہیں - میرا کوئی دُشمن نہیں - ہر ایک مجھ سے ہمدردی کرتا ہے - پھر بھی اگر تُم مجھے اکیلا سمجھتی ہو تو یہ بتا دینا چاہتا ہُوں کہ میں اِس اکیلے پن کو پسند کرتا ہُوں۔"

سیتا چونک پڑی - اُسے نگیندر بابو کی یہ بات تیر کی طرح چُبھی اُس نے کہا —" تو اِس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نہیں چاہتے کہ میں آپ کے قریب رہُوں۔"

نگیندر بابو نے سنجیدگی سے کہا —" نہیں! میں نے تو کبھی یہ نہیں سوچا کہ تُم سے دُور رہُوں یا تمہیں ایسی جگہ بھیجوں، جہاں سے تُم مجھے کبھی نہ مل سکو۔"

سیتا نے گہری ٹھنڈی سانس لی - کہنے لگی —" کیا آپ تمام عُمر شادی نہیں کریں گے؟"

" ایسی کوئی خواہش کبھی نہیں کی میں نے" نگیندر بابو نے کہا " اور سچ بات تو یہ ہے کہ مجھے اِن باتوں کے سوچنے کے لئے کبھی موقعہ ہی نہیں مِلا"

سیتا کو اور بھی صدمہ پہنچا۔ تاہم اپنے آپکو سنبھالنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا" تو اِس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو مجھ سے محبت نہیں"

نگیندر بابو اپنی جگہ سے اُٹھے۔ چھت پر اِدھر اُدھر ٹہلنے کے بعد اُس کے عین سامنے کھڑے ہو کر انہوں نے سیتا کی ساڑھی کا آنچل اُٹھایا۔ اُس کے سر پر رکھا اور کہنے لگے ــــ " مجھے تم سے محبت ہے"

"کیسی!" سیتا نے اُٹھ کر کہا

چاندنی کھلی ہوئی تھی۔ ٹھنڈی ہوا کا ایک جھونکا تیزی سے آیا۔ سیتا کے سر سے کپڑا کھسک گیا۔ وہ اُسے سنبھالتے ہوئے۔ نگیندر بابو کی طرف بڑھی۔ وہ چارپائی پر بیٹھ گئے تھے۔ سیتا بھی چارپائی پر بیٹھنے لگی۔ نگیندر بابو اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ایک طرف ہو کر انہوں نے کہا

"مجھے یہ باتیں پسند نہیں"

"تو پھر آپ کو محبت ہی کہاں ہے!" سیتا نے کہا

نگیندر بابو دو قدم اور دُور ہو گئے۔ اس کے بعد سیتا کے نزدیک آتے ہوئے اُنہوں نے کہا ــــ "تمہاری کوئی بہن ہے"

"تھی ــــ مگر مر گئی"

"تمہیں اُس سے محبت تھی!"

"کیوں نہیں"

"تمہارے پتا تم سے محبت کرتے تھے"

"کیوں نہیں" سیتا نے کہا ــــ " وہ تو مجھ سے بیحد پیار کرتے تھے"

نگیندر بابو نے سنجیدگی سے کہا۔ "مجھے بھی تم سے اُسی طرح محبّت ہے، جس طرح ایک بھائی بہن سے محبّت کرتا ہے اور باپ اپنی بیٹی سے۔"

سیتا کانپ اُٹھی۔ اُس کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔

نگیندر بابو نے کہا۔ "دیکھو اس گھر میں تمہارے دیکھتے دیکھتے کتنی ہی لڑکیاں آئیں۔ مجھے ان سب سے اسی طرح محبّت تھی۔ میں تمہیں اپنی بیٹی کی طرح پیار کرتا ہوں۔"

سیتا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اُس نے کہا: "مگر میں آپ کو کبھی باپ نہیں سمجھی۔"

"تو یہ تمہاری غلطی ہے۔" نگیندر بابو نے کہا۔ اِتنے دِن اس گھر میں رہ کر بھی تُم مجھے نہیں سمجھیں تو یہ بات بہت افسوس ناک ہے۔"

"تو آپ کو مجھ سے ذرا بھی ہمدردی نہیں!"

"کیوں نہیں۔" نگیندر بابو نے کہا۔ "ہمدردی نہ ہوتی تو تم میں اس قدر دلچسپی کیوں لیتا۔ سچی محبّت تو اِسی کا ہی نام ہے۔"

"مگر میں اسے محبّت نہیں سمجھتی۔"

"تمہاری غلطی ہے۔" نگیندر بابو نے کہا۔ "آج نہیں تو کل سمجھ آ جائے گی کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، وہی تمہارے لئے بہتر ہے۔"

سیتا خاموش رہی۔ ایک لمحے کے بعد اُس نے کہا۔ "آپ کا ارادہ بدل نہیں سکتا کیا؟"

نگیندر بابو نے کہا۔ "تُم جس طرح سوچتی ہو۔ اگر میں بھی اُسی طرح سوچوں

تو یہ گناہ ہوگا۔ مَیں تمہیں اپنی بہن سمجھتا ہُوں اور اسی طرح عمر بھر تمہیں محبّت کرونگا تمہیں بھی اِسی طرح سوچنا چاہیئے۔ یہی ہمارا دھرم ہے اور یہی اخلاق"

"مَیں اسے دھرم اور اخلاق نہیں سمجھتی" کہہ کر وُہ تیزی سے سیڑھیوں کی طرف جانے لگی ــــ

نگیندر بابو تیزی سے بڑھ کر اُس کا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے اور اسے بازو سے پکڑ کر کرسی پر بٹھاتے ہُوئے اُنہوں نے کہا "پاگل نہ بنو سیتا" خلاف توقع اب سیتا کی آنکھوں میں آنسو نہیں آئے۔ اُس نے آسمان کی طرف دیکھا۔ اور پھر ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہُوئے اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑی ہو گئی نگیندر بابو اُسے روکنے لگے ــــ

سیتا کہنے لگی ــــ "آپ روکنے کی کوشش نہ کیجیے۔ مَیں کہیں بھاگنا نہیں چاہتی"

نگیندر بابو نے سنجیدگی سے کہا ــــ "اب تُم کیا کرنا چاہتی ہو"

سیتا ایک طرف ہو گئی ــــ اُس نے کہا "آپ مجھے آشرم میں داخل کرا دیں"

"اچھی بات ہے۔ جب تم کہو گی داخل کرا دوں گا"

"مَیں چاہتی ہُوں کہ آپ کل ہی داخل کرا دیں" سیتا نے کہا "یہاں زیادہ دیر پڑے رہنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ آشرم میں رہ کر کوئی کام سیکھ لوں گی۔ اور اپنے پاؤں پر کھڑی ہو جاؤں گی"

"مجھے منظور ہے" نگیندر بابو نے کہا "پہلے تو مَیں چاہتا تھا کہ تمہاری شادی ہو جائے۔ لیکن تمہاری مرضی نہیں تو مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں"

دُوسرے دن نگیندر بابو نے رادھیکا کے ہمراہ سیتا کو آشرم میں بھجوا دیا۔

کئی دن بعد نگیندر بابو آشرم کا ایک مُستقل ٹرسٹ قائم کرنے کے سوال پر اپنے دوست رائے بہادر شلیندر ناتھ سے بات چیت کرنے کے لیے گوہاٹی گئے۔ رائے بہادر شلیندر ناتھ عُمر میں اُن سے چند برس بڑے تھے۔ چار پانچ ہزار روپیہ ماہوار کی پریکٹس تھی۔ اس پریکٹس کی وجہ سے ایک ایک لمحہ اُن کے لئے بیش قیمتی تھا۔ اس کے باوجُود اِنہیں مجلسی کاموں سے بہت دلچسپی تھی۔ یہ جانتے ہوئے کہ نگیندر بابو اپنی زندگی میں ایک انوکھا تجربہ کر رہے ہیں، انہوں نے چند ایک مرتبہ نگیندر بابو کے آشرم کی مالی امداد کی تھی۔ اور یہ اِن کی تجویز بھی تھی کہ کچھ سرمایہ اکٹھا کر کے آشرم کے لئے ایک ٹرسٹ بنا دیا جائے اور اس روپیہ سے اِس ادارے کو مستقل شکل دی جائے۔ قانونی مزاج ہونے کی وجہ سے وُہ چاہتے تھے کہ ٹرسٹ کے مسودے میں کوئی خامی نہ رہے۔ اُنہوں نے کئی بار اس مقصد کے لئے نگیندر بابو کو گوہاٹی آنے کی دعوت دی تھی۔ نگیندر بابو مصروفیت کی وجہ سے اتنے دنوں باہر نہ جا سکے تھے۔ مگر سیتا کو آشرم میں داخل کرانے کے بعد وہ قدرے بے فکر ہو گئے اور گوہاٹی چلے آئے۔ یہاں آکر اُنہیں کئی اور معلومات حاصل ہوئیں، جو لعنت کلکتہ میں وسیع پیمانہ پر نظر آتی تھی۔ وہ گوہاٹی میں

چھوٹے پیمانہ پر موجود تھی اس کے ساتھ ہی رائے بہادر شیلیندر ناتھ نے اُنہیں بتایا کہ گوہاٹی کے نواحی علاقوں میں بے شمار لوگوں نے یہ کاروبار بنا رکھا ہے کہ وہ پہاڑی لوگوں کی غریبی سے فائدہ اُٹھا کر اُنہیں روپیہ دے کر پہلے تو اُن کی لڑکیوں سے شادی کر لیتے ہیں، اور پھر اس کے بعد کلکتہ میں اپنے کاروبار کا ذکر کر کے "بیوی" کو ساتھ لے کر جاتے ہیں۔ یہ "بیوی" دوبارہ کبھی میکے میں نہیں آتی۔ غریب ماں باپ غریبی کی وجہ سے کلکتہ نہیں جا سکتے۔ اُن کی عدم موجودگی میں اُن کی بیٹیاں یا تو "سونا گاچھی" میں ہی عصمت فروشی کے لئے بیٹھنے پر مجبور کر دی جاتی ہیں یا دُور دراز کے شہروں میں پہنچا دی جاتی ہیں۔ اگر کسی لڑکی کا باپ ہمت کر کے پہنچ جائے تو اوّل تو اُسے اپنے "رئیس داماد" کا پتہ ٹھکانہ ہی نہیں ملتا اور اگر پتہ لگ جائے تو اپنی لڑکی کو اپنی آنکھوں کے سامنے ہی اپنا جسم فروخت کرتے دیکھ کر بے بس ہو کر رہ جاتا ہے۔ "سونا گاچھی" کے دلال اُس کی ایک بھی چلنے نہیں دیتے۔ اوّل تو خود ہی اس کی مرمّت کر دیتے ہیں اور اگر مشکل نظر آئے تو آوارہ گردی میں چالان کرا دیتے ہیں۔ لڑکی کا باپ یا بھائی یا دوسرا رشتہ دار تنگ آ کر کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے بے نیل و مرام لوٹ جاتا ہے۔ بعض حالتوں میں لڑکیوں کے والدین یہ جانتے ہوئے بھی کہ اُن سے دھوکہ کیا جا رہا ہے، اپنی لڑکیوں کو فروخت کر دیتے ہیں مگر اپنے ضمیر کو تسلّی یا فریب دینے کے لئے شادی کی تمام رسُومات اس طرح ادا کرتے ہیں، گویا واقعی شادی ہو رہی ہو۔۔۔

رائے بہادر سے بات چیت جاری تھی۔ چار پانچ دن گزر گئے۔ مگر ابھی کاغذات مکمل نہیں ہوئے تھے، دو تین دن اور درکار تھے۔ نگیندر دوپہر کو

کورا سے بہادر کے مکان پر ہی اُن کے ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے بنگلا کا ایک رسالہ پڑھ رہے تھے ۔ اُنہیں ایک کہانی بہت پسند آئی ۔ اُس کا تعلق ایک "ویشیا" سے تھا ۔ جو بچپن میں ہی بازار میں سے اُٹھالی گئی تھی ۔ آگرہ کے ایک دلال نے بھرت پور کے ایک گاؤں میں اُسے رکھا اور پرورش کی، اور جب وہ بڑی ہوئی تو اُسے آگرہ کے عصمت فروشی کے اڈے میں بٹھا دیا ۔ اگرچہ اُس کی مالکن ہمیشہ یہ کہا کرتی کہ وہ اُس کی ماں ہے مگر نہ جانے کیوں ایک دھندلی سی یاد اُسے ہمیشہ پریشان کرتی رہتی ۔ اور اُسے یوں محسوس ہوتا کہ اس گھر سے اُس کا کوئی تعلق نہیں ۔ کتنے ہی دنوں بعد ایک نوجوان اُس کی کوٹھڑی میں داخل ہوا ۔ دوسرے کئی لوگوں کی طرح وہ بھی اُس کا جسم خریدنے کے لئے آیا تھا ۔ ایک دن کے بعد وہ پھر آیا اور انسانی جسم کے عام خریداروں کی طرح اُسے سبز باغ دکھانے لگا ۔ وہ کہہ رہا تھا ــــ "اگر وہ اُس کے ساتھ بھاگ چلے تو وہ اُسے اپنا جیون ساتھی بنا لیگا اور زیورات سے لاد دیگا ۔ اور پھر اُسے اِس ذلیل ماحول میں کبھی لوٹ کر آنے کی ضرورت نہیں رہے گی ــــ"

اور تب وہ بتانے لگا ــــ "یہ لوگ نہایت ظالم اور بدمعاش ہیں، بازاروں اور گلیوں میں کھیلتی ہوئی چھوٹی چھوٹی لڑکیوں کو اُٹھا لے جاتے ہیں"۔

لڑکی کو دھندلی سی یاد آئی ۔ اُس نے سوچا ــــ "مجھے بھی ایک دن اِسی طرح اُٹھا لیا گیا تھا ۔ اُسے یاد آیا ۔ ایک بار اُس کا باپ اُس کی نام نہاد ماں سے کہہ رہا تھا ۔ لڑکی کی بیوہ ماں بستولی میں رہتی ہے ۔ غریب عورت ہے ۔ اُس کی ایک اور لڑکی بھی ہے، اور ایک بھائی ۔ لڑکی کا نام ہے سُندری اگر کوشش

کوشش کی جائے تو اُسے قابو کیا جا سکتا ہے۔

اور چند دن بعد نوجوان عاشق پھر آیا۔ آج وہ پھر اصرار کر رہا تھا۔ اُسے اپنی بیوی بنانے کے لیئے۔ کہہ رہا تھا "ماں رضامند ہو جائے گی۔ نہ ہوئی تو بھی وہ اس سے شادی کرلے گا۔ الگ رہنے لگیں گے دونوں"۔

بلا وجہ ہی لڑکی نے پُوچھ لیا تھا "آپ کس گاؤں کے رہنے والے ہیں"

اُس نے مُسکرا کر کہا ۔۔۔ "کیا پوچھ کر کرو گی، چھوٹا سا گاؤں ہے۔ اِس کا نام ہے بستوہلی۔ تم نے شائد اِس سے پہلے کبھی اس گاؤں کا نام سُنا بھی نہیں ہو گا ۔۔۔"

لڑکی کو یاد آیا۔ اُس نے یہ نام سُنا تو تھا۔

اُس نے بلا وجہ ہی پُوچھ لیا تھا ۔۔۔ "اُس گاؤں میں کوئی بیوہ رہتی ہے کیا؟ جس کی ایک بیٹی کا نام سُندری ہے؟"

نوجوان نے چونک کر کہا تھا ۔۔۔ "ہاں ہے تو سہی، مگر تمہیں یہ نام کیونکر معلوم ہوئے۔ سُندری تو میری ہی بہن ہے!"

وہ لڑکی کانپ اُٹھی۔ اُس کے چہرے پہ زردی چھا گئی ۔۔۔ معلوم ہوتا تھا بے ہوش ہونے والی ہے وہ

نوجوان نے گھبرا کر کہا ۔۔۔ "کیا بات ہے"

لڑکی نے اُٹھتے ہُوئے کہا ۔۔۔ "کچھ بھی نہیں ۔۔۔ اب تُم جاؤ، پھر کسی دن آنا!"

"مگر کیوں ۔۔۔ کیا معاملہ ہے"۔ اُس نے بے چینی سے پُوچھا

لڑکی کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے اُس نے چلا کر کہا ۔۔۔ "تم بھائی نہیں

شیطان ہو۔ جس لڑکی کے جسم سے اتنے دن تک کھیلتے رہے، جانتے نہیں وہ تمہاری بہن ہے جسے بچپن میں گلی میں کھیلتے ہوئے اُٹھا لیا گیا تھا۔ تمہارے جیسے لوگوں کی وجہ سے ہی تو اغوا اور عصمت فروشی کا کاروبار پھیل رہا ہے۔"

اور وہ چلی گئی تیزی دوسرے کمرے میں۔

نوجوان چند لمحے خاموشی سے کھڑا رہا اور اُس کے بعد دھیرے، دھیرے باہر نکل گیا۔

دوسرے دن بازار میں سنسنی پھیل گئی۔ نوجوان "ڈیٹیا" نے خودکشی کر لی تھی۔

نگیندر بابو نے کہانی پڑھی تو دھک سے رہ گئے۔ کہانی ہی تو تھی۔ مگر اُنہوں نے سوچا ـــــ ایسے واقعات ہو بھی تو سکتے ہیں۔ ہر سال لاکھوں بچے گُم ہو جاتے ہیں۔ لاکھوں بھولی بھالی لڑکیاں محبت کے جذبات میں بہہ کر یا لالچ میں آ کر اپنے گھروں سے بھاگ نکلتی ہیں۔ کتنے ہی گھرانوں میں ازدواجی زندگی کی بدحال شادی شدہ عورتوں کو سکون کی تلاش میں غلط راستہ اختیار کرنے پر مجبور کر دیتی ہیں۔ بہت کم بچے تلاش کرنے پر ملتے ہیں۔ گھروں کو چھوڑ کر جانے والی لڑکیوں کی ایک بڑی تعداد انجام کار "سونا گاچھی" جیسے ذلیل ٹھکانوں پر پہنچتی ہے۔ نگیندر بابو نے ایک اخبار میں پڑھا تھا کہ ہندوستان میں عصمت فروشی کے باضابطہ اڈوں میں ۳۰ لاکھ عورتیں بیٹھی ہوئی ہیں۔ آخر کار اتنی بڑی تعداد کہاں سے آ گئی۔ زندگی کے راستہ پر انجانے میں سینکڑوں ہزاروں حادثے ہر روز ہوتے ہیں۔ کتنی ہی حالتوں میں ان حادثوں کا انجام عصمت فروشی کے بازاروں میں کاروبار کرنے والی عورتوں کی تعداد میں اضافہ کرتا ہے۔ اور

جو لوگ نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لئے جاتے ہیں، اُن میں سے کتنے ہی اپنی بہنوں اور لڑکیوں کے پاس اِس طرح جاتے ہوں گے۔

سوچتے سوچتے اُن کا دماغ چکرا گیا تھا۔ اُنہوں نے رسالہ ایک طرف رکھا اور تکئے پر سر رکھ کر سونے کی کوشش کرنے لگے۔

ابھی اونگھ ہی رہے تھے کہ نوکر نے نزدیک آکر کہا — "بابو جی آپ کا خط آیا ہے۔"

وہ چونک کر اُٹھ بیٹھے۔ لفافہ لے کر کھولا۔ راد ھا نے لکھا تھا اور جو کچھ لکھا تھا، اُس نے اُنہیں ایک بھاری صدمہ پہنچایا — رادھا نے لکھا تھا:

"بابو جی!

آپ کے جاتے ہی اندھیر ہو گیا۔ سیتا آشرم میں جاتے وقت آپ کی تصویریں اُڑا لے گئی تھی۔ دوسروں کی نگاہوں سے بچ کر وہ اُنہیں دیکھتی رہتی۔ دو تین بار اُس نے کہلا بھیجا کہ نگیندر بابو مجھے مل جائیں مگر میں نے آپ کو اطلاع نہیں دی تاکہ آپ خواہ مخواہ پریشان نہ ہوں۔ ٹالتی رہی اور انتظار کرتی رہی، آپ کی آمد کا۔ مجھے اُس کا اپنے پاس آپ کی تصویریں رکھنا پسند نہیں آیا۔ اس لئے دو روز ہوئے، میں نے آشرم کی ایک ملازمہ سے کہکر تصویریں اُڑا لیں۔ وہ بہت تلاش کرتی رہی۔ اُس روز وہ ذرا ذرا سی بات پر ہر ایک سے جھگڑتی رہی۔ دوسرے دِن صبح گنتی ہوئی، تو سیتا غائب تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رات کی تاریکی میں موقعہ پا کر کسی طرح آشرم سے نکل گئی۔ بہت تلاش کی مگر کچھ معلوم نہیں ہوا۔ رات کو چورنگی کے تھانہ سے فون آیا کہ تھانیدار صاحب پوچھ رہے تھے — نگیندر بابو

کہاں ہیں۔

میں نے کہا — گوہاٹی گئے ہوئے ہیں۔

انہوں نے کہا — سیتا نام کی اُن کی بیٹی ہے کیا؟

میں نے کہہ دیا — جی ہاں

اور انہوں نے فون بند کر دیا۔ میں سوچنے لگی۔ کیا معاملہ ہے یہ! کہیں سیتا نے خودکشی نہ کر لی ہو۔ اور اس کی وجہ سے آپ کسی قانونی شکنجے میں نہ پھنس جائیں۔ پھر مجھے ایک اور شبہ ہوا۔ میں نے فون کیا تھانے میں۔ وہاں سے پتہ چلا۔ کہ ایک لڑکی جو اپنا نام سیتا بتاتی تھی، مشتبہ حالت میں دیکھی گئی۔ ایک کانسٹیبل اُسے تھانہ میں لے آیا۔ اُس نے بتایا۔ کہ وہ نگیندر بابو کی بیٹی ہے۔ ایک اور شخص بھی یہی کہہ رہا تھا۔ ہمیں شک ہوا، اس لئے آپ سے فون پر پوچھا۔ جب آپ نے کہہ دیا کہ سیتا نگیندر بابو کی بیٹی ہے تو ہم نے اُسے چھوڑ دیا۔

نگیندر بابو! مجھے اپنی غلطی کا اب احساس ہوا۔ اگر میں تھانیدار صاحب کی پہلی اطلاع پر اُنہیں کہہ دیتی کہ وہ اس لڑکی کو روک لیں تو سیتا غائب نہیں ہو سکتی تھی۔ مگر میری غلطی نے تھانیدار صاحب کو غلط فہمی میں ڈال دیا۔ اُنہوں نے سیتا کو جانے دیا۔ اس کے بعد ہم لوگ اس کی تلاش کر رہے ہیں۔ مگر کچھ پتہ نہیں چلتا۔ آپ یہ پڑھ کر یقیناً بے حد پریشان ہوں گے۔ مگر یقین کیجئے کہ میں بھی بہت دُکھی ہوں۔ کچھ سوجھتا نہیں۔ معلوم نہیں وہ کہاں چلی گئی۔ اُس کے ساتھ کون شخص تھا، کہاں لے گیا اُسے!

کہہ نہیں سکتی کہ یہ گتھی سلجھ سکے گی یا نہیں۔ لیکن اگر سلجھ سکتی ہے۔ تو آپ کے

ہاتھوں سے ہی۔ سیتا کی تلاش کرتے کرتے ہمارے پاؤں میں تو چھالے پڑ گئے ہیں۔

کانتا دیوی کا ایک خط آیا تھا۔ اُس کی حالت بہت خراب ہے۔ مجھے تو اندیشہ ہے اُسے تپِ دق ہو گیا ہے۔ خود تو اُسے شاید احساس نہ ہو، مگر اُس کے خط سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ بیچاری کا خط پڑھ کر آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ عورت کی زندگی میں دُکھ ہی دُکھ لکھے ہیں۔ آپ اب واپس آ رہے ہیں۔

—— آپ کی بدنصیب بہن

رادھا دیوی

اِنسان کو قدرت نے پرواز کی قوت عطا نہیں کی، ورنہ نگیندر بابو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر چند لمحوں میں ہی کلکتہ پہنچ جاتے۔ لیکن جب تک وہ کلکتہ جانے والی گاڑی پر سوار نہیں ہوئے اور کلکتہ پہنچ نہیں گئے، زندگی کی سب سے بڑی پریشانی سے گزرتے رہے، عجیب بات ہی تو تھی۔ سیتا کچھ بھی ہو، بدمعاش تو نہیں تھی، یہ انسانی فطرت کی کمزوری ہے کہ ایک عورت جس کے لئے ایک اجنبی اپنی زندگی کو خطرے میں ڈال کر جدوجہد کرے، اگر وہ عورت اُسے محسن اور نجات دہندہ سمجھتے ہوئے جذبات کا شکار ہو کر اپنے مستقبل کو اُس سے وابستہ کر دینے کا تہیہ کر لے تو تعجب کی بات نہیں۔ سیتا نگیندر بابو کے بے حد قریب ہو چکی تھی۔ نگیندر بابو نے عام حالات میں اُسے روکنے کی ضرورت بھی نہیں سمجھی تھی۔ اسی وجہ سے اُس روز سیتا نے پاگل پن کا مظاہرہ کیا تھا۔ لیکن تعجب اور افسوس تو اس بات کا تھا کہ اُس روز اپنی غلطی کا احساس کرنے کے بعد ایک دِن اچانک آشرم سے کیوں بھاگ گئی۔

انسان بہت کچھ سوچتا ہے، لیکن ایسا مقام بھی آتا ہے جب اُسے کچھ سوجھتا

نہیں۔ جہاں اسے یُوں محسوس ہوتا ہے۔ کہ وُہ جس کے لئے دوڑ دھوپ کر رہا ہے اُس کے راستے میں ایک دیوار سی حائل ہے اور وُہ دیوار اس قدر مضبوط ہے کہ اِسے توڑ دینا ناممکن ہے۔

نگیندر بابو کی ذہنی حالت ایسی ہی تھی۔ اُنہیں اس دیوار کے اُس پار سیتا کی موجُودگی کا احساس ہوتا تھا مگر وہ دیوار ٹُوٹنے میں نہیں آ رہی تھی۔ نگیندر بابو عالم تخیل میں اُس سے ٹکراتے اور جب پریشانی کی انتہا میں اِن کا دماغ چکرانے لگتا تو انہیں محسوس ہوتا۔ گویا یہ دیوار اُن کا سر تو پھوڑ سکتی ہے مگر خود ٹوٹنے کا نام نہیں لیتی۔ کبھی کبھی اُنہیں سیتا کی اس حرکت پر غُصّہ بھی آ جاتا لیکن محض غُصّہ کرنے سے کسی شخص کو اُس کی کھوئی ہوئی چیز تھوڑے ہی مل جاتی ہے۔ کئی دِن اسی طرح گُزر گئے۔ کہتے ہیں کہ وقت انسانی دُکھوں کا واحد علاج ہے۔ وقت کا چکر ذہنی زخموں کو آہستہ آہستہ خود بخود مندمل کر دیتا ہے۔ مگر نگیندر بابو کے دِل سے سیتا کی یاد دُور ہونے میں نہیں آتی تھی۔ کھاتے پیتے چلتے پھرتے اُنہیں سیتا کا دھیان ہی رہتا تھا۔ رات کو سوتے وقت بھی اُس کے سپنے اُنہیں پریشان ہی کرتے تھے۔

رادھا کانتا کو دیکھنے کے لئے گئی تھی۔ اُس نے وہیں سے لکھا تھا۔

"نگیند بھیا!

بدقسمتی سر پہ سوار ہو جائے تو انسان پر یکے بعد دیگرے مصیبتیں نازل ہو جاتی ہیں۔ شنکر کی نئی بیوی نے اپنے خاوند کی جائیداد پر قبضہ کرنے کے لئے اُسے زہر دے کر ہلاک کر دیا ہے۔ یہ بات سرکاری طور پر ثابت نہیں ہو سکتی کیونکہ پولیس قاتلہ کی امداد کر رہی ہے مگر میں سچ کہتی ہوں کہ یہ درست ہے۔ مرنے سے چند دِن پہلے کانتا سے شنکر کا سمجھوتہ ہو گیا تھا۔ اس سے کانتا کی سوکن اور بھی جل گئی تھی۔ اب یہ لوگ کانتا کو پھنسانے کیلئے کوشش کر رہے ہیں کہ اس پر خاوند کو زہر دینے کا الزام ثابت کیا جائے۔ اگر ایسا ہُوا تو اندھیر ہو جائے گا۔ کانتا کے بچاؤ کے لئے یہ شرط پیش کی ہے کہ وُہ کہہ دے کہ شنکر اُس کا خاوند نہیں تھا بلکہ وُہ اُن کے گھر میں محض ملازمہ کی حیثیت سے کام کر رہی تھی۔ بھیا اب آپ کے آنے سے ہی یہ گتھی سُلجھے گی، ورنہ اندیشہ ہے کہ یا تو کانتا گرفتار ہو جائے گی یا یہ لوگ کانتا سے جھوٹی تحریر پر دستخط کرا کے اُسے خاوند کی جائیداد سے محروم کر دیں گے۔ خاوند کے بغیر کانتا کہاں جائے گی، یہ خیال آتے ہی کانپ اُٹھتی ہُوں۔ آپ کو ہر حالت میں آنا ہی پڑے گا۔

سیتا کا کچھ پتہ لگا ہے یا نہیں!

آپ کی بہن

رادھا دیوی"

خط پڑھتے پڑھتے نگیند ربابو کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اُنھوں نے اُسی وقت تار بھیجا —"کل صُبح کی گاڑی سے پہنچ رہا ہُوں۔ کانتا سے کہہ دو کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔"

مگر دوسری صبح جب وہ گاڑی پر سنبالہ ہو کر دوپہر کو چندر نگر پہنچا تو یہ دیکھ کر اُس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی کہ کانتا کچھ دیر پہلے اچانک ہی گھر سے چلی گئی تھی۔ رادھا نے روتے روتے کہا ــ "بھیا! جب تمہارا تار آیا تو اُس نے کہا۔ مَیں اُنہیں مُنہ نہیں دِکھا سکتی۔ اُن سے رُوٹھ کر یہاں آ گئی تھی۔ اُن کے بار بار بُلانے پر بھی کلکتہ نہیں گئی۔ اب جبکہ مجھ پر یہ الزام لگایا گیا ہے تو چاہے بیشک یہ الزام جھُوٹا ہے مگر نہ جانے وُہ کیا سمجھیں۔ اِس لئے مَیں اُن کے سامنے نہیں ہو سکتی۔"

رادھا نے بتایا کہ دوپہر تک اُسے بڑی مشکل سے قابو میں رکھا گیا۔ لیکن اس کے بعد وہ اچانک غائب ہو گئی۔

نگیندر بابو سوچ میں پڑ گئے۔ کچھ دیر بعد اُنہوں نے کہا۔ "دیکھو دوپہر کو ایک گاڑی کلکتہ جاتی ہے۔ ایک وہ گاڑی ایک گھنٹہ بعد کلکتہ جاتی ہے۔ ممکن ہے وہ کلکتہ ہی چلی گئی ہو۔"

رادھا خاموش رہی ــــ

نگیندر بابو پھر کہنے لگے ــ "مگر وہ کلکتہ نہیں جا سکتی، اسٹیشن پر بھی نہیں جا سکتی۔ کیونکہ اُسے پتہ تھا۔ کہ میں گاڑی پر آ رہا ہُوں۔ میرا خیال ہے کہ وہ یا تو سڑک کے راستہ کہیں گئی ہو گی یا ہو سکتا ہے سمندر کی طرف گئی ہو۔"

تلاش کرتے کرتے شام ہو گئی۔ شام کے وقت معلوم ہُوا۔ کہ کانتا سے ملتے جُلتے حُلیئے کی ایک دُبلی پتلی سی عورت بسوں کے اڈے پر بس نہ ملنے کی وجہ سے پیدل ہی روانہ ہو گئی تھی۔ نگیندر بابو نے سُنا تو پیدل ہی سڑک پر چلنے لگے۔

چندر نگر شہر کی سڑکوں پر شام ہوتے ہی چہل پہل بڑھ جاتی ہے۔ مگر نگیندر بابو جس سڑک پر پیدل چل رہے تھے، وُہ ایک بستی سے باہر کو جاتی تھی، دوسرے تھوڑی ہی دیر بعد بارش شروع ہو گئی اور سڑک سنسان ہو گئی۔ اِدھر شام کا دُھندلکا رات کی تاریکی میں بدل رہا تھا۔ نگیندر بابو پر بھی جنون سوار تھا۔ وُہ اِس دُھن میں تھے کہ کانتا کا پتہ کئے بغیر لَوٹ کر نہیں جائیں گے۔ آج اُنہیں تاریکی اور بارش کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔ جس راستے پر چل پڑے تھے اُس کی منزل کا علم نہ ہوتے ہوئے بھی بلا سوچے سمجھے چلے جا رہے تھے ـــــ۔

رات کی تاریکی پُورے طور پر مسلط ہو چکی تھی۔ بارش اب بھی ہو رہی تھی۔ یکایک اُنہیں یُوں لگا۔ جیسے اُن سے سو ڈیڑھ سو گز کے فاصلے پر کوئی جا رہا ہو۔ اُنہوں نے چلّا کر کہا ـــ "کانتا!" دُور جانے والا رُکا۔ اُس نے پیچھے کی طرف دیکھا اور پھر تیزی سے چلنے لگا۔

نگیندر بابو نے پھر آواز دی ـــ "کانتا!" اور اُنہیں یُوں لگا جیسے دُور جانے والا دوڑنے لگا ہو۔ نگیندر بابو بھی دوڑنے لگے۔ دوڑتے دوڑتے اُن کا سانس پھُولنے لگا۔ مگر اب اُنہیں اپنے سامنے کوئی آدمی نظر نہیں آتا تھا۔ کافی دُور نکل آئے تھے وُہ۔ اُن کے کپڑے بھیگ گئے تھے۔ یکایک وُہ درخت کے نیچے کھڑے ہو گئے۔ کچھ دیر اسی طرح کھڑے رہے، شہر سے بہت دُور نکل آئے تھے وُہ ـــ

لاچار ہو کر اُنہوں نے لَوٹ جانے کا فیصلہ کر لیا۔ وُہ انتظار کرنے لگے کہ کوئی گاڑی آئے اور وُہ ٹھہرا کر بیٹھ جائیں۔

تھوڑی دیر بعد ہی ایک بس آئی تھی۔ اُنہوں نے ڈرائیور کو رُکنے کا اشارہ

کیا۔ ڈرائیور نے شاید انھیں ہاتھ ہلاتے ہوئے دیکھا نہیں تھا۔ اِس لئے آگے بڑھ گیا۔ نگیندر بابو نے چلّا کر رُک جانے کے لئے کہا۔ ڈرائیور نے آواز سُن لی تھی۔ اُس نے اُن سے کچھ فاصلے پر گاڑی روک لی۔ نگیندر بابو گاڑی پر سوار ہو گئے اور گاڑی کچھ آگے بڑھی ہی تھی کہ اُنھوں دیکھا جس طرف وہ لوٹے تھے، دُبلی پتلی کانتا اُس طرف بڑھ رہی تھی۔ نگیندر بابو نے چلّا کر کہا ”ڈرائیور گاڑی روک دو“

ڈرائیور نے یہ آواز سُنی نہ تھی۔

اُنھوں نے چلّا چلّا کر کہا ”گاڑی روک دو۔ مجھے یہاں اُترنا ہے!“

گاڑی میں بیٹھے ہوئے مسافر مسکرا دیئے۔ ایک نے دوسرے سے کہا ”معلوم ہوتا ہے پاگل ہے!“

اور گاڑی ابھی رُکی نہیں تھی۔

نگیندر بابو پچھلی نشستوں کے پاس ہی کھڑے تھے۔ اُنھوں نے باہر کی طرف چھلانگ لگا دی۔

دُوسرے لمحے گاڑی اُن سے بہت آگے جا چکی تھی۔ ڈرائیور نے اُسے اب بھی روکا نہیں تھا اور نگیندر بابو اوندھے منہ تار کول کی بھیگی ہوئی سڑک پر گرے پڑے تھے۔

اُس روز ڈاکٹر نے کمرے سے باہر نکل کر کہا تھا ”کانتا دیوی! آپ کے

بھائی صاحب ہوش میں تو آ گئے ہیں مگر اُنہیں صحتیاب ہونے میں کافی عرصہ لگے گا۔ کیونکہ ایک بازو اور ایک ٹانگ ٹوٹ گئی ہے۔ اور پیشانی پر بھی زخم آئے ہیں۔

کانتا رو پڑی تھی۔ اتنی دیر سے وہ سوچ رہی تھی۔ اپنے آپ کو کوس رہی تھی کہ وہ گھر سے بھاگی کیوں تھی۔ کیوں اُنہیں پاگلوں کی طرح بھاگتے دیکھ کر جھاڑیوں کی اوٹ میں چھپ گئی تھی۔ نگیندر بابو اسی کے لئے تو اس قدر دوڑ دھوپ کر رہے تھے۔ اس کے دشمن تو نہیں تھے وہ۔ پھر اسی کی وجہ سے ناہی تو اس حالت کو پہنچے تھے، وہ سوچتی تھی۔ ڈر رہی تھی، کہ اُن کے سامنے کیونکر ہو گی۔ مگر یہ مرحلہ بھی طے ہو گیا اور اس کے بعد کتنے ہی دن اور بھی گزر گئے۔ نگیندر بابو کلکتہ آ گئے تھے۔ کانتا اُنہیں اس حالت میں چھوڑ نہیں سکتی تھی۔ اس لئے وہ بھی اُن کے ساتھ ہی کلکتہ آ گئی تھی۔ نگیندر بابو کو ڈاکٹروں نے بستر پر لیٹے رہنے کی سخت ہدایت کی تھی۔ شکستہ بازو اور ٹانگ کی ہڈیاں جڑنے میں کافی دن لگیں گے۔ اس لئے کانتا اس بات کا خاص طور پر خیال رکھتی تھی کہ کسی حالت میں ڈاکٹر کی ہدایت کی خلاف ورزی نہ ہو۔

اُس روز ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ شام کا وقت تھا۔ کانتا دوسری منزل کے برآمدے میں ایک آرام کرسی پر بیٹھی ہوئی نگیندر بابو کے لئے سویٹر بُن رہی تھی۔ رادھا اُس کے لئے چائے کا پیالہ لائی تھی۔ اُسے کانتا کے حوالے کر کے وہ چارپائی پر بیٹھ گئی۔

بوندا باندی میں اُس کا دھیان اچانک سیتا کی طرف چلا گیا۔ اتنے دِنوں اسی گھر میں وہ ایک خوبصورت چڑیا کی طرح چہچہاتی رہی تھی اُسے نگیندر بابو سے

محبت تھی۔ انہی کیلئے شاید وُہ اتنے دنوں اس گھر میں ہی ہو گی۔ اور جب بابو بس ہو گئی تو جانے کہاں غائب ہو گئی؟ "کہاں ہو سکتی ہے وہ؟" اُس نے یہ سوال دل ہی دل میں دہرایا۔ ایک دن کانتا بھی اِس گھر سے چلی گئی تھی۔ بار بار بُلانے پر بھی نہیں آئی تھی۔ مگر ایک دن اُسے آنا ہی پڑا۔

اور رادھا پھر سوچنے لگی۔ کیا سپنا بھی لوٹ کر آئے گی؟

تب ایک بھیانک خواب اُس نے بیداری کی حالت میں دیکھا۔ اُسکے بھیا نگیندر بابو بستر مرگ پر پڑے ہیں اور سپنا اُن کے سرہانے بیٹھی ہے۔

"چھی چھی" اُس نے اپنے آپ کو کوسا۔ "یہ منحوس خیال میرے دماغ میں آیا ہی کیوں؟" اِس نے دل ہی دل میں بھگوان کا نام لیا۔ "بھگوان میرے بھیا کو سلامت رکھنا" اور پھر وُہ کچھ کہے بغیر اُن کے کمرے کی طرف چلی گئی۔ جھانک کر دیکھا۔ وہ اُٹھ کر پلنگ کے سرہانے سے لگ کر ایک کاغذ پر کچھ لکھ رہے تھے۔ رادھا فوراً کمرے میں داخل ہو گئی۔ ناراضگی ظاہر کرتے ہوئے اُس نے کہا۔

"یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟ ڈاکٹروں نے ہلنے جلنے کو منع کر رکھا ہے۔ کہہ رکھا ہے کہ آپ بستر پر لیٹے رہیں۔"

نگیندر بابو نے اُس کی طرف دیکھا اور اپنے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ لاکر بولے "تم تو ذرا سی بات پر بگڑ جاتی ہو، میں کوئی دوڑ دھوپ تو نہیں کر رہا۔"

"مگر آپ کا اِس طرح اُٹھ کر بیٹھ جانا بھی خطرناک ہے" کہتی ہوئی رادھا اُن کے ہاتھ سے قلم، کاغذ چھیننے لگی۔

ایسا کونسا ضروری کام ہے کہ اس کے لئے ڈاکٹروں کی ہدایت کی خلاف

درزی کرنا ضروری ہے"۔ رادھا نے کہا۔

آواز سن کر کانتا سویٹر اور سلائیاں لئے ہوئے کمرے میں داخل ہو گئی۔ نگیندر بابو کو اس حالت میں دیکھ کر اس نے کہا "چھی چھی! کیا کر رہے ہیں آپ تندرست ہو جائیں، تو سب کام ہو جائیں گے"۔ یہ کہہ کر اس نے قلم اور کاغذ چھین لیا اور نگیندر بابو کو سہارا دے کر لٹانے لگی۔ نگیندر بابو نے ایک مزاحمت نہیں کی۔ کوئی اعتراض بھی نہیں کیا۔ ایک گہرا ٹھنڈا سانس لے کر لیٹ گئے۔

اچانک ہی کاغذ پر کانتا کی نگاہ پڑ گئی۔ وہ زیادہ پڑھی لکھی نہیں تھی، پھر بھی انگریزی کا ایک لفظ اس نے پڑھ لیا۔ وہ لفظ تھا ول (Will)۔ چونک کر اس نے کہا "یہ کیا ہو رہا ہے، آپ وصیت کر رہے تھے کیا؟"

نگیندر بابو کے چہرے پر زردی چھا گئی۔ شاید وہ ٹالنے کی کوشش کر رہے تھے مصنوعی ہنسی ہنستے ہوئے انہوں نے کہا "نہیں تو"

"مگر اس میں یہی لکھا ہے"۔ کانتا نے بگڑ کر کہا۔ "پرماتما کے لئے ایسی باتیں ہرگز نہ سوچیں"

یہ کہہ کر اس نے ساڑھی کا آنچل گلے میں ڈال کر آنکھیں بند کر کے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے اور کہنے لگی "آپ کو دیکھ دیکھ کر تو ہم لوگ جی رہے ہیں۔ بھگوان آپ کو جلد ہی تندرست کرے۔ آپ کو ایسی باتوں کا خیال بھی دل میں نہیں لانا چاہئے"

رادھا خاموش کھڑی تھی۔ آہستہ سے سرک کر نگیندر بابو کے سرہانے بیٹھ کر ان کا سر دبانے لگی۔

اس شام نگیندر بابو آنکھیں بند کر کے لیٹے ہوئے تھے۔ یہ بات نہیں تھی

کہ اُنہیں نیند آ رہی ہو۔ بھگوان کی آرتی اُتارنے کے بعد کانتا جلتے ہوئے دھوپ کے دھوئیں کا رُخ اُن کی طرف پھیر کر باہر نکل گئی۔ شاید کھانا تیار کرنے کے لئے رسوئی گھر میں داخل ہو گئی تھی وہ۔ رادھا کمرے میں اکیلی رہ گئی تھی۔ نگیندر بابو نے اُسے اشارے سے اپنی طرف بلایا۔ وہ اُن کے سرہانے بیٹھ گئی اور اُن کا سر دبانے لگی۔۔۔

نگیندر بابو نے آہستہ آہستہ کہنا شروع کیا "معلوم نہیں کہاں بھٹکتی ہو گی بیچاری۔ اگر ایک دفعہ معلوم ہو جاتا کہ وہ زندہ ہے کہیں سُکھی ہے تو میں اطمینان سے مرتا۔"

رادھا نے چونک کر کہا "پھر وہی باتیں! آپ بھگوان کا نام کیوں نہیں لیتے۔ اِسی کی کرپا سے آپ صحت یاب ہو رہے ہیں۔"

نگیندر بابو مسکرا دیئے۔ اُنہوں نے کہا "اُن کا نام تو ہر وقت لیتا ہوں اور پھر تم بھی ٹھیک ہی کہہ رہی ہو کہ میں تندرست ہو رہا ہوں، لیکن انسان کی زندگی کا بھروسہ کچھ تو نہیں۔ آج ہے تو کل نہیں۔"

رادھا کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ ایک دو قطرے احتیاط کے باوجود نگیندر بابو کی پیشانی پر بھی گر پڑے تھے۔ یہ محسوس کر کے نگیندر بابو نے رادھا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور کہنے لگے۔ "رو رہی ہو کیا؟ پگلی کہیں کی۔ کہنے سے انسان تھوڑا ہی مر جاتا ہے۔"

رادھا نے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔ سرہانے سے اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ گڑگڑا کر اُس نے کہا "نگیندر بھیا! اِس سنسار میں مجھ سے زیادہ کوئی دُکھی نہیں تھا۔ آپ نے

مجھے حوصلہ دیا اور اب اگر آپ نے ہی حوصلہ چھوڑ دیا تو ہمیں تو یہ ماتما کے اِس بلیے چوڑے سنسار میں کہیں سر چھپانے کو بھی جگہ نہیں ملے گی۔"

مگر نگیندر بابو نے بجلی کی روشنی میں دیکھا رادھا بھی پژمردہ نظر آتی تھی۔ وہ اپنے اندر کیا محسوس کر رہے تھے، کیا سوچ رہے تھے۔ اُن سب پر قابو پاتے ہوئے انہوں نے رادھا کو بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ وہ اُن کی چارپائی کے نزدیک رکھے ہوئے ایک چھوٹے سے سٹول پر بیٹھ گئی۔ نگیندر بابو نے بڑھ کر اپنے ہاتھوں سے اُس کے آنسو پونچھ ڈالے وہ انہیں روکنے کی کوشش کرتی رہی۔ مگر نگیندر بابو رُکے نہیں۔ کچھ دیر بعد وہ کہہ رہے تھے — "رادھا دیوی! تم جو کچھ سوچتی ہو۔ میں بھی اکثر یہی سوچتا ہوں۔ سوچتا ہوں کہ میرے بعد تمہارا کیا بنے گا۔"

"پھر وہی باتیں۔" رادھا نے اُٹھ کر کہا — "اگر آپ اس طرح کی باتوں سے باز نہ آئے تو سچ کہتی ہوں بھیّا کہ میں بھی اچانک کہیں چلی جاؤں گی۔"

"کہاں چلی جاؤ گی۔" نگیندر بابو نے محبت کے لہجے میں کہا۔

"جہاں سیتا چلی گئی ہے۔" اُس نے پہلے انداز میں ہی کہا۔

"کہاں گئی ہے وہ۔" نگیندر بابو نے بھرائے ہوئے لہجہ میں کہا۔ "رادھا اگر اب وہ مجھے مل جائے تو میں اُسے کہیں بھی جانے نہ دُوں۔"

رادھا خاموش رہی۔

اور نگیندر بابو کہنے لگے — "یُوں لگتا ہے مجھے جیسے وہ تاریک رات میں کسی ویرانے میں بھٹک رہی ہو۔ رادھا دیوی! مجھے ڈر ہے کہ اُس نے خودکشی کر لی ہے یا اگر وہ اب بھی زندہ ہے تو کسی بدمعاش کے چنگل میں پھنس

کر تڑپ رہی ہو گی۔"

کانتا نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے یہ فقرے سُن لئے تھے شائد اِسی لئے اُس نے اُنکے سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے کہا:" میں نے تو ماد ھا دیوی کو کئی بار لکھا تھا کہ بھیا کو کہہ دو، وُہ سینا سے شادی کر لیں۔ آپ کی محبّت میں بیچاری سارے سنسار کو بھُول گئی تھی اور آپ نے اُسے کورا جواب دیدیا۔ آخر وہ کیا کرتی؟"

نگیندر بابو کے دِل پر اِن الفاظ نے گویا ایک ساتھ کئی چھُریاں چلا دی تھیں۔ ان کا وار سہہ کر وُہ خاموش ہو گئے۔

کانتا کہنے لگی:" آپ نے ایک نہ ایک دِن کسی نہ کسی سے شادی تو کرنا ہی ہے۔ اگر سینا کو ہی منتخب کر لیتے تو۔"

نگیندر بابو کانپ اُٹھے۔

تھوڑی دیر بعد اُنہوں نے کہا:" کانتا! تم اپنے پتی کے گھر کیوں نہیں چلی جاتیں۔ بوڑھی ساس موجود ہے۔ گھر بار بھی ہے اُنہیں سنبھالنے کا خیال نہیں آتا تمہیں "

کانتا مُسکرا دی، اُس نے کہا۔" تو مجھ سے آپ تنگ آ گئے ہیں کیا؟ میرے کھانے پینے کا خرچ آپ پر پڑ رہا ہے اِسی لئے! سسرال جاؤنگی تو آپ کو بھی ساتھ ہی چلنا پڑے گا۔ میری بوڑھی ساس کا فکر آپ کو پریشان کر رہا ہے تو وہ آپ کی اماں بھی تو ہیں۔ آپ کو ان کا خیال کیوں نہیں آتا؟"

نگیندر بابو کو ہنسی آ گئی۔ انہوں نے کہا:" معلوم ہوتا ہے اِس گھر سے پھر

محبت ہو گئی ہے تمہیں"

"اس گھر سے کون محبت نہیں کرے گا" کانتا نے کہا "جس جگہ ساکھشات بھگوان براجمان ہوں، اُسے کون چھوڑ سکتا ہے۔ میں تو صاف صاف کہہ دیتی ہوں کہ اب کے آپ دھکے دے کر بھی باہر نکالنا چاہیں گے۔ تو بھی نہیں جاؤں گی۔"

نگیندر بابو بہت سنجیدہ ہو گئے۔ اُنھوں نے کہا "اسے محبت کی انتہا کہتے ہیں! اچھا کانتا، جس سے محبت ہو، اُس کی ہر بات مان لینی چاہیئے کیا؟"

"کیوں نہیں" کانتا نے کہا "آپ ساکھشات بھگوان ہیں، آپ تو مجھ سے پران بھی مانگیں تو کبھی انکار نہ کروں"

نگیندر بابو اب بھی سنجیدہ تھے۔ اُنھوں نے اسی لہجے میں کہا "مجھ سے شادی کر سکتی ہو"

کانتا کو یوں محسوس ہوا گویا اُس پر گھڑوں پانی پڑ گیا ہو۔ اُس نے کہا "یہ بھی کبھی ہو سکتا ہے کیا؟ نگیندر بابو! ایک روز آپ نے مجھے بہن کہا تھا۔ کبھی بہن اور بھائی میں شادی ہو سکتی ہے کیا؟"

نگیندر بابو نے ایک گہری اور ٹھنڈی سانس لی۔ آنکھیں بند کرتے ہوئے اُنھوں نے کہا "یہی تو میں بھی کہتا ہوں۔ سیتا کو میں نے ہمیشہ بہن اور بیٹی کہا تھا۔ اسی ناطے اُس سے محبت کی تھی۔ اگر سیتا نے اُسے نہیں سمجھا تو کیا میں بھی ہوش مندی سے کام نہ لیتا۔ کانتا دیوی! اگر میں بھی اس کی طرح جذبات کی رَو میں بہہ جاتا تو کیا میری اخلاقی گراوٹ نہ ہوتی"

اب کانتا کو محسوس ہوا کہ اُس نے چند لمحے پہلے نگیندر بابو کو سیتا سے شادی

کرنے کا مشورہ دیکر ایک بہت بڑی غلطی کی تھی۔

اُس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ اُنہیں پُونچھنے کی کوشش کرتے ہُوئے وہ تیزی سے باہر نکل گئی۔

کئی دِن اور گذر گئے۔ نگیندر بابو ابھی مکمل طور پر تندرست نہیں ہوئے تھے۔ ٹُوٹے ہوئے بازو اور ٹانگ کی پٹیاں کھولی گئیں۔ بازو کی ہڈی تو جُڑ گئی تھی، مگر ٹانگ کا نقص ابھی پُوری طرح دُور نہیں ہُوا تھا۔ ڈاکٹر نے دوبارہ پٹی باندھ دی اور جب کانتا ڈاکٹر صاحب کو چھوڑنے کے لئے مکان سے باہر نکلی تو ڈاکٹر صاحب نے کہا "پہلے کی طرح احتیاط سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ نگیندر بابو کو ابھی دس پندرہ دِن بستر پر ہی لیٹے رہنا چاہیئے۔"

کانتا اور رادھا دونوں ڈاکٹر کی اس بات سے پریشان ہو گئی تھیں۔ کتنے ہی دن ہو گئے تھے نگیندر بابو کو بستر پر لیٹے ہُوئے۔ بعض اوقات کانتا اپنے آپ کو ملامت کرنے لگتی۔ کہ اُسی کی وجہ سے تو نگیندر بابو کو یہ دِن دیکھنے پڑ رہے تھے۔ اُس روز وُہ جنون کی حالت میں گھر سے نکل نہ پڑتی، تو نگیندر بابو کو یہ حادثہ ہی کیوں پیش آتا۔

اِس دوران میں آشرم کے لئے ٹرسٹ مقرر ہو چکا تھا اور عمارت کی تعمیر شروع ہو چکی تھی۔ نگیندر بابو کے شیلانگ والے دوست روپیہ اکٹھا کرنے میں مصروف تھے۔ چند دنوں میں ہی اُنھوں نے ساٹھ ہزار کے قریب روپیہ جمع کر لیا نگیندر بابو بھی کافی دلچسپی لے رہے تھے۔ ایک معمولی سے حادثے نے اُن کی زندگی کو ایک نئے موڑ پر لا دیا تھا "سونا گاچھی سے کانتا کا نکل آنا بظاہر ایک معمولی سی بات تھی، جس نے نگیندر بابو کا تمام زاویۂ نگاہ بدل دیا تھا۔ اگر وُہ

ایسا نہ کرتے تو ایک بیرسٹر ہوتے یا جج۔ اِس حالت میں اُن کا درجہ ضرور ممتاز ہوتا
مگر اُن کی شخصیت ایک چھوٹے سے طبقے تک ہی رہتی۔ اب ہر کوئی اُن کا مداح
تھا۔ اُنہوں نے تھوڑے سے عرصہ میں کتنی ہی زندگیوں کو سنوار دیا تھا اور اُنکی شہرت دُور دُور تک
پھیل رہی تھی۔ بیماری کی حالت میں بھی وُہ اپنے کام میں دلچسپی لے رہے تھے۔ دِن بھر اُن سے
ملنے جلنے والے آتے رہتے اور نگیندر بابو کسی کو ٹالنے کی کوشش نہ کرتے۔

دوپہر کا وقت تھا ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ کانتا چینی کی ایک طشتری میں پھل
رکھ کر لائی۔ اور نگیندر بابو کے پلنگ کے سامنے میز پر طشتری رکھکر بیٹھ گئی۔ نگیندر بابو
عینک لگا کر ایک خط پڑھنے میں مصروف تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد اُنہوں نے خط کو کانتا
کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ "ذرا پڑھو تو سہی۔ یہ لڑکی کون ہو سکتی ہے"

کانتا خط پڑھنے لگی اور نگیندر بابو کہتے گئے "ایسی کونسی لڑکی ہو سکتی ہے جو ہمارے
آشرم میں رہ چکی ہو اور اب "سونا گاچھی" میں چلی گئی ہو"

کانتا نے کوئی جواب نہیں دیا وُہ خط پڑھنے میں مصروف تھی خط لکھنے والی نے
خط پر اپنا نام نہیں لکھا تھا۔ خط کے نیچے محض "آپکا خیر خواہ" کے الفاظ درج تھے لکھا تھا

محترم نگیندر بابو!

آپ دُنیا کی بھلائی کیلئے جو جد و جہد کر رہے ہیں اُس کا اعتراف کئے بغیر کوئی
شخص نہیں رہ سکتا۔ آپنے کتنی ہی معصوم زندگیوں کی حفاظت کی ہے۔ ہر شخص آپکے گُن
گا رہا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ایک دن ایسا بھی آئیگا جب "سونا گاچھی" کا وجود مٹ جائیگا
اور اس کامیابی کا سہرا یقیناً آپ کے سر بندھیگا۔ گزشتہ چند دنوں میں آپ کی بیماری
کی وجہ سے بردہ فروشوں کے حوصلے بہت بڑھ گئے ہیں۔ آپ تو بیماری کی وجہ سے خاموش

ہیں مگر اُن لوگوں نے یہاں یہ خیال پھیلا رکھا ہے کہ انہوں نے آپکو ۵۰ ہزار روپیہ دیئے ہیں تا کہ اپنی تحریک بند کر دیں۔ ایسی باتوں پر مجھے یقین نہیں آتا مگر آپکی خاموشی کی وجہ سے اُن لوگوں نے پھر سر اُٹھانا شروع کر دیا ہے۔ گزشتہ چند دنوں میں کئی نو عمر لڑکیوں کو اغوا کر کے لایا گیا ہے۔ ان میں ایک ایسی لڑکی بھی شامل ہے جو کچھ دن پہلے آپکے آشرم میں رہ چکی ہے جیسے بھی ممکن ہو، آپ اس لڑکی کو چھڑانے کی کوشش کریں۔ میں اپنا نام ظاہر کرنا نہیں چاہتا کیونکہ ممکن ہے آپ کو مجھ سے نفرت ہو جائے۔

آپ کا

ایک خیر خواہ"

کانتا خط پڑھ کر خاموش ہی رہی۔ کیونکہ اُسے یقین نہیں آتا تھا کہ "سونا گاچھی" سے نکلی ہوئی کوئی لڑکی دوبارہ اس اڈے میں جا سکتی ہے۔

نگیندر بابو کہنے لگے "معلوم ہوتا ہے یہ خط کسی نے "سونا گاچھی" سے لکھا ہے ممکن ہے خط لکھنے والا بھی اس قسم کے کاروبار میں شریک ہو اور کسی کاروباری حریف کو نقصان پہنچانے کیلئے اُس نے چھٹی لکھی ہو"

"تب تو اس چٹھی کو کوئی وقعت دینی نہیں چاہیئے" کانتا نے کہا "نہیں ایسی بات نہیں ہو سکتی" نگیندر بابو نے کہا" ان لوگوں کی باہمی رقابتوں کی وجہ سے اکثر ہمیں معلومات حاصل ہو جاتی ہیں۔ اس لئے اس خط کی اہمیت کم نہیں ہو سکتی۔ البتہ سوچتا ہوں کہ کہیں یہ کوئی شرارت ہی نہ ہو"

کانتا نے اس دلیل سے اتفاق کیا۔ اُس نے کہا "مجھے بھی یہی اندیشہ ہے۔ اور ایک بات یہ بھی تو ہے کہ بیمار ہونیکی وجہ سے آپ وہاں جا بھی کیونکر سکتے ہیں"

نگیندر بابو مسکرا دیئے۔ اُن کے مُسکرانے کا انداز ہ ظاہر کرتا تھا گویا وہ کہہ رہے ہوں ——" جا کیوں نہیں سکتا تم یہی سمجھتی ہو گی کہ مَیں بیمار ہُوں، اِس لئے مجھے کسی کو مصیبت میں دیکھ کر بھی خاموش ہی رہنا چاہیئے لیکن یہ انسان ایسا نہیں .... یہ انسان تو اپنے فرض کی تکمیل کے لئے موت کا مقابلہ کرنے کے لئے بھی تیار ہے۔"

"کیا سوچ رہے ہیں آپ؟" کانتا نے انہیں خاموش دیکھ کر پُوچھا۔

"کچھ نہیں" کہہ کر نگیندر بابو نے طشتری میں رکھے ہُوئے فروٹ کی طرف دیکھا اور کانتا کے ہاتھ سے لے کر فروٹ کھانے لگے۔

رات کو کھانا کھانے اور آرتی کرنے کے بعد اس چھوٹے سے گھر کا یہ چھوٹا سا خاندان معمولی بات چیت کے بعد سو جاتا ہے معمول کے خلاف اس روز کانتا اوپر کے کمرے میں بیٹھی ایک کتاب پڑھ رہی تھی۔ نیچے دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ تو چونک پڑی۔ اس وقت کون آسکتا ہے مکان میں۔ اُس نے جھانک کر دیکھا خلاف معمول نگیندر بابو کے کمرے سے بجلی کی روشنی چھن چھن کر باہر آ رہی تھی۔ اندر کسی حسینہ کے ہلنے جُلنے کی آواز بھی آ رہی تھی۔ اس کے بعد کسی نے بجلی کا بٹن دبایا اور کانتا کو یوں لگا جیسے دو آدمی کمرے سے باہر نکل گئے ہوں —"

کانتا نے چلا کر کہا —" کون ہے؟"

دُوسرے لمحے ہی آواز بند ہو گئی۔ اِس کے بعد اُسے یُوں محسوس ہوا۔ جیسے کوئی شخص دھیرے دھیرے سیڑھیوں سے اُتر رہا ہو، اور اُس نے مکان کا

دروازہ کھولا ہو۔

کانتا صحت کے لحاظ سے دُبلی پتلی ہونے کے باوجود حوصلہ مند عورت تھی۔ اُس کے دماغ میں کئی خوفناک خیال آئے۔ کئی وسوسے پیدا ہوئے۔ اس کے باوجود اُس نے سیڑھیوں کی بجلی روشن کی اور نیچے اُترنے لگی۔

"یہ کیا؟" — نگیندر بابو اپنے کمرے میں موجود نہیں تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔، احتیاط سے کمبل پلنگ پر ڈال کر وہ باہر نکل گئے تھے۔ کانتا تیزی سے نیچے اُتر گئی۔ اُس نے دیکھا نگیندر بابو ایک کار پر سوار ہو رہے تھے کانتا نے چلّا کر کہا "بھیا" اور تیزی سے ان کے نزدیک پہنچ گئی۔ "کہاں جا رہے ہیں اس وقت۔ ڈاکٹر کا حکم ہے کہ آپ چارپائی سے اُٹھنے کی کوشش بھی نہ کریں اور آپ چل کر ـــــ"

نگیندر بابو ہکّے بکّے رہ گئے تھے۔ اس سے پہلے انہیں شبہ بھی نہیں ہوُا تھا۔ کہ کانتا اس طرح دَوڑ کر آجائے گی۔

اُنہوں نے کہا ـــ "تو کیا کروں"

"واپس چلئے" کانتا نے رو کر کہا "میں آپ کو اس حالت میں کبھی جانے نہیں دوں گی۔ اپنے جیتے جی آپ کو موت کے مُنہ میں جانے کی اجازت ہرگز نہیں دی جا سکتی"۔

"اچھا تو نہیں جاتا" کہہ کر نگیندر بابو نے کار کے ڈرائیور سے انگریزی میں کچھ کہا اور کانتا کے ساتھ لوٹ آئے۔

نگیندر بابو کو بستر پہ لٹانے کے بعد اُس نے سب سے پہلے کام یہ کیا۔ کہ ٹیلیفون کو تالا لگا دیا اور اس کے ساتھ ساتھ کہنے لگی ـــ" نہ رہے گا بانس، نہ بجے گی بانسری۔

معلوم ہوتا ہے آپ نے ٹیلی فون پر کسی کو ٹیکسی لانے کے لئے کہا تھا۔ اور مجھے سوتی ہوئی سمجھ کر بھاگنا چاہتے تھے۔ مگر آپ بھی کیا یاد کریں گے کہ کبھی لڑکی سے واسطہ پڑا تھا۔"

نگیندر بابو خاموش رہے ——

کانتا کہتی گئی —— "آخر کار کونسا آسمان گر پڑا تھا۔ کہ اسے ہٹانے کے لئے آپ کو آدھی رات کے وقت باہر جانے کی ضرورت پیش آئی۔ پر ماتما نہ کرے کوئی تکلیف پیش آجائے۔ تو لوگ یہی کہیں گے کہ نگیندر بابو کی بہن کوئی بیوقوف لڑکی ہے جس نے ڈاکٹروں کے منع کرنے کے باوجود بھائی کو باہر بھیج دیا۔"

نگیندر بابو پھر بھی خاموش رہے ——

کمرہ بجلی کے بلب سے منوّر ہو رہا تھا۔ کانتا نگیندر بابو کا تکیہ درست کر رہی تھی تو اچانک ایک موٹا سا بند لفافہ فرش پر گر پڑا۔ کانتا نے اُسے اُٹھا لیا۔ دُوسرے لمحے ہی وُہ چونک پڑی۔ اُس نے کہا "یہ کیا ہے یہ؟ اس پر میرا نام کیوں لکھا ہے؟"

نگیندر بابو کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ اُنہوں نے مصنوعی ہنسی ہنستے ہوئے کہا —— "کچھ بھی نہیں۔ کچھ ضروری کاغذات تھے، سوچا تمہارے حوالے کر دُوں تو ——"

کانتا کا ماتھا ٹھنکا۔ اُس نے کہا —— "ان کاغذات کا مطلب؟"

نگیندر بابو کا گلا بھر آیا۔ تاہم اُس نے اپنے جذبات پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا —— "کانتا ایک بھیک مانگتا ہوں تم سے! بولو یہ بھیک دو گی؟"

کانتا خاموش رہی۔ اُس کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آ رہا تھا۔

"تم سے ایک چیز ہی مانگی ہے آج تک۔" نگیندر بابو نے اُس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا۔ "وعدہ کرو کہ مجھ سے یہ نہیں پوچھو گی کہ اِس لفافے میں کیا ہے اور یہ بھی وعدہ کرو کہ اسے اپنے پاس رکھ کر بھی کھولنے کی کوشش نہیں کرو گی"

کانتا کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ اُس نے ہاتھ جوڑ کر کہا "بھائی ہونے کے ناطے اگر تم مجھے زہر کھا کر جان دینے کا حکم دو، تو بھی انکار نہیں کرونگی۔ مگر ایک بات پوچھنا چاہتی ہوں ——"

"کیا —— ؟"

"یہ تمہاری وصیت ہے ؟"

"مگر تم تو وعدہ کر چکی ہو کہ اس لفافے کے متعلق کچھ بھی دریافت نہیں کرو گی"۔

کانتا کو رونا آگیا۔ روتے روتے اُس نے کہا "آپ بڑے سنگدل ہیں۔ صاف صاف کیوں نہیں کہہ دیتے کہ میں زہر کھا کر خودکشی کر لوں، یا اپنے ہاتھوں سے ہی میرا گلا کیوں نہیں گھونٹ دیتے"

نگیندر بابو سے کوئی جواب بن نہیں پڑا۔

کانتا نے اُن کے پاؤں پکڑ لئے اپنے آنسوؤں سے اُنہیں بھگوتے ہوئے اُس نے کہا —— "پرماتما کے لئے اب مجھے اکیلی چھوڑ کر کہیں نہ جانا۔ تمہارے سوا پرماتما کے اس لمبے چوڑے سنسار میں میرا کوئی بھی یہاں نہیں"

یہ کہہ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

نگیندر بابو نے اُٹھ کر دونوں ہاتھوں سے اُسے اُٹھا لیا۔ اور کچھ کہے بغیر

اُس کے آنسو پونچھنے لگے۔

"وعدہ کرو کہ مجھ سے پوچھے بغیر کہیں نہیں جاؤ گے"۔ کانتا نے کہا۔ اب بھی اُس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

"وعدہ کرتا ہوں" کہہ کر اُس نے ہتھیار ڈال دیئے۔

اس کے بعد دونوں خاموش رہے۔ کچھ دیر تک کسی نے بھی بات چیت کرنے کی کوشش نہیں کی۔

پھر کانتا نے ہی مہر سکوت توڑتے ہوئے کہا ——"آپ اس وقت کہاں جا رہے تھے"

"یقین کرو، کہ کسی ایسی جگہ نہیں جا رہا تھا، جہاں اپنے بھیا کی موجودگی کی خبر سنکر تمہیں پشیمانی ہوتی" نگیندر بابو نے کہا۔

"یہ میں جانتی ہوں کہ تم دیوتا ہو" کانتا نے کہا —"تمہارا بدترین دشمن بھی تم پر کوئی ایسا ویسا الزام نہیں لگا سکتا۔

نگیندر بابو نے کہا "ایک اور بات بھی ہے۔ اب تو میں کہیں نہیں جا رہا لیکن اگر کسی دن تم سے پوچھ کر یا تمہیں ساتھ لے کر کہیں گیا تو تم دیکھو گی کہ تمہارا بھائی ایک ایسا کام کرنا چاہتا تھا جس کا تعلق کئی معصوم جانوں کی حفاظت سے ہے۔ اُس وقت تم خود محسوس کرو گی کہ آج مجھے اِس طرح روک کر تم نے کوئی اچھا کام نہیں کیا"

کانتا خاموش بیٹھی رہی ——

کچھ دیر بعد وہ کرسی سے اُٹھی اور آہستہ آہستہ کمرے سے باہر نکل گئی۔ رات

گزر گئی اور دن بھی گزر گیا۔ دُوسری رات کانتا اپنی چارپائی پر لیٹی ہُوئی خواب دیکھ رہی تھی ۔۔۔ اُس کے بھیّا کی شادی ہو رہی ہے۔ باجے بج رہے ہیں۔ وُہ سہرا گوندھ رہی ہے اور براتی اور مہمان آراستہ مکان میں داخل ہو رہے ہیں۔

وُہ چونک اُٹھی اور اُس کے ساتھ ہی اُس کی نیند کھُل گئی۔ اُس کی ماں نے ایک بار اُسے بتایا تھا کہ اگر سپنے میں کسی کی برات نظر آئے تو یہ بات منحوس ہوتی ہے۔

اُٹھ کر چارپائی پر بیٹھے ہُوئے اُس نے ہاتھ جوڑ کر نگیندر بابو کے لیے منگل کامنا کی۔ دوسرے لمحے ہی کسی نے زور سے دروازہ کھٹکھٹایا اور اُس کے ساتھ آواز آئی "کانتا دیوی - رادھا دیوی ۔۔۔ جلدی دروازہ کھولو ۔۔۔"

کانتا چونک پڑی - اُسے ایک نامعلوم واقعہ کا احساس ہُوا۔ اس احساس سے اُس کا دل دھک دھک کرنے لگا۔

رادھا اُس سے ہی چونک کر اُٹھ بیٹھی تھی۔ بجلی روشن کرتے ہوئے اُس نے بلند آواز سے کہا "کانتا دیوی! اُٹھو باہر کوئی بلا رہا ہے۔"

کانتا رات کو کپڑے تبدیل کئے بغیر ہی سو گئی تھی۔ بجلی روشن کر کے تیزی سے سیڑھیوں سے اُتری۔ کمرے میں جھانک کر دیکھا۔ نگیندر بابو غائب تھے۔

اُس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں۔

دونوں لڑکیاں نیچے اُتریں۔ دروازہ کھولا۔ وہی رات والا ڈرائیور باہر کھڑا تھا اور سڑک کے کنارے اُس رات والی ٹیکسی کھڑی تھی۔

ڈرائیور نے کہا ۔۔۔ "جلدی کرو بابو جی کی حالت خطرناک ہے۔"

دونوں کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ قریب تھا کہ کانتا غش کھا کر گر پڑتی

مگر ڈرائیور نے اُسے سنبھال لیا اور کہنے لگا— "تمہیں یاد کر رہے ہیں، اگر تمہیں ہی کچھ ہو گیا، تو اُن کا کیا بنے گا "

کانتا اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگی۔

کچھ لمحے بعد دونوں لڑکیاں کار میں بیٹھ گئیں اور گھُپ اندھیرے میں سڑکوں کی چھاتی پر دوڑتی ہوئی کار کسی نامعلوم منزل کی طرف جانے لگی۔

دونوں لڑکیوں کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

کانتا نے پوچھا "اب کیسی حالت ہے۔ کوئی ڈاکٹر بلایا ہے کیا؟ اُس کی کیا رائے ہے "

ڈرائیور نے ان سوالوں کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اُس نے یہی کہا— "بہن جی اُس روز آپ نے روک لیا تھا۔ اگر آج بھی روک لیتیں۔ تو اچھا ہی ہوتا۔ میں نوکر ہوں کیونکر روکتا اُنہیں۔ کہا بھی مگر وہ کسی کی مانتے تھوڑے ہی ہیں۔ غنڈوں اور بدمعاشوں میں گھر گئے۔ ایک بدمعاش نے اُنہیں چھرا گھونپ دیا۔ وار خالی تو گیا مگر وہ چھت سے گر پڑے۔ دُرگا ماں ہی اُن کی رکھشا کرے!"

کانتا نے ڈرائیور کے سامنے کار میں لگی ہوئی گھڑی دیکھی۔ ساڑھے تین بج گئے تھے۔ ضرور ہی وہ بارہ ایک بجے گھر سے نکلے ہونگے اُس نے روتے

ہوئے کہا — "یہ میری ہی غلطی تھی۔ مجھ بدبخت کو آج اتنی بُری نیند کیوں آگئی مجھے تو اور بھی محتاط ہو جانا چاہئے تھا، اُس دن کے بعد۔"

"انسان نہیں دیوتا ہیں نگیندر بابو۔" ڈرائیور نے کار کو ایک طرف گھماتے ہوئے کہا۔ "آج کل دوسروں کے لئے کون اپنی جان خطرے میں ڈالتا ہے۔"

کار کن راستوں سے گزرتی جا رہی تھی، کانتا کو اُس کا کچھ بھی پتہ نہ تھا اس وقت تو ماحول پر تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ لیکن اگر دن کا وقت ہوتا تو بھی وہ نگیندر بابو کی وجہ سے اسقدر پریشان تھی کہ اسے راستوں کا احساس ہی نہ ہو سکتا —

ایک بڑے آہنی دروازے کے سامنے کار رُک گئی۔ ڈرائیور نے باہر نکلتے ہوئے کہا — "آیئے — یہ ہسپتال ہے۔ نگیندر بابو یہاں ہی ہیں۔"

دونوں لڑکیاں کار سے باہر نکلیں۔ اُن کے دل دھک دھک کر رہے تھے۔ اس خیال سے کہ بدشگونی نہ ہو، کانتا نے ساڑھی کے آنچل سے آنسو پونچھے اور دھیرے دھیرے ڈرائیور کے پیچھے پیچھے چلنے لگیں۔

ایک لمبے برآمدے سے جس کے دونوں طرف تھوڑے تھوڑے فاصلے پر مریضوں کے کمرے تھے اور اُن کمروں کے اندر کی دھندلی سی روشنی ماحول کو بھیانک بنا رہی تھی، گزرتے ہوئے ڈرائیور ایک چھوٹے سے کمرے کے سامنے آکر رُک گیا۔ "نگیندر بابو اس کے اندر ہیں۔" کہہ کر جونہی اُس نے دروازہ کھولا ایک نرس نے سامنے آکر کہا۔ "ذرا رُک جایئے۔ آپریشن ہو چکا ہے اور ڈاکٹر

صاحب باہر آ رہے ہیں - اُن کی اجازت لے کر ہی آپ لوگ اندر جا سکتے ہیں ـــ"
کانتا کو جُرأت نہ ہوئی یہ پُوچھنے کی کہ اُس کے بھیا کی حالت کیسی ہے -
تھوڑی دیر بعد وہی نرس باہر نکلی اور تینوں کو دیکھا اور کمرے میں لیجا کر بٹھاتے ہُوئے اُس نے کہا ـــ" بہت خطرناک آپریشن ہُوا ہے - تھوڑی دیر میں ہوش آ جانے پر تُم لوگوں کو اِن سے ملا دیا جائے گا۔"
"وہ ہمارے بھیا ہیں" کہتے ہُوئے کانتا کی آنکھوں سے آنسُو بہہ نکلے -

دیوالی کی شام - سارے شہر میں لکشمی دیوی کے اپاسک دیوی کا سواگت کرنے کے لئے تیاریاں کر رہے تھے - بازاروں میں وُہ بھیڑ تھی کہ توبہ ہی بھلی - تھوڑی ہی دیر میں سارا شہر بُقعہ نور بن گیا -
تاہم ابھی شہر کے ایک کونے میں ایک عظیم الشان عمارت کے ایک چھوٹے سے کمرے میں ایک چراغ کی روشنی آہستہ آہستہ مدھم ہوتی جا رہی تھی - تعجب کی بات ہے کہ چند منٹ پہلے ڈاکٹر تھونے دے کر گیا تھا ـــ گھبرانے کی کوئی بات نہیں - نگیندر بالکل خطرے سے باہر ہیں اور جلد ہی تندرست ہو جائیں گے ـــ
اُسی کمرے سے ایک نوجوان لڑکی دھانی رنگ کی ساڑھی پہنے چینی کا ایک کپ اُٹھائے ہُوئے باہر نکلی - اُس کا چہرہ پیلا زرد ہو رہا تھا - یُوں لگتا تھا - گویا اُس

کی آنکھوں میں آنسوؤں کا ایک قطرہ بھی نہیں رہا۔

کون تھی وُہ لڑکی ـــــ؟

غور سے دیکھنے پر بخوبی معلوم ہو سکتا تھا کہ یہ وہی بدنصیب سیتا تھی، جس نے کچھ دِن پہلے صدق دل سے نگیندر بابو کو ہمیشہ کے لئے اپنا ساتھی بنانے کے لئے بھگوان سے پراتھنا کی تھی۔

چائے تیار کرتے کرتے اُس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ کمرے کی دھندلی سی روشنی میں اُسے ماضی کی تاریک گہرائیاں نظر آنے لگیں۔

وہ جب سے پیدا ہُوئی بدقسمتی اُس کے پیچھے لٹھ لئے بھاگتی رہی۔ اُس کے پِتا نے دوسری شادی کر لی تھی۔ نئی ماں نوجوان تھی، خوبصورت تھی۔ اِس لئے باپ نے سیتا پر ظلم ہوتے دیکھ کر بھی آنکھیں بند کر لی تھیں۔ جوان ہُوئی تو کئی حریصانہ نگاہیں اس کا تعاقب کرنے لگیں۔ سوتیلی ماں نے ایک بوڑھے کھوسٹ سے اُس کی سگائی کر دی تھی۔ چند دِن بعد وُہ دمہ کے حملے سے دم توڑ گیا۔ اور پھر اچانک فساد شروع ہو گئے۔ اُس کے ماں باپ مارے گئے۔ سیتا غنڈوں کے چنگل میں پھنس گئی۔ وہ لوگ، اُسے مارتے پیٹتے ڈھاکہ کے ایک اڈے میں فروخت کر گئے۔ اس کے بعد وُہ بدمعاش داد و غد کے ہاتھ چڑھ گئی۔ نگیندر بابو نے اپنی جان خطرے میں ڈال کر اُسے چھڑایا تھا۔ اُس دِن کے بعد وہ نگیندر بابو کو ہی اپنا سب کچھ سمجھنے لگی تھی۔ اُس نے نگیندر بابو سے محبّت کی تھی۔ اپنی دانست میں وُہ یہی سمجھ رہی تھی کہ نگیندر بابو بھی اُسے اپنے چرنوں کی داسی سمجھتے ہیں۔ مگر اُسے صدمہ پہنچا، جب نگیندر بابو نے کہہ دیا ـــــ "مَیں تم سے

محبت کرتا ہوں مگر میری محبت بھائی اور بہن کی محبت ہے۔"

وُہ مایوس ہو گئی تھی۔ اسی مایوسی کے عالم میں وُہ آشرم سے بھاگ گئی تھی۔ مگر بھاگتے وقت اُسے اپنی منزل کا کچھ علم نہیں تھا۔ وُہ نہیں جانتی تھی کہ کہاں جائے گی۔ ایک عورت ۔ اور اگر خوبصورت بھی ہو تو آسانی سے اپنے لئے ہزاروں جگہیں تلاش کر سکتی ہے۔ اُسے دیکھنے والے نوجوان اُس سے آسمان سے تارے توڑ لانے تک کے وعدے کرتے ہیں اور من مندر کی رانی بنانے اور اپنی جان تک اُس کے قدموں پر نثار کرنے کا وعدہ تو ہر کوئی کر دیتا ہے مگر سیتا کسی شخص کے جھانسے میں آنے کے لئے تیار نہیں تھی۔ وہ خود کشی کرنا چاہتی تھی مگر جُرأت نہ کر سکی۔ کالی گھاٹ کے پرانے مندر میں ماں دیوی کے چرنوں میں سیس جھکانے کے لئے بیٹھی تھی وُہ۔ یہاں ہی مندر کے مہنت نے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا تھا ـــ "بیٹی تم دُکھی معلوم ہوتی ہو۔ ماں سے پرارتھنا کرو۔ وُہ تمہیں شانتی دیں گی۔"

اور اُسی ماں کے سپوت کی حیثیت سے مہنت نے سیتا کو پناہ دینے کا وعدہ کیا تھا۔ سیتا نے اطمینان کا سانس لیا۔ وُہ اِسی مندر میں رہنے لگی، مگر ایک دن اچانک اسے محسوس ہوا کہ دُنیا میں شیطانوں کی تعداد زیادہ ہے اور شائستہ انسان لاکھوں میں کوئی ایک ہی ہے۔ ایک شخص اپنے آپ کو جس لڑکی کا باپ قرار دے وُہ اُس لڑکی کو بُری نگاہوں سے بھی دیکھ سکتا ہے، اِس کا اُسے وہم و گمان بھی نہیں تھا اور پھر دیوی کے مندر میں معصوم لڑکیوں کے جذبات سے کھیلا جا سکتا ہے، یہ بات اُس نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچی تھی

اُس نے پہلی چوٹ کھانے کے بعد دُوسری چوٹ سے بچنے کے لئے بھاگنے کی کوشش کی تھی مگر بھاگ نہ سکی تھی - اِس کے بعد وُہ کتنے دِن تک مندر کی ایک کال کوٹھڑی میں بند رہی' اس کا کوئی حساب ہی نہیں تھا - آخر ایک دن اُس نے اپنے آپ کو اس بازار میں دیکھا جہاں چاندی کے ٹھیکروں کے عوض عورتوں کی عصمت خریدی جاتی ہے - وُہ "سوناگاچھی" کے بالاخانہ پر رکھی گئی تھی - یہاں سے اُس نے موقعہ پاکر آشرم کے مینجر کو ایک دردناک خط بھیجا تھا - اس خط کا علم "سوناگاچھی" کے غنڈوں کو ہو گیا' سیتا بُری طرح پیٹی - تب اُس نے اس بالاخانے میں آنے والے حُسن اور جوانی کے خریداروں کی معرفت نگیندر بابو کو کئی خط لکھے کہ خط اُن تک کیوں نہیں پہنچے اُس کا راز آج ہی معلوم ہُوا تھا اُسے' مگر اُس وقت جب اُس کی اُمیدوں کی دُنیا اُس کی آنکھوں کے سامنے مِٹ رہی تھی -

جس آشرم کو نگیندر بابو نے اپنی اُمنگوں کی تکمیل کا ذریعہ بنا رکھا تھا ، اُس میں کام کرنے والے کچھ لوگ "سوناگاچھی" کے دلالوں سے مل گئے تھے - وہی سیتا کے خطوں کو نگیندر بابو تک پہنچنے نہیں دیتے تھے - وُہ ان خطوں کو راستے میں غائب کر لیتے تھے -

نگیندر بابو کو زندگی میں سب سے بڑا صدمہ پہنچا' دُنیا میں اِس قدر بد بانتی بھی ہو سکتی ہے کیا - اِس قدر دھوکہ بھی ہو سکتا ہے کیا ؟ اور ہاں سیتا ایک خط نگیندر بابو تک پہنچانے میں کامیاب ہو گئی تھی - اِس نے ایک "گمنام خیر خواہ" کی طرف سے انہیں پیغام بھجوا ہی دیا تھا ---

نگیندر بابو اُس رات اکیلے ہی اس بالاخانے پر جا پہنچے تھے - سیتا آج کا انتظار کر رہی تھی - وُہ اس ماحول سے بھاگ جانا چاہتی تھی - کہ اچانک

بدمعاشوں نے دونوں کو پکڑ لیا۔ وہ لوگ نگیندر بابو کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دینا چاہتے تھے۔ اگر وہ کامیاب ہو جاتے تو کسی کو کانوں کان اُس واقعہ کی خبر بھی نہ ملتی۔ نگیندر بابو چھرے کے وار سے تو بچ گئے مگر دوسری منزل سے گر پڑے۔ اُن کے جسم کی کئی ہڈیاں ٹوٹ گئی تھیں۔ سیتا نے یکایک چونک کر دیکھا۔ ماضی کے تاریک ماحول میں جھانکتے جھانکتے وہ پاگل سی ہو گئی تھی۔ چائے کی کیتلی سے پانی اُبل اُبل کر نیچے بہہ رہا تھا۔ اُس نے جلدی سے کیتلی اتاری اور چائے تیار کر کے نگیندر بابو کے کمرے میں داخل ہو گئی۔

بجلی کی روشنی میں نگیندر بابو نہ جانے کیا سوچ رہے تھے۔ کانتا اُن کے قدموں میں بیٹھی تھی۔ رادھا فرش پر لیٹی ہوئی تھی اور سیتا اُن کے سرہانے بیٹھی اُن کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے تھی۔

یکایک اُنہوں نے کہا "آج دیوالی ہے نا؟"

"جی ہاں" سیتا نے جواب دیا۔

"خوب" کہہ کر اُنہوں نے ایک گہری ٹھنڈی سانس لی۔ کانتا اُٹھ کر اُن کے سرہانے کی طرف بیٹھ گئی۔ اُن کی پیشانی کو اپنی ہتھیلی سے چھو کر اُس نے کہا۔ "اب بخار تو نہیں رہا"

نگیندر بابو کے ہونٹوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی - اُنہوں نے کہا ــــ" اب مجھے کوئی تکلیف نہیں"

اُن کا ایک ہاتھ کانتا کے ہاتھ میں تھا - اس کے لمس کا احساس کرتے ہوئے اُنہوں نے کہا ــــ" کانتا! ایک دِن تمہیں مجھ سے بہت محبت تھی - یاد ہے نا؟"

کانتا کی آنکھوں سے آنسوؤں کے دو قطرے ڈھلکے اور اُن کے ہاتھ پر گر پڑے اُنہیں محسوس کرتے ہوئے نگیندر بابو نے کہا ــــ" معلوم نہیں اب تم کیا سوچتی ہو مگر مجھے تو آج بھی تم سے پہلے کی طرح محبت ہے - اُس روز میں نے کہا تھا کہ سچی محبت وہی ہوتی ہے، جو بے غرضی پر مبنی ہو - اُس روز میرا دماغ ایک بہت بڑا بوجھ لئے ہوئے تھا - آج یہ بوجھ دُور ہو رہا ہے کہ اب میں اطمینان سے مر سکوں گا -"

" کیسی بُری بُری باتیں کر رہے ہیں آپ" کانتا نے کہا " دیوی ماں آپ کو جلد ہی تندرست کر دینگی -"

نگیندر بابو کے لبوں پر پھر ایک خفیف سی مسکراہٹ نمودار ہوئی ــ اُس نے کہا ــــ" اُس روز تم نے مجھ سے ایک بات پُوچھی تھی - میں نے اُس کا جواب نہیں دیا تھا - آج بھی نہیں چاہتا کہ تم کوئی سوال پُوچھو، اُن کاغذات کے متعلق مگر مجھے کچھ ترمیم کرنا ہے - اس لئے کہہ رہا ہوں"

کمرے میں سناٹا سا چھایا ہوا تھا ــــ

نگیندر بابو کہنے لگے ــــ" وہ وصیت ہی تھی - آج یہ بات کہنے کی ضرورت پیش آ رہی ہے - میں نے لکھا تھا کہ میری جائداد کانتا اور رادھا میں تقسیم کر دی جائے

اگر سیتا مل جائے تو وہ جہاں بھی ہو ایک حصّہ اُسے بھی دیا جائے۔ یہ کرنا تو تمہارے لئے کوئی مشکل نہیں رہا۔ مگر ایک بات اور بھی لکھی تھی۔ میں نے اپنے پتاجی کی کمائی کا پچاس ہزار روپیہ آشرم کے لئے دینے کا وعدہ کیا تھا۔ یہ وعدہ بھی تم نے ہی نبھانا ہے مگر اب کہے دیتا ہوں کہ آشرم کو ایک پائی بھی نہ دی جائے۔"

"آپ خاموشی سے کیوں نہیں کام لیتے۔" کانتا نے روتے ہوئے کہا۔ "اس لئے کہ اب خاموش رہنے کا وقت نہیں رہا۔" نگیندر بابو نے اپنے خشک ہونٹوں کو جنبش دیتے ہوئے کہا۔ "اگر تم تینوں مل کر میرے کام کو پورا کر سکو تو اچھی بات ہے لیکن یہ کام دوسرے لوگوں پر نہ چھوڑنا اور سیتا شادی کر کے یہی کام کرے۔ تو مجھے خوشی ہوگی۔ میری آتما کو سکون ملے گا۔"

"آپ مہا ماتا کا نام کیوں نہیں لیتے۔" کانتا نے اپنے آنسوؤں کو پونچھتے ہوئے کہا۔ "اسی کی شرن لینے سے آپ کے تمام دُکھ دُور ہو جائیں گے۔"

"وہ تو ٹھیک ہی ہے۔" نگیندر بابو نے کہا۔ "میرے لئے تم تینوں مہا ماتا ہو۔ تینوں ساکھشات دیویاں ہو۔ تمہیں اپنے نزدیک دیکھ کر مجھے کسی کو یاد کرنے کی ضرورت نہیں۔"

اس کی آواز دھیمی پڑ رہی تھی۔

یکایک اُنہوں نے کہا۔ "پانی کا ایک گلاس لاؤ۔"

تینوں لڑکیاں ایک ساتھ اُٹھ کر بھاگیں۔

واپسی پر کانتا سب سے آگے تھی۔ اُس نے نزدیک آکر کہا "پانی۔" نگیندر بابو نے کوئی جواب نہ دیا۔

اُس کے چہرے پر ہلکی سی مُسکراہٹ دیکھ کر کانتا نے کہا ـــــ "بھیا

اور اسی لمحے بھیّا کا سر ایک طرف لڑھک گیا۔

کمرے میں کہرام مچ گیا ـــــ

بہت اچھی ناول ہے

ختم شد

5741

یہ ناول بکواس معلوم ہوتی ہے

عورت طوائف کیوں بنی ؟

اس نے اپنا گوشت کیوں بیچا ؟

اپنے بستر کو شارع عام بنایا تو کیوں ؟

اُس بازار کی داستان

• جہاں راتیں جاگتی ہیں اور دن سوتے ہیں

•• جہاں انسان کی ماں۔ بہن اور بیٹی کا جسم بکتا ہے۔

کالے دھبّے گورے بدن

باتصویر

ہندوستان کے بیخوف اور نڈر اخبار نویس

جمنا داس اختر نے

اس ناول میں ان عورت کے زخم پیش کئے ہیں جس کا روپ عیاش انسانوں کے قہقہوں کی دستبرد میں ہے

قیمت :- تین روپے چھپ رہا ہے۔

پتہ :- مکتبہ رنگین ۱۵۹۷ گنج میر خاں دہلی

زیر طبع ناول :- (۱) پاپی (ناول) (۲) پاگل لڑکی (ناول) (۳) قاتل (ناول) (۴) ٹھیکیدار (ناول) (۵) ایک عجیب لڑکی (ناول)

اختر صاحب کے تہلکہ مچادینے والے ناول

چندر کلا	۲ روپے
جلن	۳
رادھا اور سبھا	۲
سوناگاچھی	۳-۸
چھایا	۳
اور خدا دیکھتا رہا	۲/۸
آگ	۲/۰
آنسو	۲/۱۲
بردہ فروش	۱/۱۲
کرنیں	۲/۰
پاگل	۳/۸
کشمیر کی بیٹی	۲/۸
کالے دھبے گورے بدن	۳/۰

مکتبہ رنگین کے رنگین شاہکار

چندر کلا۔ جمنا داس اختر ۔۔۔۔ ۲-۰-۰
جلن۔ جمنا داس اختر ۔۔۔۔ ۲-۰-۰
رادھا الزبیتھ " " ۔۔۔۔ ۲-۰-۰
سونا گاچھی " " ۔۔۔۔ ۳-۸-۰
پیار۔ زکی انور ۔۔۔۔ ۲-۸-۰
گناہ کے افسانے۔ شہزادہ تسنیم ۔۔۔۔ ۲-۴-۰
جب آتی بجھ گئی۔ رنگین ۔۔۔۔ ۲-۰-۰
سسرال۔ شوکت تھانوی ۔۔۔۔ ۲-۰-۰
بقراط " " ۔۔۔۔ ۲-۸-۰
پردے کے پیچھے۔ منٹو ۔۔۔۔ ۲-۸-۰

شیطان۔ منٹو ۔۔۔۔ ۳-۸-۰
نرملا۔ پریم چند ۔۔۔۔ ۲-۸-۰
حسن کی قیمت۔ انتصار حسین ۔۔۔۔ ۱-۸-۰
محبت روتی ہے۔ غلام عباس ۔۔۔۔ ۲-۰-۰
ملکہ صحرا۔ اوم پرکاش نامی ۔۔۔۔ ۲-۸-۰
کھیت ہیں لہو۔ تاجور سامری ۔۔۔۔ ۱-۱۲-۰
مالوہ۔ نریش کمار شاد ۔۔۔۔ ۱-۴-۰
پراسرار قاتلہ۔ رنگین بھارتی ۔۔۔۔ ۲-۰-۰
پراسرار رقاصہ " " ۔۔۔۔ ۲-۰-۰
خوفناک ٹکر " " ۔۔۔۔ ۲-۸-۰

(ملنے کا پتہ)

مکتبہ رنگین ۱۰۹۷ گنج میر خاں عقب ڈیلائیٹ سینما۔ دہلی ۶